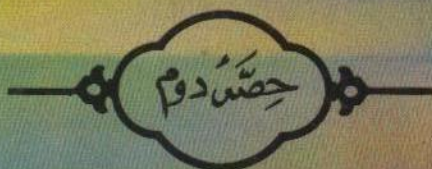


مجالس تراپی



”کفرانِ نعمت اور حیاتِ طیبہ“ پر ۱۹ مجالس کا مجموعہ



علامہ رشید تراپی

تَقَدَّمْ وَلَدِیْ

* مولانا سید حسن احلام مدظلہ
ممتاز الافاضل

* از نیچر فکر *

کربلا ہو چکی تیار تقدّم وَلَدِیْ
بڑھے آتے ہیں جفا کا ر تقدّم وَلَدِیْ
چاروں جانب ہے یلغار تقدّم وَلَدِیْ
ہوتی ہے تیروں کی بوچھاڑ تقدّم وَلَدِیْ

زد پہ ہیں سب مرے انصار تقدّم وَلَدِیْ
کربلا ہو چکی تیار تقدّم وَلَدِیْ

وقت یہ وہ ہے کہ تلوار اٹھالیں ہم لوگ
دین حق کو کسی صورت سے بچالیں ہم لوگ
کیوں کسی اور پہ اس بار کو ڈالیں ہم لوگ
کیوں نہ یہ معرکہ خود آپ سنبھالیں ہم لوگ

کھینچ کر نیام سے تلوار تقدّم وَلَدِیْ
کربلا ہو چکی تیار تقدّم وَلَدِیْ

اے مرے لخت جگر اے مرے پیارے فرزند
ہیں یہ نولاکھ تو کیا عزم تو ہے اپنا بلند
آگے آگے صفِ اول کے رہے اپنا سمند
میرے اصحاب کو پہنچے نہ کہیں کوئی گزند

تیر آتے ہیں لگا تار تقدّم وَلَدِیْ
کربلا ہو چکی تیار تقدّم وَلَدِیْ

جلد حقوق بحق محفوظ ایک انجینی محفوظ ہیں

علامہ رشید ترائی مرحوم کی مجالس آپ کے صاحبزادے
جناب نصیر ترائی صاحب کی اجازت کے بعد شائع کی گئی ہیں۔

۱۹۹۱ء

اشاعت

سندھ آفٹ پرنٹنگ پریس کراچی۔

طباعت

سیّد جعفر زیدی - ۳۷ بی لاندھی کراچی ۳۔

کتابت

محفوظ ایک انجینی امام بارگاہ مارٹن روڈ کراچی ۵۔

ناشر

فہرستِ مجالس

”کفرانِ نعمت“

از مجلسِ اول تا مجلسِ دہم۔ ”کل دن مجالس“۔ صفحہ ۱۳ تا صفحہ ۲۵

”حیاتِ طیبہ“

از مجلسِ اول تا مجلسِ نہم۔ ”کل ۹ مجالس“۔ صفحہ ۲۵۱ تا صفحہ ۳۹

بھائی عباس سنبھالے رہیں شکر کا نظام
قاسم و عون و محمد رہیں نزدیکِ خیام
تاکہ اس نعمت کا رخ کرنے سکے شکرِ شام
اور تم بہرِ وفا آگے بڑھو لے کے صدام

تیرا اللہ مددگار تَقَدُّمُ وَلَدِی
کر بلا ہو چکی تیار تَقَدُّمُ وَلَدِی

دین نانا کا مٹے اور نواسہ سہم لے
یہ نہ ہو گا کبھی ہم سے کوئی کچھ بھی کہہ لے
خون بہتا ہے تو ہم لوگوں کا اس پر بہ لے
بھیجتا جنگ پہ عائد کو میں تم سے پہلے

مگر عتاب تو ہیں بیمار تَقَدُّمُ وَلَدِی
کر بلا ہو چکی تیار تَقَدُّمُ وَلَدِی

مجھ سے یہ چاہتے ہیں بدر و اُحد کا بدلہ
میرے اسلاف کی ہر جد و جہد کا بدلہ
دینِ اسلام کی نصرت کا مدد کا بدلہ
باپ سے تیرے یہ لیں گے ترے جد کا بدلہ

ہم ہیں کے لیے تیار تَقَدُّمُ وَلَدِی
کر بلا ہو چکی تیار تَقَدُّمُ وَلَدِی

★

عرضِ ناشر

ہمارے عہد میں خطابت اور علامہ رشید ترائی کو لازم و ملزوم سمجھا جاتا رہا ہے۔ علوم آل محمد کی نشر و اشاعت میں جو درجہ علامہ کو حاصل رہا ہے اس کی مثال ان کی اپنی ذات تھی۔ آج جب کہ علامہ رشید ترائی ہم میں نہیں اُن کی شعۂ بیانی اور اندازِ خطابت کا اور اک اُس طرح تو ممکن نہیں جس طرح اُن کے سامعین مجالس کو تھا۔ تاہم اُن کے علمی مرتبے، منطقی طریقۂ استدلال اور خوش بیانی کا احساس کیا جاسکتا ہے اور اسی احساس کو اُجاگر کرنے کے لئے یہ مجموعہ مجالس پیش خدمت ہے۔

اس مجموعے میں دو عنوانات پر مجالس شامل ہیں رُکفانِ نعمت، عشرہ ثانی ۱۹۷۳ء، امام بارگاہ شاہ کربلا کراچی اور حیاتِ طیبہ عشرہ اول ۱۹۷۳ء، خالقِ دنیا ہال۔ کراچی، ہمارا ادارہ اس سے قبل بھی ”مجالس ترائی“ کے عنوان سے بھی ایک مجموعہ شائع کر چکا ہے اور اب بہت سے علمی اور مذہبی حلقوں کے اصرار پر یہ دوسرا حصہ شائع کیا جا رہا ہے۔ ہم اس سلسلے میں جناب نصیر ترائی کے بے حد شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ہمیں یہ مجالس شائع کرنے کی

اجازت بھی دی اور رہنمائی بھی کی ۔
انشاء اللہ اس سلسلے کی تیسری جلد بھی بہت جلد شائع کی
جائے گی۔

شکر گزار

اے ایچ رضوی

آپ سے التماس ہے کہ ایک سورہ فاتحہ
حضرت علامہ رشید ترابیؒ کی روح
کے ایصالِ ثواب کے لئے پڑھ دیں

عشرۂ ثانی

۱۳۹۲ھ م ۱۹۷۲ء

(عنوان)

”کفرانِ نعمت“

امام بارگاہِ رضویہ سوسائٹی

۲۱ محرم ۱۳۹۲ھ تا یکم صفر ۱۳۹۲ھ

مطابق

۸ مارچ ۱۹۷۲ء تا ۱۷ مارچ ۱۹۷۲ء

علامہ رشید ترابی

سزنامہ کلام کی آیات

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ •

”الْمُتَرَكِّفُ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ
(اے رسول) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا نے اچھی بات کلمہ کی کسی (اچھی) مثال بیان کی؟

أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ (آیت ۲۳)
کہ (اچھی بات) گویا ایک پاکیزہ درخت ہے، کہ اس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں
تُؤْتِي أَكْلَهَا كُلَّ حِينٍ يَا ذُنْ رَبِّهَا وَيَصُوبُ

اپنے رکے حکم سے ہمہ وقت پھل دیتا رہتا ہے۔۔۔۔۔ اور بیان فرماتا
اللَّهُ الْإِمْتَالِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ • (آیت ۲۵)

ہے خدا، لوگوں کے واسطے مثالیں، تاکہ وہ عبرت حاصل کریں۔

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ

اور کلمہ خبیثہ کی مثال شجر خبیثہ کی سی ہے۔ جس کی جڑ ایسی کمزور

مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَالِكًا مِنْ قَرَارٍ • (آیت ۲۶)

ہو کہ زمین کے اوپر سے اکھاڑ پھینکا جائے، اس کو قرار ہی نہیں ہے۔

يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي

جولوگ صدق دل سے امان لائے ہیں اُن کو خدا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی

الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ •

ثابت قدم رکھتا ہے۔

وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ قُلُوبَهُمْ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ • (آیت ۲۷)

اور سرکشوں کو خدا گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

— الْمُتَرِّ إِلَى الَّذِينَ بَدَلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا

(اے رسول) کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کے احسان (نعمت)

وَاحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَاسِ • (سورہ ابراہیم آیت ۲۸)

کے بدلے کفر (ناشکری کو) اختیار کیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں جھونک دیا۔

— جَهَنَّمَ يَصْلُونَهَا وَيُسَّ الْقَرَارُ • (آیت ۲۹)

یہ سب کے سب جہنم میں ڈال دیے جائیں گے اور وہ کیا ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔

(از سورہ ابراہیم پارہ ۱۳ - آیات ۲۴ تا ۲۹)

مجلسِ اول

- ۱- مومن کی علامت قولِ ثابت ہے۔
- ۲- ناقدری نعمت، کفرانِ نعمت ہے۔
- ۳- توفیقِ مومن کے لیے اور مُہلتِ کافر کے لیے ہے۔
- ۴- شکرِ نعمت کے لیے، ذکرِ نعمت ضروری ہے۔
- ۵- دین سب سے بڑی نعمت ہے۔
- ۶- جہاں دین کامل ہوتا ہے وہاں نعمت مکمل ہوتی ہے۔
- ۷- حسدِ نعمتوں کی ضد ہے۔ حاسد بیمار رہتا ہے۔
- ۸- خدا ایک قوم کو پیدا کرے گا جو اللہ اور رسولؐ کو دوست رکھتی ہوگی۔
- ۹- حضرت عباسؓ کی وفاداری۔
- ۱۰- قیامِ حق کے لیے اُمّ البنّین کا احسان۔
- ۱۱- بعدِ کربلا جنت البقیع میں اُمّ البنّین کے مین۔
- ۱۲- اگر عباسؓ کے ہاتھ نہ کٹتے تو حسینؑ قتل نہ کیے جاسکتے تھے۔

بے چسپی رہتے ہیں، ایک راہ نکل آئے گی۔

عنوان کا اعلان ہو چکا ہے اور آپ تمام حضرات ان تقریروں کے مرکزی خیال سے واقف ہو چکے ہیں کہ ہم ان تقریروں میں
"کفرانِ نعمت" پر غور و فکر کریں گے۔

مضمون دلچسپ بھی ہے، علمی بھی ہے اور عنوان قرآن ہی سے لیا گیا ہے
سورۃ ابراہیم کی آیات کی تلاوت کی، جنہیں سرنامہ کلام قرار دیا گیا۔

"کفرانِ نعمت" کے عنوان پر ہم آج ایک تمہیدی گفتگو کریں گے۔

ظاہر ہے کہ یہ اصطلاح آپ کے لیے نئی نہیں ہے۔ نعمت کو ٹھکرا دینا،
نعمت کو نعمت نہ ماننا، نعمت کو رائیگاں کر دینا، تصورِ نعمت کو بدل دینا....
معنی نعمت اور مفہومِ نعمت کو دوسری راہ پر ڈال دینا، یہ سب "کفرانِ نعمت"
میں شامل ہیں۔

بہر حال، ہم یہ جانتے ہیں کہ پڑھا لکھا طبقہ تو معنی و مفہیم و عنوان سے
واقف ہے مگر قرآن کا نقطہ نگاہ "کفرانِ نعمت" کے سلسلے میں وضاحت طلب ہے
میں نے سورۃ ابراہیم کی آیتوں کی تلاوت کی۔ سورۃ ابراہیم قرآن مجید کا چودھواں
سورہ ہے۔ بارہواں سورہ، سورۃ یوسف اور تیسرہواں سورہ، سورۃ رعد اور
چودھواں سورہ، سورۃ ابراہیم، اور پندرہواں سورہ، سورۃ الحجر، اور سولہواں
سورہ، سورۃ نحل۔ اس طرح سے یہ سورۃ ابراہیم کی آیت ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ خداوندِ علی و علیٰ یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
صاحبانِ ایمان کو ثباتِ قدم عطا کرتا ہے۔ اور یہ ثباتِ قدم بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ
قولِ ثبات سے عطا ہوتا ہے۔ ہم جو گفتگو کریں وہ محکم ہو، جو بات کریں وہ یقینی ہو
جو ظاہر کریں، جو بیان کریں اس میں اشتباہ نہ ہو۔

پہلی مجلس کفرانِ نعمت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ •
”یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ
الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ“ وَیُفِضُ اللّٰهُ الطَّالِبِیْنَ قُتَّ
وَفَعَلَ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ • اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا
نِعْمَتَ اللّٰهِ کُفْرًا وَاَحْلَوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ •
جَهَنَّمَ یَصْلُوْنَهَا وَیُسَّ الْقَوَارِ •“ (سورۃ ابراہیم: ۲۷)

”جو لوگ صدقِ دل سے ایمان لا چکے ہیں ان کو خدا دنیا میں بھی اور
آخرت میں بھی ثابت قدم رکھے گا، اور سرکشوں کو خدا اگر اسی میں چھوڑ
دیتا ہے اور خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ (اے رسول!) کیا تم نے ان
لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے میرے احسان کو (نعمت کی) کفران
سے بدل دیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر (گڑھے) میں جھونک دیا کہ
یہ سب کے سب جہنم میں ڈال دیے جائیں گے اور وہ کیا برا ٹھکانہ ہے۔“

“

ظاہر ہے کہ ایک مرتبہ پھر آپ حضرات کو زحمت دی جا رہی ہے۔
لیکن اگر اس زحمت کو ایک نعمت جان کر گوارہ کیا جائے تو یقیناً
معلومات میں بھی اضافہ ہوگا اور ان نوجوان بھائیوں کے لیے جو مسائل کو جاننے کیلئے

موت اک وقفہ ہے، اک وقفہ ہے۔ زندگی مسلسل ہے۔ یہاں بھی قول ثابت، وہاں بھی قول ثابت۔۔۔ اگر یہاں قول ثابت کا عادی ہے، تو محشر میں بھی وہی کہتے ہوئے اٹھے گا جو یہاں کہتے ہوئے آ رہا ہے۔۔۔ صلات۔
 ”بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ“
 قول ثابت دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

یہ نہیں ہے کہ دنیا میں کچھ اور کہہ کے آئے، اور آخرت میں کچھ اور۔۔۔ نہیں۔۔۔ اگر حیات دنیا بنائے آخرت ہے، اگر حیات دنیا بنیاد آخرت ہے، اگر حیات دنیا پر انحصار آخرت ہے، اگر حیات دنیا مقام اہتمام آخرت ہے۔ تو پھر قول ثابت یہیں رہے، یہ نہیں ہے کہ محشر میں ہم وہی کہیں گے، جو ہم کو کہنا ہے۔۔۔ تو محشر میں کہنے سے حاصل نہیں ہے، پہلے دنیا میں عادت ڈالو۔

”يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ“

حیات دنیا و آخرت میں خداوند علی و اعلیٰ قول ثابت سے ثبات قدم عطا کرتا ہے۔

یہ سورہ ابراہیم کی آیتیں پڑھ رہا ہوں۔ سلسلے کی آیتیں اور اس سے پہلے کی دو آیتیں: اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلْنَا مَالَهَا مِنْ قَرَارٍ - ہیں۔ ان کو آنے والی تفسیروں میں کسی دن جب مجھے ضرورت ہوگی سلسلے کی آیتیں بھی پڑھوں گا مگر آپ حضرات کے لیے کہ جن کو تلاش کی عادت ہے۔۔۔ اور جو قرآن کی تلاوت کرتے ہیں، وہ سورہ ابراہیم کی تلاوت کریں۔ اور یہ دیکھیں کہ میں نے سلسلہ کہاں سے لیا ہے، تاکہ آپ کو مدد ملے کہ میں آیت کو کہاں اٹھا رہا ہوں۔

”يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ“

”صاحبانِ ایمان کو خدا ثبات عطا کرتا ہے قول ثابت سے“

یعنی: ثبات کو نکرار سے کہا، کہ ثبات دے رہا ہے تو قول ثابت سے۔ کہ بات بھی نہیں بدلتی۔ اُس کا قول نہیں بدلتا، صاحبانِ ایمان کے قول میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ قول ثابت اور ثبات قدمی۔ یہ کوئی آسان بات نہیں ہے۔

دنیاوی اعتبار سے تو بڑے کروار کی ضرورت ہے کہ آفتیں آئیں، اور مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹیں، مگر قدم نہ ڈگ گائیں، تو ایسی منزل پر آدمی اپنی گفتگو میں، اپنی بات چیت میں، اپنے قول میں تبدیلی نہ پائے۔ قول میں تبدیلی نہ پائے۔ ابھی فعل کی گفتگو نہیں ہے۔

”بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ“

جو کہہ رہا ہے ثابت ہے، حق ہے، محکم ہے، بلا اشتباہ، بلا شبہ ہے،

بلا ریب ہے، بلا شک ہے اور سچ ہی سچ ہے۔

”يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ“

کہاں؟ قیامت میں۔؟۔ نہیں۔؟۔ ”فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا“

”دنیا میں ثبات قدم دیتے ہیں“

مومن کی پہچان یہی ہے کہ اُس کا قول نہ بدلے۔۔۔ آج کچھ، کل کچھ، پھر کچھ موسم کے ساتھ کچھ، گردشوں کے ساتھ کچھ۔

تو یہ صاحبانِ ایمان کی تعریف نہیں ہے۔۔۔ ”يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ“

حیات دنیا میں بھی قول ثابت اور آخرت میں بھی قول ثابت۔ مطلب یہ کہ یہ قول ثابت دنیا میں مسلسل ہے اور آخرت میں بھی مسلسل ہے۔

کہ وہ دنیا میں اور آخرت میں بھی قول ثابت کو لیکر جائے گا۔ اور ظالم مگر ابی میں چھوڑ دیے جائیں گے۔۔۔۔۔ (مگر ابی میں جھونک دیے جائیں گے)۔
جہاں بات بدل جاتے وہاں ظلم ہے۔

یہ بنیاد ہے، تمہید ہے۔ اس لیے یہ INTRODUCTORY تقریر ذہنوں میں رہے، تاکہ پھر ہماری تقریروں میں یہ جملے کام آئیں۔ جہاں قول بدل گیا، وہاں ظلم ہے۔۔۔۔۔ آپ تاریخ اسلام میں دیکھتے جائیں گے، جہاں جہاں آپ ظلم کو پائیں گے، وہاں اس حقیقت سے آپ واقف ہوں گے کہ کہا کچھ گیا تھا صرف بدل دیا گیا قول کو، مانا کچھ گیا تھا، پھر اُس کے بعد انکار کر دیا گیا کسی کے لیے آمادگی ظاہر کی گئی تھی۔ پھر اُس کے بعد رد کر دیا گیا۔۔۔۔۔ اس تفصیل کا وقت نہیں ہے۔۔۔۔۔ میں آیتوں کے ترجمے کو پیش کر رہا ہوں۔

”الَّذِينَ إِلَى الَّذِينَ بَدَلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا“
”کیا تو نے دیکھا اُن لوگوں کی طرف جو اللہ کی نعمتوں کو بدل دیتے ہیں کفر سے“
”کیا تو نے دیکھا اُن لوگوں کی طرف جنہوں نے نعمتِ الہی کو کفر سے بدل دیا؟“
”وَاحْلُوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۚ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَبِئْسَ الْقَرَارُ“

”اور اپنی پوری قوم کو ہلاکت کے گھر میں جھونک دیا، جہنم میں ڈال دیا اور جو بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔“
”بَدَلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا وَاحْلُوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ“
”کچھ لوگ تھے جنہوں نے نعمتِ الہی کا کفران کیا اور پوری قوم کو جہنم میں ڈال دیا۔“

Guide گائیڈ کر رہے تھے، Lead لیڈ کر رہے تھے، رہبری کر رہے تھے

”يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ“

خداوند علیٰ ثبات عطا کرتا ہے صاحبانِ ایمان کو، دنیاوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی قول ثابت سے۔

سلسلہ آیت آگے بڑھتا ہے:

”يُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ“

اور۔۔۔ ظلم کرنے والوں کو مگر ابی میں چھوڑ دیتا ہے۔

دیکھیے! يُضِلُّ اللَّهُ الْكَافِرِينَ نہیں ہے۔۔۔۔۔ نہیں ہے۔ بلکہ ایک خاص لفظ استعمال کیا ہے۔ ”يُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ“، (اور ظلم کرنے والوں کو چھوڑ دیتا ہے مگر ابی کی راہ میں۔

”وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ“

”اور خدا جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے“

تو اب اگر ثباتِ قول نہ ہو۔۔۔ نتیجہ نکالے۔۔۔۔۔؟

اگر ثباتِ قول نہ ہو۔۔۔ نتیجہ نکالے۔۔۔۔۔؟۔۔۔ تو وہ ظلم ہے۔

اگر قول بدل جائے تو وہ ظلم ہے۔۔۔ اس لیے ذاتِ واجب نے

جب اپنی تعریف کی، تو ارشاد ہوا: (سورہ ق آیت ۲۹) میں:

”وَمَا يُبَدِّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ“

”میرے یہاں قول نہیں بدلتا اور میں بندوں پر ظالم نہیں ہوں“

میرے قول میں تبدیلی نہیں ہے، میں ظالم نہیں ہوں۔۔۔۔۔ تو اپنے عین

عدل ہونے کا ثبوت ہی یہ دے رہا ہے کہ جو کہہ چکا، وہ کہہ چکا، اور جو کہنا تھا

وہی کہا گیا ہے۔۔۔۔۔ اور صاحبانِ ایمان کی بھی تعریف یہ کی گئی ہے

میں آیتیں پڑھوں گا اس سلسلے میں۔ مگر چونکہ تہبیدی تقریر ہے، اس لیے چند باتوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ Right کیا ہے، حق کیا ہے، نعمت کی تعریف کیا ہے؟

اس کو بھی سوچتے ہوئے چلیں۔۔۔۔۔ انسان کا "وجود" کوئی دنیا میں آیا، اپنی مرضی سے آیا۔ کوئی کہہ دے۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔ تو جس کی مرضی سے آیا، کیا اُس کی دی ہوئی نعمت نہیں ہے، وجود۔۔۔۔۔ اور اگر وجود اس کی نعمت ہے، تو پھر جیسے جیسے اُس کو منعوا ہوا۔ اُس کا کتنا دخل ہے اس میں؟۔۔۔۔۔ بہت غور سے سُنیے۔۔۔۔۔ اُس کا کتنا دخل ہے یہ پانچ نظام میں، کہ حیات ملی، اور پانچ نظام آگے بڑھے۔ اور پانچ نظام یہ ہیں ہاضمہ، دافعہ، جاذبہ، ماسکہ، مُرتبہ ہضم کیا، جس کی ضرورت نہ تھی اُس کو دفع کیا۔ (ہاضمہ و دافعہ) جس کی خواہش تھی اُس کو جذب کیا۔ (جاذبہ) جس سے نمو ممکن اس کو روکا۔ (ماسکہ)

اور اس کے بعد ایک قوت تھی جو یہ برابر تربیت دے جاری تھی کہ یہ دو دن، چار دن، چھ مہینے، آٹھ مہینے، سال بھر، دو سال، اب چلنے کے قابل ہوا اب بولنے کے قابل ہوا، اب جوانی آئی اور اب اس منزل پر آیا۔۔۔۔۔ اب یہ سوچ رہا ہے کہ اب تو میں ہوں۔۔۔۔۔ اب تو میں ہوں۔۔۔۔۔ تو دیکھنا یہ ہے کہ جتنی نعمتوں سے مسلسل اس کو سرفراز کیا گیا، آغاز وجود سے لے کر کن کن نعمتوں پر اُس نے اس یقین کا اظہار کیا کہ یہ میرا حق "نہیں تھا، مگر یہ اُس کی نعمت" ہے۔ اور اگر کبھی یہ نہیں سوچا، تو اب بھی وقت ہے کہ اتنی نعمتیں مجھے عطا ہوئیں اور اُس کے بعد اگر اب جوان ہو کر، کچھ پڑھ لکھ کر، کچھ کمانے کھانے

راہ بتلا رہے تھے اور نتیجہ یہ ہوا کہ جب خود انھوں نے کفرانِ نعمت پر کمر باندھ لی تو پوری قوم کو جہنم کے دہانے پر لا کر کھڑا کر دیا:

"جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَيُسُّ الْقَرَارُ"

"پہنچا دیا جہنم میں اور وہ بڑا بڑا مقام ہے، بڑی بُری جگہ ہے" یہ آیت کا ترجمہ تھا۔ آیت کا مقام، اُس کی جگہ سورے میں معین ہو گئی۔ ابتدائی ایک آیت بھی پڑھ دی گئی، سورہ ابراہیم کی آیت ہے۔ کفرانِ نعمت پر گفتگو کا آغاز کیا خیال ہے، اگر آپ سے یہ پوچھا جائے کہ نعمت کی تعریف کیجیے؟ نعمت کی تعریف کیجیے کہ نعمت کیا ہے؟

تو آپ اس کا جواب دیں گے کہ میرا جو حق ہے اگر وہ ملے تو نعمت ہے۔۔۔۔۔ نعمت حق ہے۔۔۔۔۔ آپ کا حق ہے۔ آپ کا Right ہے۔ کتنا بڑا فرق ہے۔ دیکھیے، ایک دو لفظ۔۔۔۔۔ یعنی آپ پیدا ہوئے۔ کیا یہ آپ کا Right تھا؟ آپ کا حق تھا کہ آپ کو پیدا کیا جائے۔؟ آپ سانس لینے لگے، کیا آپ کا حق تھا کہ یہ سانس آئے اور جائے؟ آپ غذا کھانے لگے، دودھ پینے لگے، تو کیا یہ آپ کا حق تھا؟ تو اب آپ ایک ایک منزل کو دیکھتے جاتے۔۔۔۔۔ کہ نعمت وہ ہے جو عطا ہے بغیر اس تصور کے کہ اس کو حق پہنچتا ہے یا نہیں پہنچتا۔

نعمت وہ عطا ہے کہ جہاں تصور حق نہیں ہے۔۔۔۔۔ نعمت ملی، تو اب پھر اس کے بعد کوئی یہ کہے کہ مجھے تو حق پہنچتا تھا۔۔۔۔۔ جہاں اُس نے کہا کہ مجھے حق پہنچتا ہے، جہاں اُس نے اُس نعمت کو اس عطا کو اپنا حق جانا، اپنا Right جانا، وہاں اس نے اُس نعمت کو بدل دیا۔۔۔۔۔ نعمت کو بدل دیا انکار سے بدل دیا، نعمت کو نعمت کے تصور سے بدل دیا۔ اگر یہ کہہ دیا کہ میرے لیے تھا

جب نمونہ ہوا تو وہ کبھی کسی کی مرضی تھی، جب میں بڑھتا چلا تو وہ کبھی کسی کا ارادہ تھا۔
جوان ہوں تو کسی کا منشاء ہے، ضعیفی آتی تو کسی کا حکم ہے۔۔۔ اس لیے کہ آغاز
اور انجام دونوں میں مجبوری ہے۔ اس لیے کہ نہ پیدا ہوا ہے اپنے ارادے سے، نہ
مرے گا اپنے ارادے سے۔

کیا خیال ہے، اس جملے پر موت ارادے سے ہے؟ کوئی ہے ایسا جو
یہ کہے کہ میں جانتا ہوں کہ کب میری موت ہے۔ کوئی، دنیا کے بڑے سے بڑے
ڈاکٹر سے پوچھے۔۔۔ چاند پر جا کر اترنا آسان ہے، موت کی ساعت بتلانا
مشکل ہے:

”وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ“ (سورۃ ابراہیم آیت ۳۳)

”اور ہم نے تمہارے لیے مسخر کر دیا سورج اور چاند کو“

مگر یہ نہیں بتلایا کہ تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے موت کو۔

یہ قرآن ہے، تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے سورج کو اور چاند کو۔

سورۃ ”رحمن“ میں ہے کہ اگر قوت ہے تو آگے بڑھ جاؤ، آفاق سے نکل جاؤ
فضائوں سے نکل جاؤ، مگر موت کے متعلق کیا ہے، یہ کس کے اختیار میں ہے، اگر خدا
پر یقین نہیں ہے۔ تو نہ سہی، موت پر تو ہے، اس لیے موت ہی کا نام یقین ہے۔

قرآن مجید کی تفسیر آپ کو معلوم ہے:

”وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ“ (سورۃ حجر آیت ۶۹)

”اور اپنے رب کی عبادت کر یہاں تک کہ یقین آجائے“

معصوم نے فرمایا: یقین کے معنی موت کے ہیں۔

یعنی اتنی یقینی شے، اتنی یقینی شے۔ موت ہی یقین ہے۔ دنیا کے سارے

انکشافات، دنیا کے سارے علوم یہ ثابت کرنے سے قاصر ہیں کہ یہ آغاز یہ انجام، کیا

کے قابل ہو کر، اگر اب یہ سمجھے کہ یہ تو سب میری کوششوں کا نتیجہ ہیں، تو اب اس
سے یہ گفتگو کی جائے گی کہ یہ کوششیں کن اعضاء و جوارح سے ہوتیں، کس دماغ
نے یہ کوشش کی؟

کیا دماغ اُس کی اپنی خلقت ہے، کیا اعضاء و جوارح اُس کی اپنی مخلوق ہیں؟
”ارادہ“ اور ارادے کی فعالیت، یہ اُس کا اپنا سرمایہ ہیں؟

ایسا نہیں ہے، بلکہ یا ”توفیق“ ہے۔ یا ”مہلت“

میرے لفظوں پر بہت زیادہ غور کیجیے:

یا ”توفیق“ ہے۔ یا ”مہلت“۔۔۔۔۔ ”توفیق“ مومن کیلئے ہے
”مہلت“ کافر کے لیے ہے۔۔۔۔۔ کہا جاؤ۔۔۔

یا توفیق ہے یا مہلت۔ ان دو حالتوں سے وہ متاثر ہے۔ اور
ایسے میں وہ نعمت الہی کا اندازہ کرنے سے اگر قاصر رہ گیا اور اُس پر ضد کی، کہ
نہیں یہ میرا حق ہے، یہ میرا Right ہے۔

یہ سورۃ فجر کی آیتیں ہیں، اور اس کے بعد آنے والی تقریروں میں
استدلال آپ سنیں گے۔ میں جہاں جہاں سے قرآن کی آیتیں پڑھتا جاؤں گا،
آپ کی خدمت میں عرض کرتا جاؤں گا کہ استدلال یہ ہے۔۔۔ کئی مقامات پر
قرآن نے کہا ہے کہ یہ انسان اپنا حق جتنا ہے، کہ یہ میرا حق ہے، درانحالیکہ
اُس کا کوئی حق نہیں ہے۔۔۔ کسی اور نے پیدا کیا ہے، تو پھر اُسی سے مانگے
کسی اور نے خلق کیا ہے تو پھر اُسی کے پاس جائے، میرے زمین و آسمان سے
نکل جائے۔۔۔ مجھے ضرورت نہیں ہے۔

مگر یہ انسان اگر ”توفیق“ ملے تو اب قدم قدم پر یہ سمجھتا چلا۔۔۔۔۔
جب خلق کیا گیا تھا تو مرضی کسی اور کی تھی، جب تنفس ہوا، تو وہ بھی حکم کسی اور کا تھا

انسان کا اختیار حیات پر ہے اور موت پر ہے، کیا تحقیق ہو چکی؟۔۔۔ نہیں۔
 نہیں۔ مجبوری سی مجبوری ہے۔ زمین کا کام کو نسا انجام پایا کہ:
 ”بر آسمان کار پرداختی“

آسمان کی بلندیوں پر جانا آسان ہے، صرف انسان کے نفس پر گفتگو مشکل
 ہے۔ بہر حال، کفرانِ نعمت کی منزل پر جب انسان یہ طے کر لیتا ہے کہ یہ میرا حق
 ہے اور میں نے اس کو حاصل کیا ہے، تو اب ایسی منزل پہ آپ غور کیجیے کہ کیا
 واقعی دنیا میں کوئی ایسا انسان ہے کہ جس نے محنت کر کے اور سعی کر کے اپنی حیات کو
 حاصل کیا ہو؟

بہت غور سے سنیے۔۔۔۔۔ کوئی ہے ایسا انسان جس نے کوشش کر کے اپنی
 حیات کو حاصل کیا ہو، اور کوشش کر کے اپنی موت کو روک سکے؟
 جب آپ نہ یہ کر سکتے ہیں، نہ یہ کر سکتے ہیں تو پھر ذرا سا اپنے ماحول کو دیکھیے
 ذرا سا گزرتے ہوئے وقت کو روک لیجیے۔ یہ تو آپ نے کیا کہ یہ نفس میرا نفس ہے
 تو اے اے سوچنے والے! یہ نفس تو تیرا ہے مگر جو چھین گیا، وہ گھڑی گئی،
 وہ وقت گزر گیا۔۔۔۔۔ گویا، ساعت چل رہی ہے، گویا ذرہ ہائے خاک
 برابر گرے چلے جا رہے ہیں۔ ایک ایک گزرتی ہوئی دھڑکن یہ بتلا رہا ہے کہ اب
 حیات چلی۔ روکے یہ روک لے میں چلی، تو روک لے۔
 حیات و موت پہ اب تک گفتگو تھی۔

اب درمیانی شے پر گفتگو ہے۔ اپنی نبض پر انگلیوں کو رکھ کر چلتی ہوئی
 نبض کو تو روک دو۔۔۔ نہیں روک سکتے۔۔۔ اس کے معنی یہ کہ جو قانون تھکائے
 ارد گرد کام کر رہا ہے اس قانون کا منشاء یہ ہے کہ تم کسی کی مرضی پہ چلو، اور کسی کے
 حق کو پہچانو، اور کسی کے حکم کے پابند ہو جاؤ۔

کیا انسان کے اپنے اختیار میں ہے؟
 ساری سائنس کی تھیوری کو دیکھ ڈالو، آسمان پر پرواز کرنے والے، اور
 کڑوا ساوی میں جا کر تحقیقاتِ جدیدہ کا کام کرنے والے جہاں مجبور ہو گئے کہ
 خود اُن کا اپنا آغاز و انجام ہے۔۔۔؟ کسی سائنسدان سے پوچھیے تم اپنی مرضی
 سے پیدا ہوئے نہیں۔ تم اپنی مرضی سے مرو گئے۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔ جب ابتداء
 اور انتہا دونوں میں مرضی نہیں ہے انسان کی۔ تو اُس کے درمیانی زمانے کو بھی
 اگر اُسی کی مرضی کے تابع رکھا جائے جس کی مرضی سے پیدا ہوئے اور جس کی مرضی سے
 مرنے لگے تو پھر ایسی منزل پہ کہا گیا ہے ”توفیق“۔۔۔۔۔ یہ ”توفیق“ کو میں نے سمجھایا ہے
 ۔۔۔۔۔ ایسی منزل پر کہا گیا ”توفیق“،

اور اگر نہیں سمجھا سکا، تو اس کے معنی یہ کہ ایک نعمت کو ٹھکرایا، دوسری
 نعمت کو ٹھکرایا، تیسری نعمت کو ٹھکرایا، نعمت کو ٹھکرایا، کیا معنی۔۔۔۔۔ سانس
 تو چل رہی ہے، یہ نعمت ہے اور انکار کرنے والا انکار کر رہا ہے، کہ یہ نعمت
 نہیں ہے۔۔۔۔۔ تو پھر معنی کیا ہوتے؟۔۔۔۔۔ معنی یہ کہ ناقدری نعمت ہی
 ”کفرانِ نعمت“ ہے۔۔۔۔۔ جہاں آپ نے قدر نہ کی کفران ہوا، اور آپ نہ سمجھ
 سکے کہ یہ کیا ہے۔ آپ نے کہا، ٹھیک ہے ہم جی رہے ہیں۔۔۔۔۔ مبادا اگر مادہ ہے
 تو معاد بھی مادہ ہے۔۔۔۔۔ اسی سے آغاز اسی پر انجام

اب یہ نظریہ کہ یہ سب مادہ ہے۔۔۔۔۔ اسی سے آغاز اسی پر انجام۔
 نہ قیامت ہے، نہ سوال و جواب ہے، نہ کوئی پرسش ہے، نہ میزان ہے، نہ
 حشر ہے نہ نشر ہے، کچھ نہیں ہے، اس لیے کہ مبادا مادہ ہے اور اس سے
 بنتا ہے، پھر انسان فنا ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔ اگر اس نظریے سے زندگی ہے
 تو اسی نظریے والوں سے یہ پوچھنا ہے کہ کیا اب اس امر کی تحقیق ہو چکی ہے، کہ

مگر یہ جبر نہیں ہے، مگر یہ Determinism نہیں ہے۔
 پیدا کیا، نبضوں میں حرکت دی، خون میں روانی دی، دل کو دھڑکا دیا،
 بچپن سے جوانی، جوانی سے ضعیفی کے موسم بدل گئے اور اس کے باوجود اپنی قدرتِ
 تامہ کے باوجود دولتِ عقل دیکر اور ارسالِ رسل کی نعمتوں کے بعد اس نے کہا کہ
 مردِ آزاد ہے تو اپنی عاقبت کو جان لے، ہم یہ الزام نہ رہے کہ مجبوریاں تھیں،
 اگر مجبور ہوتا ہر بشر تو نیک ہی نیک ہوتا۔
 یہ بڑی عجیب منزلِ منکر ہے۔

اگر مجبور ہوتا، تو خیر ہی خیر ہوتا، آزاد ہے جو اتنا شریک ہے۔
 قدرت کیوں ٹھوکرین کھانے دیتی، قدرت کب پسند کرتی کہ یہ اس طرح سے
 مارا مارا پھرے۔۔۔ مگر نہیں، اس نے کہا: پیدا کر کے، اس کو خلق کر کے:

”إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا
 كَفُورًا“ (سورۃ دھر آیت ۳)

”ہم نے اس کو راستہ دکھا دیا، اب چاہے شکر کرے
 چاہے کفران (نعمت) کرے۔“

مگر ہمارا منشور یہ تھا کہ شکر کی منزل پہ آتا۔

میں زیادہ وقت نہیں لوں گا، میرے لیے وقت معین ہے۔ مگر میں چاہتا
 ہوں کہ میری گفتگو کو صحیح طور پر محفوظ کرنے کی کوشش کی جاتے۔

”یہ منشور ہے کہ شکر ہو کفر نہ ہو۔“

میں عرض کروں گا کہ شکر نعمت بغیر ذکرِ نعمت کس طرح ممکن ہے۔؟

تو ذکر بھی تو کرو، کہ نعمتیں کیا کیا ملیں۔ ذکر بھی تو ہو۔۔۔ اگر دین کے

دائرے میں ہو تو دین کی نعمتیں بتلاؤ، اگر دنیا کے دائرے میں ہو تو دنیا کی نعمتیں بتلاؤ

کہ کون کونسی نعمتیں ملیں اور کن کن نعمتوں کا شکر ادا کیا گیا۔

جہاں نعمت کی قدر نہیں ہوتی، وہاں زوال ہے، جہاں نعمت کی قدر نہیں
 ہوتی وہاں سلبِ نعمت ہے، جہاں نعمت کی قدر نہیں ہوتی وہاں سے اس
 نعمت کو ہٹا لیا جاتا ہے۔ پھر اس کے بعد کئے کا امکان نہیں، شکایت بھی جائز
 نہیں، کہ پروردگار! یہ تو نے کیا کیا؟۔۔۔۔۔ تم نے نعمت کو کب محفوظ کیا
 تھا، تم نے نعمت کی حفاظت کب کی تھی۔؟

کفران کی سزا یہ ہے کہ زوال ہے، کفران کی سزا یہ ہے کہ نعمت ہٹا لی
 جائے۔۔۔۔۔ اور پھر دیکھو یہ مرض لازم نہیں ہے، یہ مرض متعدی ہے۔

یہ صرف ایک کی حد تک نہیں رہتا، جو نعمت کو ٹھکراتا ہے وہ تنہا نہیں ہے
 وہ اپنے ماحول کو متاثر کرتا ہے، ماحول قبیلہ کو متاثر کرتا ہے، قبیلہ معاشرے کو
 متاثر کرتا ہے، معاشرہ پوری قوم کو متاثر کرتا ہے:

”وَ احْتَوٰ اَقْوَامَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ“

(اور پوری قوم جہنم کے حوالے ہو جاتی ہے)

اس لیے نعمت کا احتساب اور نعمت کی حفاظت۔۔۔

اگر آج ہی کی تقریر میں یہ کہا جاتے کہ دین سب سے بڑی نعمت ہے
 اور یہ میرے الفاظ نہیں ہیں۔ اگر قرآن کی آیتیں ذہن میں ہیں تو جیسے جیسے
 گفتگو ہوتی جائے، آیتوں کو آنا چاہیے ذہن میں۔

جہاں دین کامل ہوتا ہے، نعمت اتمام پاتی ہے، جہاں دین کامل ہوتا ہے

وہاں نعمت مکمل ہوتی ہے: (سورۃ مادہ کی آیت ۳ میں ارشاد ہوتا ہے)

”الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي“

(آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل اور اپنی نعمت کو تم پر تمام کیا)

بحث چھڑ جاتی ہے کہ یہیں سے کفرانِ نعمت شروع، یہیں سے کفرانِ نعمت کا آغاز۔۔۔ حتیٰ کی گفتگو نہ کرو۔ یہ دیکھو کہ دین کس کیلئے ہے، عطا کس کیلئے ہے۔۔۔ اس منزل پر ایک بہت اہم ارشاد میرے آقا و مولا کا ہے، اُس کو میں کوٹ (quote) کروں۔ ارشاد فرمایا:

لَا تَكُونُوا لِلنِّعَمِ أَضْدَادَ

وَلَا تَكُونُوا لِفَضْلِهِ حُسَدَا

خبردار! اگر ادھر سے فضل آئے تو حد نہ کرو اور ادھر سے کسی پر نعمتوں کی عطا ہو تو مخالفت نہ کرو۔

اس لیے کہ یہ (حسد) نعمتوں کی ضد ہے۔

عجیب تعریف کی:

”لَا تَكُونُوا لِلنِّعَمِ عَلَيْكُمْ أَضْدَادَ“

”جب تم پر نعمتیں نازل ہو رہی ہوں تو اُس کی ضد یہ نہ بناؤ“ اُس کے اضداد نہ ہو، اُس کی مخالفت نہ کرو۔۔۔ کیوں... اس لیے

وَلَا تَكُونُوا لِفَضْلِهِ حُسَدَا

اور جہاں فضیلت آرہی ہو وہاں حسد نہ کرو۔

”أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَى مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ

فَضْلِهِ“ (سورۃ نساء آیت ۵۴)

”کیا وہ لوگوں سے اس (نعمت) پر حسد کرتے ہیں جو اللہ نے

انہیں اپنے فضل سے عطا کی۔“

”فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَ

آتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا“ (سورۃ نساء ۵۴)

(بیشک تم نے آلِ ابراہیم کو کتاب دی اور حکمت دی اور ملک عظیم دیا)

دین کامل ہوا، نعمت مکمل ہو گئی۔

تو عزیزانِ گرامی!

ملت سے تو پہلی خواہش یہ ہے کہ کوئی دین کو کھلونا نہ بنائے۔۔۔ کوئی

مذہب کا مذاق نہ اڑائے، کوئی دین کی توہین نہ کرے، کوئی اسلام سے اس طرح

سے پیش نہ آئے جیسے کوئی انسان سُبک چیزوں کا تذکرہ کر کے گذر جاتا ہے،

اسلام گراں ہے بہت گراں

بہت گراں اس لیے جہاں دین کامل ہوا، نعمتیں درجۃ اتمام کو پہنچیں

ابھی عرض کر چکا کہ شکرِ نعمت اُسی وقت ہے کہ جب ذکرِ نعمت ہو، تو اُس

دن کا ذکر تو کرو جس دن، دین کامل ہوا۔ یہ قرآن مجید کی آیت ہے۔

”الْيَوْمُ“۔۔۔۔۔ الْيَوْمُ۔۔۔

ایک عجیب آغاز ہے اس آیت کا۔ ہزاروں مرتبہ آپ نے سنا ہوگا اس

آیت کو ”الْيَوْمُ“ آج کے دن۔۔۔۔۔ وہ آج کب آیا۔۔۔ الْيَوْمُ

بہر حال کوئی دن تھا، جب دین کامل ہوا۔ کوئی دن تھا جب نعمتیں اتمام پہ

پہنچیں۔۔۔۔۔ آیت کا اگلا جُز۔۔۔۔۔ آخری حصہ۔۔۔

”رَضِيتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا“

”تمہارے دین اسلام سے میں راضی ہو گیا“

میں۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔ میں راضی ہو گیا۔

تو آپ نے دیکھا کہ شکرِ نعمت کا تقاضہ ہے کہ ذکرِ نعمت ہو۔۔۔ اور

ذکرِ نعمت یہ کہ انسان یہ جانے کہ عطا ہے، دین ہے، مالک نے نوازا ہے،

مالک نے سرفراز کیا ہے۔

اب اگر اُس جمع میں کوئی یہ کہے کہ یہ تو میرا حق ہے۔۔۔۔۔ تو پھر وہی

کیا انسان حسد کرے گا؟ جو حاسد ہوگا وہ کفرانِ نعمت کی منزل پہ آجائیگا

نعرۂ حیدری نعرۂ حیدری

بہر حال، یہ منزل یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کہیں فضل ہے کہیں

عنایت ہے، کہیں لطف ہے، کہیں عطا ہے، کہیں کرم ہے

”فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ
وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا“

” بیشک ہم نے آلِ ابراہیم کو کتاب دی، حکمت دی اور ہم نے
اُن کو ملکِ عظیم دیا۔ “

اور ان سب عطایا کو فضل کہا۔

”أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَى مَا آتَاهُمُ اللَّهُ
مِنْ فَضْلِهِ“

” کیا وہ لوگوں سے اس (نعمت) پر حسد کرتے ہیں جو اللہ نے

انہیں اپنے فضل سے عطا کی۔ “

اس کو فضلِ الہی بتلایا۔ جو فضلِ الہی سے حسد کرے۔

اول تو یہ کہ حسد کے بارے میں یہ یاد رکھیے کہ حسد ایک مرض ہے، ایک بیماری

ہے۔ اور حاسد انسان ہمیشہ بیمار رہتا ہے۔

اور اس پر استدلال، استدلال میرے مولا کا کلام ہے۔ ارشاد فرمایا:

”الصِّحَّةُ الْجَسَدِ مِنْ قِلَّةِ الْحَسَدِ“

حسد کم کرو تمہاری صحت اچھی رہے گی

اس لیے حسد نہیں۔۔۔۔۔ کیوں؟ ... اس لیے کہ حسد کرتا ہے

دوسروں کو دیکھ کر، کہ یہ اُس کو کیوں۔۔۔۔۔ (عطا ہوا)

ارے، یہ تو فضل ہے نا۔ اُس کا

حسد کیوں، یہ کسی کا فضل ہے۔ یہ تمہاری دین نہیں ہے، کسی اور
نے دیا ہے۔ اگر محبت سہی توفیق سہی حسد کا امکان کیا ہے۔

اس لیے جہاں حسد ہے وہاں صحتِ جسد نہیں ہے، اور جہاں حسد ہے
وہاں ارشاد ہوا نعمت کی ضد ہے اور انسان اپنے آپ کو ضدِ نعمت بنا دیتا ہے،
نعمت کی ضد پر لا کر کھڑا کر دیتا ہے۔

گفتگو کا خاتمہ۔۔۔۔۔

دین، اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔

کفران نہ ہو، دین، اللہ کا سب سے بڑا فضل ہے۔ انکار نہ ہو۔ اور اس سے
کوئی ہٹ جائے تو اُس سے اللہ کو نقصان نہیں پہنچتا۔ سورۃ مائدہ قرآن مجید کا

پانچواں سورہ، ارشاد ہوتا ہے:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ“

” اے صاحبانِ ایمان! تم میں سے جو اپنے دین سے مُرتد ہو جائیں “

پروا نہیں ہے۔۔۔۔۔ صاحبانِ ایمان اور مرتد ہو جائیں۔۔۔۔۔ آیت مسلسل ہے

” فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ “

(سورۃ مائدہ آیت ۵۴)

” عنقریب خدا ایک قوم کو لے آئے گا جن سے وہ محبت کرتا ہے

اور جو اُس سے محبت کرتے ہیں۔ “

اس لیے نہ اترناؤ، اس لیے غور نہ کرو کہ ہم دین سے پھر گئے اب دین میں کیا ہے

نہیں، جو تم جاؤ گے تو ایک قوم آئے گی، جو خدا و رسول کو دوست رکھتی ہے اور

خدا و رسول اُس کو دوست رکھتے ہیں۔

”کُلِّ عِلْمٌ دُونَكَ، اُس کو دوں گا“.....

دیکھیے اس آیت پہ ایک مرتبہ پھر غور کیجیے..... وہ قوم کب آتیگی
..... وہ قوم آئے گی کب؟..... لے صاحبانِ ایمان! اگر تم ہٹ گئے

دین سے..... آیت مسلسل ہے

”اَذِلَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اَعِزَّةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ
يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ..... (مائدہ ۵۴)

”صاحبانِ ایمان کے سامنے متواضع ہوں گے، کافروں کے سامنے

سر بلند رہیں گے۔ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے۔۔۔

”وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ط..... (مائدہ ۵۴)

اور جن کو ملامت کرنے والوں کی ملامت ڈرانہ سکے گی۔۔۔

”ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَّشَاءُ ط..... (مائدہ ۵۴)

یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے دے۔۔۔

”اَتَمَّا وَلِيَ اللَّهُ رُسُولَهُ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا

الَّذِينَ يَقِيْمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ

هُمْ رٰكِعُوْنَ ؕ“ (سورہ مائدہ ۵۵)

”بیشک تمہارا ولی اللہ ہے اور اُس کا رسول ہے اور وہ صاحبانِ

ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور رکوع میں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔“

مگر اُس قوم کو اُسی وقت لایا جائے گا، جبکہ یہ خوف ہو کہ یہ مُرد قوم یہ نہ سمجھے

کہ اب کوئی اللہ کا ساتھ دینے والا نہیں ہے۔ جب یہ سمجھا جائے کہ اللہ کی نصرت

کرنے والا، مدد کرنے والا کوئی نہیں ہے۔

اللہ کی مدد..... ہاں قرآن حکیم نے خود کہا ہے ”سورہ صف اکسٹھواں سورہ“

سورہ جمعہ سے پہلے۔ (بارہ ۲۸)

”مَنْ اَنْصَارِيَ اِلَى اللّٰهِ“..... (سورہ صف آیت ۱۲)۔۔۔

”کون ہے میری مدد کرنے والا، اللہ کی بارگاہ تک۔۔۔

”قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ“ (صف ۱۴)

”حواریوں نے کہا، ہم ہیں ناصرانِ خدا“ ہم ہیں اللہ کی مدد کرنے والے۔

تو آپ نے دیکھا کہ جہاں سب پیچھے بہٹ جائیں تو چند مردانِ خدا کا آگے بڑھ جانا
قیامِ حق کی دلیل ہے۔

”رَجُلٌ“ ایک اور ایسے ”رَجُلٌ“ بہتر ہیں۔۔۔ اور گذرتے ہوئے

زمانوں میں ہر زمانے میں ایک ”رَجُلٌ“۔۔۔ آج بھی ایک ”رَجُلٌ“

اور ہم نے اُن رَجُل کو دیکھا۔۔۔ جب واقعی دنیا منہ موڑ چکی تھی۔۔۔

جب واقعی دنیا منہ پھیر چکی تھی۔۔۔

ایک خطبہ دیا کہ

”یہ سب میرے خون کے پیاسے ہیں۔ تم جاؤ۔۔۔ بارہ سو آدمی وقتِ وا

میں اٹھ گئے۔ جو دینے سے آئے تھے ساتھ۔ بارہ سو آدمی۔ وقتِ واہد میں اٹھ گئے

اور اس کے بعد نگاہِ جلالِ ڈالی۔۔۔ عزیزوں پر۔۔۔ اور اس کے بعد کہا:

”آہستہ آہستہ کہا: تم بھی چلے جاتے تو بہتر تھا۔ عباس۔ عباس۔ عباس!

تم بھی جاتے تو بہتر تھا۔۔۔ بیبیایا بے روائی سے بچ جائیں۔۔۔

اتنا سُننا تھا کہ ایک مرتبہ ابو الفضل اُٹھے اور کسی طرف جانے لگے۔۔۔

دور کر فرزندِ رسولؐ نے ہاتھیں گلے میں ڈال دیں۔۔۔ پوچھا: کہاں کا ارادہ؟

عرض کیا: سرورِ مَولا! سیدھا نچھٹ جاؤں گا۔۔۔ اور جا کر کہوں گا کہ۔۔۔

”آپؐ نے میری والدہ گرامی اُم البنین کے اصرار پر جو ہاتھ حسین ابن علیؑ کے

ہاتھ میں دیا تھا۔ آج اُس سرکار نے بھی مجھے چھوڑ دیا۔“

مجلس دوم

- ۱- نعمت کی حجِ نَعْم ہے۔
- ۲- نَقمتِ ضد ہے نعمت کی۔
- ۳- دُعائے کُمیل میں نعمت اور درود کا ذکر۔
- ۴- بہترین زندگی بندگی، بہترین بندگی دعاء اور بہترین دعاء درود ہے۔
- ۵- یونانی حکیم سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے سوالات اور اس کا عاجز رہنا۔
- ۶- نعمت ظاہری و نعمت باطنی کی تعریف۔
- ۷- مرکزی نعمت کا انکار جدید ترقی کو دیکھ کر۔ دین سے انکار بیقاری کی دلیل ہے۔
- ۸- علی علیہ السلام سے مالکِ اشتر کا سوال کرنا۔
- ۹- جنگِ خیبر میں حضرت علی علیہ السلام کا رجز۔
- ۱۰- حضرت علی اکبرؑ کی مادرِ گرامی سے رخصت۔
- ۱۱- کچھ بیبیاں بعدِ واقعہ کر بلا ساتے میں نہیں بیٹھیں۔
- ۱۲- مدینے میں حضرت اُمّ لیثی کے بین۔

جناب اُمّ البنین کا بڑا احسان ہے۔ قیامِ حق پر، جناب اُمّ البنین کا بڑا احسان ہے بقائے حق پر۔ کہ چار بیٹے ایک پوتا، پانچ قربانیاں ایک گھر سے۔ یہ آخری جملے... ظاہر ہے رحمت دینا نہیں چاہتا۔

مروان بن حکم کہتا ہے کہ بعدِ واقعہ کر بلا، میں جنتِ البقیع کے راستے پر گزر رہا تھا کہ دور سے کسی بی بی کے رونے کی آواز آئی۔ میں نے گھوڑے کا رُخ اُدھر پھیر دیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک بی بی خاک پہ بیٹھی ہیں کر رہی ہے میں نے غور سے سُننے کی کوشش کی تو بین کے الفاظ یہ تھے کہ: ”و عباں! اگر تیرے ہاتھ نہ کاٹے جاتے تو میرا حسین نہ مارا جاتا۔“

دعاءِ اختتام:
الہی و سیدی! قضی حاجاتی
خداوند! ہم کو کامل الایمان کر، حوائجِ دینی و دنیاوی بر لا
• ملت کو متحد کر،
• مملکت کو مستحکم فرما،
• تعجیل فرما ظہورِ حجت میں۔

— و —

سب سے پہلے تعریفِ نعمت کہ خود نعمت کی تعریف کیا ہے؟
 ہمیشہ یاد رکھیے کہ یہ قرآن مجید کا طریقہ استدلال ہے کہ کسی امر کے متعلق کہیں
 قرآن نے گفتگو کی اور کسی کا تعارف کروانا چاہا تو قرآن نے پہلے اُس کی ضد کو
 پہنچوایا۔ جیسے کہ قرآن مجید نے تعریفِ مسلم سمجھانے کے لیے اس کی ضد کو بتلایا:
 ”أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ“ (سورہ قلم آیت ۳۵)

”کیا ہم مسلمین کو مجرمین کے برابر قرار دیں“

تو اب مسلم کی تعریف یہ نکلی کہ جو مجرم نہ ہو۔

اسی طرح قرآن نے کہا:۔ یہ متقی کی تعریف ہے۔

”أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ“ (سورہ ص آیت ۲۸)

”کیا ہم متقیوں کو فاجروں کے برابر قرار دیں“

تو اس کے معنی یہ کہ متقی کی ضد فاجر ہے۔ (فاجر کرنے والا) تو جو فاجر
 نہ ہو وہ متقی ہے۔ تو متقی کی تعریف یہ ہے۔ تقویٰ کی تعریف یہ ہے کہ فسق و فجور
 نہ ہو۔ بالکل اسی طرح قرآن مجید نے کہا: (سورہ زمر آیت ۹)

”قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ“

”کہہ دیجئے: کیا علم رکھنے والے اور علم نہ رکھنے والے دونوں برابر ہیں“

تو علم کی تعریف کی، ضد کو بتلا کر۔ پہلے جہل کو سمجھو کہ جو علم نہیں رکھتا ہے وہ
 کون ہے۔ جہل سمجھ میں آئے تو علم سمجھ میں آئے۔ اور اس کے بعد ارشاد ہوا:

”أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمَاتُ وَالنُّورُ“ (سورہ رعد آیت ۱۶)

”کیا اندھیرے، اُجالے کے برابر ہیں“

تو نور کی تعریف کو اگر کوئی سمجھنا چاہے تو پہلے ظلمت کو سمجھے کہ اندھیرا کیا ہے
 تاکہ نور سمجھ میں آئے۔

دوسری مجلس

کفرانِ نعمت

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 ”يُنَبِّئُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ
 الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ۚ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا
 نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا وَآحَلُّوا قُلُوبَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۚ“
 ”جو لوگ صدق دل سے ایمان لائے ہیں اُن کو خدا دنیا میں بھی اور آخرت
 میں بھی ثابت قدم رکھے گا، اور سرکشوں کو خدا گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور
 خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ (اے رسول!) کیا تم نے اُن لوگوں کو
 نہیں دیکھا، جنہوں نے (میرے) احسان کو (نعمت کو) کفران سے
 بدل دیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر (گڑھے) میں جھونک دیا۔“

(سورہ ابراہیم آیت ۲۴-۲۸)

و

”کفرانِ نعمت“ کے عنوان پر دوسری تقریر کی سماعت کیلئے یہ ہے۔

آج گذشتہ تمہیدی گفتگو کے بعد یہ ضروری ہے کہ عنوان پر

راست گفتگو شروع ہو جائے۔

میں یہ ترجمہ ہوا ہے وہ غلط ہے۔ تورب، نعمت ہے۔ اور —
 ضد نفقت ہے۔ نعمت کی جمع "نِعْم" نفقت کی جمع "نَقْم" — اور
 آج شب جمعہ ہے اور مصروف رہنے والے آج دعائے کیل پڑھتے ہیں۔
 دعائے کیل میں۔ آغاز میں بھی اور انجام میں بھی ان دونوں لفظوں کو استعمال
 کیا ہے تاکہ آپ کو ضد میں معلوم ہوں۔ :

(۱) اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ بِرَحْمَتِكَ الَّتِیْ وَسَّعَتْ کُلَّ شَیْءٍ
 آگے چل کر (۲)۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِی الدُّنُوْبَ الَّتِیْ
 تَهْتِكُ الْعِصْمَ

ترجمہ اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیری رحمت واسعہ کے واسطے سے جو ہر شے پر
 چھائی ہوئی ہے۔ (۲) اے اللہ میرے وہ سب گناہ بخش دے جو تیری عتاب کا سبب ہیں
 اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِی الدُّنُوْبَ الَّتِیْ تُنْزِلُ النَّقْمَ
 اے اللہ! میرے اُن گناہوں کو بخش دے جو بلاؤں کو طلب کرتے ہیں
 اور جن سے سزائیں نازل ہوتی ہیں۔
 آگے پھر ارشاد ہوتا ہے کہ:

۱۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

- گناہ جس گناہ سے نعمتوں کو زوال آجاتا ہے وہ تکبر ہے
- جس گناہ کے کرنے پر پچھتا نا پڑتا ہے وہ قتل ہے
- جس گناہ پر عتاب آتا ہے وہ ظلم ہے
- جس گناہ سے رزق بند ہو جاتا ہے وہ زنا ہے
- جس گناہ سے پردہ فاش ہوتا ہے وہ شراب نوشی ہے

بالکل اسی طرح اب آپ کو سمجھنا ہے کہ نعمت کیا ہے اور نعمت کی ضد کیا ہے
 ظاہر ہے کہ قرآن ہویا نصِ معصوم ہو، بالکل اسی طرح ذہن میں محفوظ کرنے کی کوشش
 کیجیے۔ چونکہ اب ہم راست عنوان پر گفتگو کر رہے ہیں۔ سب سے پہلے اتنا سمجھ
 لیجیے کہ نعمت کی جمع ہے "نِعْم" نعمت کی ضد ہے "نَقْم" نفقت، سزا۔ نعمت دین ہے۔ نفقت، سلب (چھین لینا)۔
 مستشرقین یورپ نے ان دونوں لفظوں کو اپنی لغت میں بیان کیا ہے مگر یہ کہ
 نعمت کے سلسلے میں اُن سے غلطی ہوئی۔ اپنی عربی لغت میں جن
 — مستشرقین نے نعمت کا ترجمہ کیا BENEFIT (بے فٹ)
 کل یہ عرض کیا کہ BENEFIT — صحیح ترجمہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ کسی نہ کسی
 حق کی بنیاد پر BENEFIT پیدا ہوتا ہے۔ میں نے یہ BENEFIT حاصل
 کیا، میں نے یہ فائدہ حاصل کیا۔ نعمت کا مفہوم اس لیے بلند ہے۔ قرآن مجید
 کے الفاظ ایسے نہیں ہیں کہ اُن کا کسی زبان بھی ترجمہ ہو سکے، اور وہ ترجمہ قرآن کے
 حق کو ادا کر سکے۔ جیسے مثال میں "رَب" یہ دعوں ہیں "ر" اور "ب"
 اب اس کا ترجمہ کیا گیا LORD (لارڈ) — LORD OF WORLD
 (لارڈ آف ورلڈ) یعنی رَبِّ الْعَالَمِیْنَ واقعہ یہ ہے کہ "رَب" کا
 ہم معنی اور ہم مفہوم لفظ دنیا کی کسی زبان میں نہیں پایا گیا۔ دوحرفوں کا یہ لفظ
 ہے۔ "رَب" یعنی رب۔ خلق کرے، پالے، بڑھائے، نمودے، تربیت کرے
 مزاحمتوں کو بٹھائے، ملامتوں کو تیار کرے۔ اور کمال تک پہنچائے۔ یہ سب
 ربوبیت ہے اور اُس کو کوئی اور لفظ — لارڈ ہو یا کوئی اور لفظ — معنی
 carry (دیکری) نہیں کرتا۔ بالکل carry نہیں کرتا۔ بالکل اسی طرح
 نعمت کا ترجمہ BENEFIT کیا گیا ہے، وہ غلط ہے اور جہاں بھی قرآن مجید

اے جلدی راضی ہو جانے والے۔ اے میرے ایک ایک سجدے کو
(عنایت) — اور استغفار۔ کی منزل پر پہنچانے والے اے
میری توبہ کو گناہوں کے بعد قبول کرنے والے، اُس بندے کو بخش دے
کہ جس کا کوئی سرمایہ نہیں ہے سوائے دعا کے۔ اِس لیے کہ تو وہی
کرتا ہے جو چاہتا ہے۔۔۔۔۔ اے نعمتوں کی بہتات کرنے
والے، اے نعمتوں کو درجہ کمال پر نازل کرنے والے۔

(دعا کے کلیل میں ایک لفظ آگیا)

یہ لفظ "مَسَابِغُ" یاد رکھیے۔ ابھی قرآن مجید کی آیت پڑھتا ہوں
لیکن پہلے ایک مرتبہ یا:

"يَا سَابِغِ النَّعَمِ يَا دَافِعِ النِّقَمِ يَا نُورَ الْمُسْتَوْحِشِينَ
فِي الظُّلَمِ يَا عَالِمًا لَا يُعَلِّمُ صَلَّى عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ
مُحَمَّدٍ"

"اے نعمتیں عطا کرنے والے اے بلاؤں کو دور کرنے والے، اے اندھیروں
میں وحشت سے گھبرانے والوں کے لیے روشنی۔ اے وہ عالم جس کو
سکھانے کی ضرورت نہیں، درود نازل فرما محمدؐ اور آلِ محمدؐ کے اوپر۔"
دعا کے کلیل کا انجام، ساری دعاؤں کا انجام ۶۔۔۔ پروردگار رحمت
نازل فرما محمدؐ و آلِ محمدؐ پر۔۔۔۔۔ (صلوات)

میں نے انہیں تقریروں میں عرض کیا ہے، ظاہر ہے کہ میرے لیے کوئی خیالات
نہیں کہ میں اِس فکر پھر دہراؤں یا اِس پیغام کو پھر پہنچا دوں۔ یاد رکھیے!
شب جمعہ ہونے کے سبب عرض کروں گا کہ بہترین زندگی، "بندگی" خلاصہ بندگی
دُعا، اور خلاصہ دُعا، رُوح دُعا، جان دُعا، درود محمدؐ و آلِ محمدؐ پر۔

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي الذُّنُوبَ الَّتِي تُغَيِّرُ النَّعَمَ"
"اے اللہ! میرے اُن گناہوں کو بخش دے جو نعمتوں کو بدل دیتے ہیں"

نعم - نعم اور ن ق م - نِقَم -
یہ نعم ہے اور یہ نِقَم ہے -
یہ نعمت ہے اور یہ نِقمت ہے -

یہاں سے آپ نے دعائے کلیل کو شروع کیا، اور جب دعائے کلیل
کے آخر میں پہنچے تو کہا:

يَا سَابِغِ النَّعَمِ يَا دَافِعِ النِّقَمِ

اے فراخی سے نعمت دینے والے۔ اے بلائیں مٹانے والے

آپ نے دیکھا کہ ان دونوں لفظوں کو مولا نے پھر استعمال کیا۔ آغاز میں
بھی اور انجام میں بھی۔۔۔۔۔

"يَا سَرِيحَ الرِّضَا اغْفِرْ لِمَنْ لَا يَمْلِكُ إِلَّا الدُّعَاءُ
فَأَنْتَ فَعَالٌ لِّمَا تَشَاءُ يَا مَنْ اسْمُهُ دَوَاءٌ
وَذِكْرُهُ شِفَاءٌ وَطَاعَتُهُ غِنَى إِرْحَمْ مَنْ
رَأْسُ مَالِهِ الرَّجَاءُ وَسِلَاحُهُ الْبُكَاءُ"

"اے جلدی راضی ہو جانے والے! بخش دے اس بندے کو جس
کے پاس دعا کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے اس لیے کہ تو جو چاہے
کر سکتا ہے، اور وہ جب کا نام ہی دوا ہے اور جس کا تذکرہ ہی ہر
بیماری کھیلے شفا بخش ہے اور جس کی اطاعت سب سے بے نیاز
کردینے والی ہے، رحم فرما اُس شخص چہن کا سب کچھ تیرا آسرا و امید
اور جس کا ہتھیار (آہ و بکا، رونا اور گریہ کرنا ہے)۔

اس لئے دعائے کبیل کو ختم کیا ہے درود پر۔ (صلوات)
 ”يَا سَابِغَ النِّعَمِ يَا دَافِعَ النِّقَمِ يَا نُورَ الْمُسْتَوْحِشِينَ
 فِي الظُّلُمِ يَا عَالِمًا لَا يُعْلَمُ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ“
 (از دعائے کبیل)

”اے نعمتوں کو فراوان نازل کرنے والے، اے سزاؤں کو دفع کرنے والے
 اے ظلمتوں میں گھبرانے والوں کے لیے نور، اے عالم بلا معلم درود نازل
 فرما محمد و آل محمد پر۔“
 ”نعم“ کی ضد ”نقم“۔ ”نعمت“ کی ضد ”نقمت“۔
 میں چاہتا ہوں کہ کل کی فکر سے آپ ملحق رہیں، تاکہ میرے کل کے جملے بھی
 آپ کے ذہن میں رہیں۔

سورہ لقمان اکتیسواں سورہ ہے سورہ روم کے بالکل بعد
 ”الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا
 فِي الْأَرْضِ...“ (سورہ لقمان آیت ۲۰)
 ”کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اُن
 سب کو تمہارے لیے مسخر کر دیا۔“ (آیت مسلسل ہے)
 یہ تمہارے اختیار میں ہیں اگر راہیں پیدا کرو تو زمین و آسمان کی ہر چیز پر
 قابو پاؤ، ہمارے خزانے میں کمی نہیں ہوگی، اور اپنی نعمتوں کو فراغاں تر نازل
 کیا، وہ ظاہری نعمتیں ہوں یا باطنی نعمتیں ہوں۔
 نعمت، وہ ظاہر ہو کہ باطن ہو، نعمتوں کی فراوانی ہے
 ”وَأَسْبِغْ عَلَيْكُمْ نِعْمَةً ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً ط (لقمان ۲۰)
 ”اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتوں کی فراوانی کی“

اس لئے اس میں کوتاہی نہیں ہونا چاہیے۔ اور اس میں کسی فرقے کا سوال نہیں،
 میں اگر کہتا ہوں محمد و آل محمد۔ کوئی اور کہے محمد و آل محمد۔ تو
 یہ اعتراض نہیں ہے۔ اپنی اپنی روش ہے۔ اپنا اپنا طریقہ ہے اپنے اپنے
 قواعد پر عمل ہے۔

معصوم نے کہا اور خوب کہا، اس کو اپنے دلوں پہ کتبہ
 کر لیجیے۔ فرمایا:
 ”مال کا صحیح طور پر خرچ نہ کرنے والا نجیل ہے۔
 دوسروں کو خرچ کرتے ہوئے نہ دیکھنے والا اور زیادہ نجیل ہے
 اور اسی طرح، کسی کے صرف کا تذکرہ سن کر گڑھنے والا اور زیادہ نجیل ہے
 فرمایا: مگر ان سب سے زیادہ نجیل وہ ہے جو آل محمد پر
 درود نہ بھیجے۔ (صلوات)

اس کے علاوہ اور کیا نذر۔ پیش کر سکتے ہیں اُس بارگاہ میں ہم۔ وہ جو
 احسانات اس گھرانے کے ہیں ہم پر۔ یہ حتمی مرتبت کا احسان ہے کہ جو راہ ہدایت
 ہم کو دکھلائی گئی، ہم کو ظلمتوں سے بچایا گیا، ہم کو نقم سے ہٹایا گیا،
 ہم کو جن نعم سے دوچار کیا گیا، ہم اس کے لیے کیا ہدیہ پیش کر سکتے ہیں سوار
 اس کے کہ بار بار درود پڑھتے رہیں صرف اس لئے نہیں کہ ہمارا دل چاہتا ہے بلکہ
 اس لیے کہ سورہ احزاب میں آیہ درود موجود ہے:

”إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا
 الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا“ (احزاب ۵۶)
 ”بیشک اللہ اور اُس کے ملائکہ درود بھیجتے ہیں نبی پر اے ایمان والو! تم بھی
 اُس پر درود بھیجو اور سلامتی چاہو اس طرح جو سلامتی چاہئے کا حق ہے۔“

اس آیت میں جو لفظ ہے "اَسْبَغَ" — اس سے معصوم نے دُعائے کمال میں یہ جملہ بنایا: "يَا سَابِغَ النِّعَمِ" اے مسلسل نعمتوں کو نازل کرنے والے اے مسلسل نعمتیں عطا کرنے والے، اے بغیر حق و استحقاق نعمتوں کے دینے والے، تیری ہی بارگاہ میں ملتی ہوں کہ نِقَم کو دفع کر دے، بلاؤں کو دفع کر دے۔

تو اب گفتگو اس منزل پر آئی کہ یہ نعم ہیں یہ نِقَم ہیں۔ یعنی یا عطا ہے یا سزا ہے۔ یا دین ہے یا سلب ہے۔ تو اب نعمت سے ہم نے گفتگو کو شروع کیا ہے تو اس لفظ کو ذرا اور آگے بڑھائیں۔ کیا کوئی شخص ایسا بھی ہے جو نعمت الہی کو نہ جانے۔ ہر ایک کا دل جانتا ہے کہ ہر آن نعمت ہے، ہر سانس نعمت ہے، ہر نفس نعمت ہے، ہر قدم نعمت ہے۔ جہاں رہا ہے، نعمت ہے، بول رہا ہے، نعمت ہے، سن رہا ہے، نعمت ہے، چکھ رہا ہے نعمت ہے، ہر منزل پہ نعمت مگر احساس نعمت کا نہ ہونا تغیر نعمت ہے۔ ارشاد ہوا سورہ نحل میں۔ میں اس آیت کو بار بار ان مجالس میں پڑھوں گا۔ اس آیت سے میری مرکزی فکر کا تعلق ہے:

"يَعْرِفُونَ نِعْمَةَ اللَّهِ ثُمَّ يُنْكِرُونَهَا وَأَكْثَرُهُمُ الْكَافِرُونَ" (سورہ نحل آیت ۸۳)

"وہ اللہ کی نعمت کو پہچانتے ہیں پھر بھی اُس سے انکار کرتے ہیں اور اُن کی اکثریت کافروں کی ہے۔"

جان کر انکار کر رہے ہیں، پہچانتے ہیں کہ نعمت کیا ہے، پہچانتے ہیں کہ آغازِ نعمت کیا ہے، پہچانتے ہیں کہ سلسلہ نعمت کیا ہے، پہچانتے ہیں کہ اتمامِ نعمت کیا ہے، پہچانتے ہیں کہ نعمتیں کس دن ختم ہوں گی، پہچانتے ہیں کہ دین کس دن

کامل ہوا تھا، پھر بھی انکار کرتے ہیں، اس لیے کہ اکثریت کافروں کی ہے۔ (صلوات)

"يَعْرِفُونَ نِعْمَةَ اللَّهِ ثُمَّ يُنْكِرُونَهَا وَأَكْثَرُهُمُ الْكَافِرُونَ"

اللہ کی نعمت کی معرفت ہے، یہ نہیں کہ نہ جانیں، یہ نہیں کہ پہچانتے نہیں ہیں۔ اس لیے عنوان ہے "کفرانِ نعمت"۔ ... ظاہر ہے کہ یہ عنوان — اپنی عمومیت — کیوجہ سے سمجھدار اور ادبی حلقے میں ایک خاص جگہ پیدا کر لے گا، بشرطیکہ اس پر غور کیا جائے اور یہ پہچان لیا جائے کہ یہ واردات ہیں۔ کفرانِ نعمت — واردات ہیں۔ کہ اگر ہم نے نعمت کا کفران کیا تو نعمت کیسے سلب ہوتی ہے، اسی تجربے سے اب ہم گذر رہے ہیں۔ نعمت کا کفران ہوا، زوالِ نعمت، سلبِ نعمت، نعمت کا کفران ہوا نعمت — اب فریاد ہی فریاد ہے۔ تو ظاہر ہے کہ شکوہ اللہ سے تو نہیں ہوگا، یہ تو کفرانِ نعمت سے زوالِ نعمت ہے۔

"يَعْرِفُونَ نِعْمَةَ اللَّهِ ثُمَّ يُنْكِرُونَهَا وَأَكْثَرُهُمُ الْكَافِرُونَ"

"یہ پہچانتے ہیں اللہ کی نعمت کو پھر اس کا انکار کرتے ہیں کیونکہ اکثریت اُنکی کافروں کی ہے۔ کتنی نعمتیں، کن کن نعمتوں کا ذکر کیا جائے۔ حواس کا ذکر کیا جائے، حواسِ ظاہری، آپ کا سامعہ، یا مرہ، شامہ، ذائقہ اور لامہ۔

حواسِ باطنی، کہ ایک مرکز پر آکر یہ سارے حواس اپنے نتائج کو پیش کریں۔ اور وہ مرکز کسی نتیجے پر پہنچے۔ پھر واپس بھی ہو، اُس میں تخیل بھی ہو۔ قوتِ متخیلہ بھی ہو۔ یہ سارے حواس۔ اور پھر یہ نظامِ ہضم، جو انسان کا اپنے اختیار میں نہیں ہے۔ کس کس نعمت کا ذکر کیا جائے۔ باتِ لطیفہ تک آئی۔۔۔ لطیفہ کوئی کی عادت نہیں ہے مگر چونکہ حجمِ اپنی منزل پہ آنا ہے:

بادشاہ نے (نام آپ کو معلوم ہی ہے) بیربل سے پوچھا، یونہی باتیں

اُس نے عرض کیا: فرزندِ رسول! بتھیلی پہ بال کیوں نہیں ہیں؟
 ارشاد فرمایا: کہ نظر کے لیے مرکز ہے آنکھ۔ سماعت کے لیے مرکز ہیں
 ”کان“۔ ذائقے کے لیے مرکز ہے ”زبان“۔ بالکل اسی طرح لمس (چھونے) کے
 لیے مرکز ہیں ہاتھ۔ اگر ان میں بال ہوتے تو جس کو چھو رہے ہیں۔ وہ شے کیسی
 یہ احساس نہ رہتا۔ قوتِ لامسہ۔ ختم ہو جاتی، اس لیے بال نہیں دیے۔
 تو آپ نے دیکھا سر سے لیکر پاؤں تک حکمتیں ہی حکمتیں ہیں خلقت
 انسان میں۔ مگر کسی منزل پر بھی نظر اٹھی اور نعمت کا احساس ہوا، کان میں آواز
 آئی اور نعمت کا احساس ہوا، آپ نے کسی کو محسوس کیا۔ سختی اور نرمی کو نعمت
 کا احساس ہوا۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔ ارشاد ہوا:

”وَكَأَيِّن مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ
 عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ“ (سورۃ یوسف آیت ۱۰۵)
 ”اور آسمانوں اور زمین میں جتنی آیتیں ہیں جن سے یہ گزر رہے ہیں
 منہ موڑ کر، اور جس سے یہ اعراض کرتے ہیں، رکتے نہیں ہیں۔“

غور نہیں کرتے ہیں۔ یہاں تو صرف سرسری نظر ہے۔

اور سرسری نظر ہے علم نہیں ہے۔ کسی گزرتے ہوئے انسان کا، کسی گذرتی ہوئی
 چیز کو ایک مرتبہ دیکھ لینا ایک خاص وقت میں، ایک خاص مکان و زمان میں
 علم نہیں ہے۔ نہ علم کی یہ تعریف ہے۔ علم کی تعریف یہ ہے کہ انسان رُکے
 اور غور کرے اور اس کے بعد اندازہ کرے کہ آغاز کیا ہے، انجام کیا ہے اسکی
 فائدہ کیا ہے۔ اسکی ابتداء کیا ہے، اسکی انتہا کیا ہے۔؟۔۔۔ وہاں سے پھر
 اُس کے بعد علم کا آغاز کرے۔ اُس کے بعد تمیز پہلے پیدا کرے کہ دوسری چیزوں
 سے اور اس چیز میں تمیز کیا ہے۔۔۔۔۔ تو کتنی نعمتیں ہیں جو آپ پر عطا ہوتی ہیں۔

کرتے کرتے کہ بیربل! یہ ہماری ہتھیلی پہ بال کیوں نہیں ہیں؟۔۔۔۔۔ بیربل نے
 جواب دیا: حضور! آپ اتنا دیتے ہیں روزانہ اس ہتھیلی سے کہ دیتے دیتے آپکی
 ہتھیلی کے بال گر گئے۔۔۔۔۔ تو کہا: بیربل! پھر تمہاری ہتھیلی پہ بال کیوں نہیں
 ہیں؟۔۔۔۔۔ کہا: حضور! میں نے آپ سے اتنا لیا، اتنا لیا کہ میتے لیتے
 میری ہتھیلی سے بال گر گئے۔۔۔۔۔ تو پوچھا: اچھا بیربل! پھر یہ جو لوگ کھڑے
 ہوئے ہیں، ان کی ہتھیلیوں پہ بال کیوں نہیں ہیں؟۔۔۔۔۔ کہا: حضور! انھوں
 نے نہ کچھ دیا، نہ کچھ لیا، کفِ افسوس ملتے ملتے ان کی ہتھیلیوں کے بال بھی
 گر گئے۔

تو بادشاہ نے پوچھا: بیربل سے: حقیقت کیا ہے لیکن بیربل کے پاس
 اس کا جواب نہیں تھا۔
 ایک حکیم آیا یونان سے صادق آل محمد علیہ السلام کے پاس گفتگو کرتے
 ہوئے یہ کہا کہ فرزندِ رسول! اگر علم امامت کے ساتھ ساتھ علم طب بھی آپ کو
 مل جاتا تو کیا بات تھی۔

آپ نے فرمایا: کیا منشاء ہے تیرا علم طب سے۔۔۔۔۔ پھر اس کے ساتھ
 ہی آپ نے مسلسل سوال کیے کہ: یہ ناک ایسی کیوں ہے، کان ایسے کیوں ہیں،
 پیشانی پر بال کیوں نہیں ہیں، یہ آنکھوں میں ہر وقت نمی کیوں رہتی ہے، ہتھیلی پہ
 بال کیوں نہیں ہوتے؟

اُس نے کہا: فرزندِ رسول! زندگی بھر نہیں سوچا ان باتوں پر غور ہی نہیں کیا۔
 آپ نے فرمایا: پھر تو ہیں طب پڑھانا چاہتا ہے۔۔۔۔۔ صلوات۔۔۔
 بہر حال، یہ تو پورا واقعہ آپ کسی کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ آج میں صرف
 اسی جملے پر ہوں تاکہ جلد اپنی منزل پہ آ جاؤں۔۔۔۔۔

ان تمام حقائق کو دیکھ کر دین کو نہ بھولو، دین کا مذاق نہ اڑاؤ، دین کو کھلونا نہ بناؤ۔ چونکہ دین مستقلاتِ عقلیہ کی جڑ ہے، دین ایک ایسی صدا ہے جسکی صداقت کے ساتھ ہم کو راہِ حقیقت ملتی ہے۔

یوں ذرا ذرا سی بات پر اگر دنیا، دین سے بیزار ہو جائے.... بہت غور سے سُنیے.... ذرا ذرا سی بات پر دنیا، دین سے بیزار ہو جائے اور دنیا کا پورا شمالی حصہ اگر خدا کے وجود کا انکار کر دے، اور اگر ہماری دنیا کا مشرقی حصہ خدا کے وجود سے انکار کر دے اور کھدے اور کھدے کہ خدا ہے ہی نہیں اور ایک جگہ سے ۶۵ کروڑ اور دوسری جگہ سے بیالیس کروڑ انسان اگر خدا کے وجود کا انکار کر دیں۔
... تو... تو... تو اتنا یاد رکھیے کہ انکا خدا کے وجود سے انکار کیا ہے

یہ انکار مذہب کی کوئی دلیل نہیں ہے۔۔۔۔۔ صلوات
کہ انھوں نے انکار کیا ہم بھی انکار کر دیں۔۔۔ آپ کیوں انکار کریں، انھوں نے انکار کیا، اس لیے کہ انکی نظر۔۔۔ بائبل پر تھی جس میں مشاہدے کی اجازت ہی نہیں ہے، انکی نظر میں تورات بھی تھی جس میں یہ لکھا ہوا نہیں تھا۔۔۔ جس میں یہ لکھا ہوا نہیں تھا کہ ہم نے زمین و آسمانوں کو تمھارے لیے مسخر کر دیا۔ اگر قرآن کو وہ پڑھتے کہ زمین و آسمانوں کے مابین جو کچھ ہے ان کو مسخر کر دیا ہے تمھارے لیے، اور پھر وہ انکار کرتے تو ہم ان کو بھی کافر کہتے۔ اور آج بھی کوئی انکار کرے تو وہ بھی کافر۔۔۔۔۔ صلوات

بہر حال یہ وہ منزل ہے جہاں پھر اک مرتبہ غور کریں، سرسری نہ گزریں
ابتداءً سائنس، آغاز سائنس کے لیے مشاہدہ ہے۔ Observation
(اُبزروشین)۔ اور اگر Observation نہیں ہے تو سائنس ہی نہیں ہے
ہر چیز میں تین باتیں بنیادی ہیں پہلی Existance یعنی وجود۔

مگر کبھی آپ نے سوچا کہ یہ مقام شکر ہے۔
میں اپنی۔۔۔ ٹیلی کاسٹ میں "شامِ غریباں" کی۔ اسی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ ارے بندگی کا تقاضہ تو یہ ہے کہ ہر سانس میں سجدہ ہو۔ مالک! تیرا شکر ہے۔۔۔ تاکہ نعمتوں کا احساس انسان کو ہو جائے۔

اور کوئی کام اس سے ہو سکے یا نہ ہو سکے، مگر یہی کام کچھ کم ہے۔ ارے یہی وہ منزل ہے جہاں امام کو سجاد کہا۔ اتنے سجدے کیے کہ امام معصوم کو سیدِ سجاد کہا۔ یہ ایک مستقل گفتگو ہے۔

بہر حال بحث یہ تھی کہ:
"اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَیْكُمْ نِعَمَهُ ظَٰهِرَةً وَبَاطِنَةً (تفان)"
"کیا تم نہیں دیکھتے کہ جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین ہے اللہ نے اُسے تمھارے لیے مسخر کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمتوں کو فراوانی سے (نازل) کیا جو ظاہر بھی ہیں اور باطن بھی ہیں۔"

ابھی تک تو ہم ظاہری نعمتوں کا ذکر کر رہے تھے۔ باطنی نعمتیں کیا ہیں خیال کی نعمت کیا ہے، فکر کی نعمت کیا ہے، احساسات کی نعمت کیا ہے۔ شعور کی نعمت کیا ہے، انسان کے ذہن باطن کی نعمت کیا ہے، محبت کی نعمت کیا ہے، کسی سے نفرت کی نعمت کیا ہے، کسی سے وابستہ ہونے کی نعمت کیا ہے۔

یہ نعمات باطنی ہیں اور یہ سب اُس کی رحمت ہے۔ تو اب میں کل کے چلے دُہرائوں، کہ دیکھو، دنیاوی ظاہری ترقیوں پر نظر ڈالو اور اُس سے متحیر ہو کہ یہ چاند میں گئے، یہ آسمانوں پہ اڑ گئے، یہ اب مریخ میں جا رہے ہیں، یہ اب آفتاب کی حقیقت کا پتہ چلا رہے ہیں۔۔۔۔۔

سہ عنوان "سجدہ" مجالسِ تریبی حصہ اول

کیوں یہ مشاہدہ نہیں کرتے ہمارے Hold (ہولڈ) پر۔ اس اشتراک باہمی کو، ایک شے کا دوسری شے سے جو ربط ہے اسے کیوں نہیں مشاہدہ کرتے۔

.... آیت مسلسل ہے :-

”وَ اَنْ عَسٰی اَنْ يَّكُوْنَ قَدْ اَقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ“
 فَبَايَ حَدِيْثٍ بَعْدَ اَيْوَمِنُوْنَ هٗ (الاعراف آیت ۱۸۵)
 ”اور (اگر انھوں نے مشاہدہ نہیں کیا) کہ شاید اُن کی اجل آگئی
 (قرب ہی ہے) پس اس کے بعد کونسی بات (یا کتاب) ایسی
 ہے جس پر وہ ایمان لائیں گے۔“

تو یہ آخری کتاب تھی جس میں Observation یعنی مشاہدہ کی دعوت دی، اور ہم متاثر ہو گئے کائنات کے انکشافات عقلیہ سے، اور ہم نے یہ سوچا کہ اب دین کہاں ہے؟

تو آپ نے کیا کیا کہ ان معلوماتِ جدیدہ کو دیکھ کر آپ نے مرکزِ نعمت کا انکار کر دیا۔۔۔۔۔ یہ بحث دیکھیے۔۔۔۔۔ مرکزِ نعمت کا انکار کر دیا۔۔۔۔۔ دین۔۔۔۔۔ دین جو مسلسل نعمت بن کر آیا۔۔۔۔۔ نوح کے پاس کچھ نعمت تھی، ابراہیم کی منزل پہ آیا، تو نعمت کچھ اور زیادہ ہوئی، موسیٰ کے پاس کچھ نعمتیں اور زیادہ ہوئیں، عیسیٰ کی منزل آئی تو نعمتیں اور زیادہ ہوئیں۔ حتیٰ مرتبت کی منزل آئی تو نعمتیں اور زیادہ ہوئیں، اور جب دنیا سے جانے لگے تو اُس دن آواز آئی، آج دین کامل ہوا، آج نعمتیں تمام ہو گئیں۔۔۔۔۔ آج۔۔۔۔۔ آج نعمتوں کو اپنے کمال پر پہنچایا۔۔۔۔۔

”اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمْ الْاِسْلَامَ دِيْنًا“ (المائدہ آیت ۲)

پھر Observation، پھر اُس کے بعد Analysis یعنی تجربہ۔ Darwin (ڈارون) نے خاص طور پر کہا کہ:

”کائنات کی چیزوں کو ٹٹولنے کی ضرورت نہیں، کائنات کی چیزوں کو ڈھونڈنے اور تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ (اور یہاں تک کہا کہ) جو کتابیں مذہبی لکھی جا چکی ہیں، انھیں دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔“

اور قرآن آیا یہ کہتا ہوا:

”الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ“
 (سورہ علق آیت ۴-۵)

”وہ کہ جس نے قلم سے تعلیم دیکر انسان کو وہ سکھا دیا جو وہ نہ جانتا تھا“
 تو آغاز ہی یہ کہ قلم سے علم حاصل کرو۔۔۔۔۔ اور اس کے بعد سورہ اعراف میں ارشاد ہوا:

”اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ“ (الاعراف ۱۸۵)

”کیا وہ آسمانوں اور زمین کی سلطنت میں اور ہر اُس شے کے بارے میں غور نہیں کرتے جسے اللہ نے خلق کیا؟“

کیوں یہ غور نہیں کرتے، کیوں یہ مشاہدہ نہیں کرتے ماہیتِ کائنات پر اور اُن تمام اشیاء پر جو خداوندِ عالم نے پیدا کیں۔؟

”ملکوت“، Hold (ہولڈ)۔ ملکوت۔ کنٹرول۔

ملکوت۔ ایک چیز کا دوسری چیز سے ربط۔ اگر اس جملے کو آپ سمجھیں تو واقعی آیت معجزہ ہے۔

کیونکہ جس کے دل کو یقین ہے تو اُس کے بڑھتے ہوئے قدم پیچھے نہیں ہٹتے، اُسے قرار ہے، ثبات ہے، جڑیں مضبوط ہیں۔

ایک دن مالک اشتر نے امیر المومنین علیؑ سلام سے پوچھا کہ مولا! ایک بات عرض کروں؟ ... فرمایا: کیا ہے؟

کہا: "مَا بَشَى لَكَ مِنْ ظَفَرٍ لِّلْقَتْلِ"

"کیا بات ہے کہ آپ ہر پہلوان پر قابو پا لیتے ہیں؟

دیکھیے! مالک اشتر پوچھ رہے ہیں اپنے مولا سے۔ اب مولا مالک اشتر کو جواب دیں گے۔ مولا کا جواب ظاہر ہے دائمی ہے حجت اُس دور میں بھی ہے آج بھی ہے۔ اور میری تقریر کے لیے بھی حجت ہے۔ ارشاد فرمایا:

"مَا لَقِيتُ أَحَدًا إِلَّا آعَانَنِي نَفْسُهُ عَلَى قَتْلِهِ"

(بیچ ابلاغہ ارشاد ۱۸)

"میں کسی سے بھی مدد مقابل نہیں ہوتا مگر یہ کہ خود اُس کا نفس مجھے اپنے قتل

کی طرف معاون ہوتا ہے۔"

یعنی: میرے مقابل میں کوئی پہلوان نہیں آیا کہ جب بھی وہ آیا تو میں نے دیکھا کہ

اُس کا سر اسر وجود مجھے دعوت دے رہا ہے کہ آؤ علیؑ مجھے قتل کر دو۔"

میرے مقابل آیا اس کے نفس نے میری اعانت کی، اس لیے کہ اس کو قرار

نہیں تھا۔ مجھے قرار تھا۔"

عسلی کو قرار تھا۔۔۔۔۔ ہر آنے والا میرے سامنے شکست خوردہ تھا۔

مرحبا تو بھاگتے ہوئے واپس آیا تھا نا، اور اُس نے اگر پوچھا تھا: نام کیا ہے؟

تو آپ نے کہا تھا: "سَمِعْتَنِي أُمِّي حَيِّدًا"

(میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے)

اتمام نعمت دین سے، اور مکمل نعمت دین کا عطا کرنے والا، نعمت کا اتمام تک پہنچانے والا، دین بخشنے والا، جس نے یہ دین ہمیں عطا کیا، اور دین سے روگردانی مذہب سے بیزاری، یہ بے اعتباری ہے خود اپنی ذات میں کہ جہاں انسان کو اپنے آپ پر بھروسہ نہیں ہے اور وہ یہ اندازہ نہیں کرتا کہ میں نے کس چیز کا انکار کیا۔ دیکھیے! دین کو باقی رکھنے میں اور دین کا انکار کرنے میں کیا فرق ہے۔

کل میں نے وعدہ کیا تھا، آج وہ آیت پڑھ رہا ہوں:

"وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ

مِن فَوْقِ الْأَرْضِ مَالَهَا مِنْ قَرَارٍ" (سورہ ابراہیم آیت ۲۴)

"اور کلمہ خبیثہ کی مثال اُس درخت خبیث کی سی ہے جس کی جڑیں

(اب زمین میں نہ ہوں جس کی جڑیں) زمین کے اوپر ہی سے اکھڑ

گئی ہوں جس کو کوئی قرار ہی نہ ہو۔" آج یہاں کل وہاں۔

"يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ" (ابراہیم آیت ۲۴)

"خدا صاحبانِ ایمان کو قولِ ثابت سے ثبات دیتا ہے۔"

دین سے انکار بمقدار رہنے کی دلیل ہے، جس کا دین نہیں ہے نہ اُس کا

قول ہے، نہ اُس کو قرار ہے، دین ہی نہیں ہے تو قرار کہاں ہے۔ اور جہاں دین ہے

وہاں اعتماد ہے، وہاں نفس میں قوت ہے، لفظوں میں طاقت ہے، کوئی

ہے ہمارا۔۔۔۔۔ تھوڑی دیر کے لیے۔۔۔۔۔ قبل اس کے کہ آپ فیصلہ کریں

میرے اس جملے پر۔۔۔۔۔ تھوڑی دیر کے لیے۔۔۔۔۔ خاکم بدہن۔ میری زبان

جل جاتے، لیکن مثال کے لیے مجھے یہ کہنا پڑا ہے۔ اگر کوئی ہے ہی نہیں خالوتی

کائنات، پھر بھی (اُس کے ہونے کا یقین) یقین اس کی بات سے ہو رہا ہے جس

یقین ہے کہ کوئی ہے اس کا وارث پھر وہ کسی لڑائی میں پیچھے نہیں ہٹے گا۔ (صلوات)

نام معلوم ہوا تمھارا، تم علی ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ تمھیں قتل کروں، میری ملاقات تمھارے باپ ابوطالب سے تھی۔ میں نہیں چاہتا کہ ابوطالب کے بیٹے کو قتل کروں۔۔۔۔۔ تم واپس چلے جاؤ۔ دیکھو! ابوطالب نے کبھی کسی پر حملہ نہیں کیا۔

میرے مولا نے اس کو جواب دیا: میرے پدگزامی ابوطالب کو حکم قتال نہیں تھا۔ علی کو حکم قتال ہے۔۔۔۔۔ صلوات۔۔۔۔۔
اُحد میں سات سپہ سالار علی نے قتل کر دیے۔۔۔ جو مقابل میں آیا مارا گیا۔ حنین کی لڑائی کبھی تفصیل سے۔ ہر منزل پر یہ ہوا کہ مقابل نے خود دعوت دی کہ آؤ علی آؤ مجھے قتل کرو۔ کیوں؟ اس لیے کہ ادھر قرار نہیں ہے۔ کلمہ خبیثہ کو قرار نہیں ہے۔ شجرہ خبیثہ کو قرار نہیں ہے۔ اور ادھر کلمہ طیبہ ہے۔ ادھر شجرہ طیبہ ہے۔ صلوات۔

”اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ“ (سورہ ابراہیم)
”کیا تو غور نہیں کرتا کہ اللہ کلمہ طیبہ کی مثال کس طرح دیتا ہے اس کی مثال ایک شجر طیبہ کی سی ہے جس کی جڑ ثابت و مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں پھیل ہوئی ہیں۔“

وہ پاکیزہ شجر، اس کی جڑ مضبوط ہے اور شاخیں آسمان میں ہیں۔ اب اس کے مقابل کون آئے گا۔ ان بندیوں کے مقابل کون آئے گا۔ گفتگو ختم ہوئی۔ آج کا وقت ختم ہوا۔

اسلام میں ستاسی غزوات ہیں۔ میں نے سوال کیا تھا۔ کسا خیال ہے۔۔۔۔۔ نوجوانوں کا مجمع ہے۔ علی ہر جنگ میں، زمانہ رسول کے بعد۔

اقبال نے کہا:

نعرۂ حیدر نواتے بوذر است

گرچہ از حلقِ بلال و قبر است

اب بلال پکارے ”یا علی“۔۔۔۔۔ یا قبر پکارے ”یا علی“ یہ

بوذر کی آواز ہے، یہ آواز چلی آرہی ہے۔

”نعرۂ حیدر نواتے بوذر است“

دانشِ افرنگیاں غارت گری

دیر با خیر شد است بے حیدری

یہ مغربی ممالک کی سیاست لوٹ کھسوٹ کے علاوہ کچھ نہیں ہے

یہ بُت خانے، یہ گرجے، یہ کلیسا، حیدر نہیں ہے۔ اس لیے

یہ سب خیر بنے ہوئے ہیں۔

بہر حال آپ نے مرحب سے کہا: میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے۔

”سَمِعْنِي اُمِّي حَيْدَرًا“

یہ سنکر وہ پلٹا۔ مگر وہ جو ذریتِ آدم کو بہکانے کا وعدہ کر کے چلا تھا

راتے میں مل گیا۔ اور اسی طرح وہ ملتا ہے۔ اس نے مرحب سے کہا:

کہاں چلا؟۔۔۔۔۔ کہا: مجھ سے پہلے ہی کہہ دیا گیا تھا کہ میں حیدر کے ہاتھ سے

مارا جاؤں گا، اس لیے واپس جا رہا ہوں۔

شیطان نے کہا: ارے، یہ وہ نہیں ہے ایک نام کے بہت سے ہوتے ہیں

علی فرماتے ہیں: اس کا وجود پکار رہا تھا۔ اس لیے کہ قرار نہیں ہے۔

خندق کے میدان میں عمرو بن عبدوؤ۔ علی کی صورت دیکھ کر گھبرا یا:

نبرد آزمایا پہلوان پتھر شتر کو سپر بنائے ڈاکوؤں کے مقابلے میں۔ اس نے کہا:

کچھ بیبیاں ہیں جو کبھی بعدِ کربلا سائے میں نہ بیٹھیں۔ ایک حسین کی بہن زینبؓ
 بی بی بی جس کے چار جوان بیٹے مارے گئے، اُم البنینؓ، تیسری بی بی جو فقط
 ایک ہی برس زندہ رہیں، اُم ربابؓ، اور چوتھی، بی بی اُم لیلیٰؓ۔ مادرِ علی اکبرؓ
 جو کبھی سائے میں نہیں بیٹھیں۔ صبح سے شام ہو جاتی۔ اور نوچہ کرتیں، نالہ کرتیں
 راوی کہتا ہے: میں مدینے میں نو وارد تھا اور حملہ بنی ہاشم سے گذریا
 تھا۔ میرا ناکہ رُک گیا۔ میں نے تازیانہ لگایا، لیکن وہ نہ بڑھا۔ میں
 اُس کے آگے گیا، دیکھا تو میرا ناکہ رو رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو
 جاری ہیں۔ میں نے غور کیا تو ایک مکان سے آواز آرہی ہے۔
 — وَلَدِي عَلِيَّ الْكَبِيرُ، میرے لال علی اکبرؓ۔ مکان کا پردہ ہٹا تو
 ایک کینئر باہر نکلی۔ میں نے اُس سے پوچھا:۔۔۔ یہ کون بی بی رو رہی ہے؟
 کینئر نے کہا: کیا تو نو وارد ہے؟
 میں نے کہا: ہاں۔ اُس نے کہا: تو نہیں جانتا، یہ اُم لیلیٰؓ ہے
 یہ مادرِ علی اکبرؓ ہے۔

(اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلٰی قَوْمِ الظَّالِمِيْنَ)

جمل میں علیؓ۔۔۔۔۔ صفین میں علیؓ۔۔۔۔۔ تاریخ کس رُخ پر جاتی، اگر کسی
 جنگ میں علیؓ قتل کر دیے جاتے۔۔۔۔۔ پہلو انوں پر غلبہ پانے والا علیؓ
 سجدہ طاعت میں جان دے۔ وہاں بھی ایسی فضیلت جو ہمارے لیے
 نعمت بن جائے۔ وہ کعبے سے چلا ہے کوفے کی مسجد تک، وہ معراج
 جسمانی ہے۔ خانہ حق سے خانہ حق تک۔ یہ زندگی کا کمال، علیؓ، اس نام ہی
 میں بلندی ہے، یہ نام ہی انسان کو اس طرح بے خوف و خطر رکھتا ہے کہ اس کا
 کوئی اندازہ نہیں ہے۔

یہ علیؓ ہیں، یا علی اکبرؓ اور علیؓ یا علی بن الحسینؓ۔ علی اکبرؓ
 — علی اکبرؓ نے کہا: بابا! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟۔۔۔۔۔ کہا: بیٹے!
 ہم حق پر ہیں۔ ہم حق پر ہیں تو ہم کو موت کا کیا ڈر ہے۔

ظاہر ہے آج ۲۲ محرمؓ کو میں شہادت تو نہیں پڑھوں گا، مگر یہ بتلاؤں گا
 کہ کیا نقوش علی اکبرؓ نے دلوں پر چھوڑے ہیں۔

باپ کے حکم سے مال کی خدمت میں آئے۔ ماں نے کہا: میں سمجھ گئی۔۔۔
 مرے لال!۔۔۔ تم رخصت کے لیے آئے ہو۔۔۔ علی اکبرؓ نے ماں سے کہا:
 — اماں!۔۔۔ محشر کے میدان میں کربلا کی ہر بی بی میری دادی فاطمہ زہراءؓ
 سے کہے گی: ہم نے اپنے بیٹوں کو آپ کے بیٹے حسینؓ پر سے قربان کر دیا۔
 اُم فروہ کہیں گی: میں نے اپنے بیٹے قاسمؓ یتیم حسنؓ کو قربان کیا۔۔۔۔۔
 بیھوئی اماں فرمائیں گی: میں نے عوفؓ و محمدؓ کو قربان کیا۔۔۔۔۔ اُس وقت آپ
 کیا جواب دیں گی۔۔۔

یہ مستنا تھا، بے اختیار فرمایا: جاؤ علی اکبرؓ، اللہ کے حوالے کیا۔ مرے لال
 جاؤ۔ رخصت کرنے کو رخصت کر دیا، لاش بھی بیٹے کی خیمے میں نہ آسکی،

مجلس سوم

- ۱- نعمت کا ترجمہ Benefit اور رب کا ترجمہ Lord غلط ہے
- ۲- ربوبیت کا ایک شائبہ والذین ہیں۔
- ۳- قرآن کا سب سے پہلا ترجمہ لاطینی زبان میں ہوا تھا۔
- ۴- انجیل کا مختصر تعارف۔
- ۵- انجیل نے مشاہدے سے روکا ہے، قرآن مشاہدے کا حکم دیتا ہے عیسائیوں کی روزمرہ کی عبادت۔
- ۶- اکبر الہ آبادی کی ایک مشہور رباعی سے استدلال۔
- ۷- ”آمین“ کا حکم قرآن میں نہیں ہے۔ یہ لفظ انجیل سے لیا گیا ہے اس لیے جزو سورہ نہیں ہو سکتا۔
- ۸- منج شدہ عیسائیت کا رد عمل اشتراکیت ہے۔
- ۹- حق کی راہ میں جو دولت صرف ہو وہ نعمت ہے۔
- ۱۰- پاکستان کے کالجوں میں غلط تاریخ پڑھائی جاتی ہے۔
- ۱۱- حسین کے ایک سجدے نے وقت کی سیاست کو بدل دیا۔
- ۱۲- حضرت عباسؓ ائمہ معصومینؑ کی نظر میں۔

مجلس میں جو حضرات جمع ہیں ان کو معلوم ہے کہ "کفر ان نعمت" کے عنوان پر وہ تیسری تقریر رضویہ امام بارگاہ میں سماعت فرما رہے ہیں۔ اور جو کچھ کہا جا رہا ہے اس کے متعلق مجھے بار بار یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ کوئی مجتہد انہماک گزار گفتگو نہیں ہے، بلکہ ایک ایسے طالب علم کی افکار کا نتیجہ ہے جو مسلسل کاوش و کوشش و سعی پیہم کے ساتھ کسی نتیجے پر پہنچ رہا ہو۔

اس لیے اگر کسی مقام پر سننے میں سمجھنے میں اور تذکرے کو محفوظ کرنے میں کوئی کوتاہی ہو رہی ہو تو اس پر مراجعہ کیا جائے، پھر توجہ دی جائے۔ کل یہ گفتگو تھی کہ قرآن مجید کے بعض الفاظ کا انگریزی میں ترجمہ ناممکن ہے میرے بعض عزیزوں کو یہ غلط فہمی ہوتی کہ میں نے یہ کہا کہ ترجمہ نکال دیا جائے۔۔۔ ایسا نہیں ہے۔۔۔ میں نے یہ بتلادیا تھا کہ قرآن مجید وحی ربانی ہے معجزہ کی تحدید — لیکر آیا ہے۔ ہر آیت معجزہ ہے، ہر لفظ معجزہ ہے ہر حرف معجزہ ہے، ہر حرکت — معجزہ ہے اور اس لحاظ سے جس پر تحدید معجزہ ہو اس کو دوسری زبان میں ظاہر کرنے کی کوشش کرنا۔ وہ تو انگریزی ہے، اردو میں ناممکن ہے جو آپ کی مادری زبان ہے۔ آپ ترجمہ کر کے دیکھیے، اب تک صد ہا ترجمے ہوئے، اردو کے، کیا کوئی ایسا ترجمہ ہے جو عربی کی جگہ لے لے۔

اور پھر ذرا دیکھیے! آپ کی اردو سے عربی کے حروف تہجی کتنے کم ہیں پہلی چیز تو یہ کہ "فارسی" کے حروف نہیں ملیں گے۔ پ۔ت۔ی۔گ۔ جو اصل فارسی ہے، اصل پہلوی ہے۔ اس کے بعد ت۔ڈ۔ڈ۔ یہ حروف آپ کو نہیں ملیں گے۔ تو اب اس کے بعد جو اٹھائیس حروف رہ جاتے ہیں "و۔ہ۔مزہ" کے ساتھ یہ اٹھائیس حروف کے combination —

تیسری مجلس کفر ان نعمت

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ •
الَّذِي تَرَكَيْتُ ضَرْبَ اللَّهِ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً
كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي
السَّمَاءِ ۚ تُؤْتِي أُكْلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا ۚ
يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۚ
وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ
مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۚ يَتَّبِعُ اللَّهُ
الَّذِينَ أَمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي
الْآخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ ۚ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ۚ

(سورہ ابراہیم آیت ۲۲ تا ۲۷)

”کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ کلمہ طیبہ کی مثال کس طرح بیان کرتا ہے، اس کی مثال ایک شجر طیبہ جیسی جس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں وہ ہر موسم میں اپنے رب کے حکم سے پھل دیتا اور اللہ لوگوں کیلئے مثالیں بیان کرتا ہے شاید وہ نصیحت حاصل کریں اور کلمہ خبیثہ کی مثال شجر خبیثہ جیسی جو زمین کے اوپر کھڑا لیا گیا ہے اسے ثبات نہیں، جو ماحجان ایمان ہیں اللہ ان کو حیات دنیا اور آخرت میں قول ثابت ثابت قدم بناتا ہے اور اللہ ظالموں کو گمراہ کر دیتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔“

حفاظت بھی ہے، جذب بھی ہے، اِیصالِ اِلٰی المطلوب بھی ہے۔۔۔
 - اِرَاةُ الطَّرِیْقِ بھی ہے۔ یعنی بچا کے آگے بڑھانا بھی ہے محفوظ کر کے
 منزل تک پہنچانا بھی ہے۔ یہ سب ہدایت میں ہیں۔۔۔ صلوات۔۔۔
 تو ایسی صورت میں یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ ہم کسی لفظ کو جہنسہ۔ اور
 بعینہ اُس کے معنی و مفہیم کے ساتھ دوسری زبان میں لے آئیں گے۔ یہ تھی
 رب کی تعریف۔ "سورۃ شعرا آیت ۱۶" میں ارشاد ہوا:
 "فَاتَّبِعْنَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ"
 "پس وہ دونوں (موسیٰ و ہارون) فرعون کے پاس آئے اور کہا کہ
 ہم دونوں رب العالمین کے رسول (بھیجے ہوئے) ہیں
 پھر فرعون نے کہا:

"قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ ۚ" (شعرا ۲۳)
 "فرعون نے کہا: اور رب العالمین کیا چیز ہے؟"
 "اب رب" کی تشریح زبان موسیٰ سے سنیے۔۔۔ آیت مسلسل ہے
 "قَالَ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنَّ
 كُنْتُمْ مُوقِنِينَ ۝" (شعرا ۲۴)
 "موسیٰ نے کہا: وہ آسمانوں کا، اور زمین کا اور جو کچھ ان دونوں
 کے مابین ہے بنانے والا (خلق کرنے والا) ہے اگر تم کو یقین ہو۔"
 "قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ أَلَا تَسْمَعُونَ ۝" (شعرا ۲۵)
 "فرعون نے کہا: اُن لوگوں سے جو اُس کے اطراف تھے، کیا تم
 نہیں سُنتے ہو؟ (کیہ کیا کہہ رہا ہے)
 مگر حضرت موسیٰ ڈکتے نہیں ہیں۔۔۔ فرمایا۔۔۔

مجموعے) کو دیکھیے۔ اُس کی ترکیب کو دیکھیے کہ جہاں لفظ بنا، وہاں معجزہ
 بن جائے، اور جہاں دو حرفی لفظ "رَب" پر بحث تھی کہ رب کا ترجمہ
 کیا کیا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ عربی وہ زبان ہے کہ جس میں قواعد کے
 اعتبار سے ایک Root (اصل) ہے۔ ایک اس کے لیے جڑ ہے، ایک
 بنیاد ہے، ایک اساس ہے ایک Foundation ہے۔ وہاں سے
 مختلف استقاقات کے ساتھ آپ برابر الفاظ بناتے جاتے ہیں۔ البواب کے
 بدلنے سے جہاں معنی بدل جاتے ہیں۔ ذرا سا صرف و نحو پر نظر ڈالیے، اور
 اس کے بعد دنیا کی کسی زبان کو سامنے لائیے کہ جہاں اس طرح Root سے
 لفظ چلا ہو۔۔۔

سُنتے ہیں کسی زمانے میں "الاطین" زبان میں یہ رواج تھا۔
 اب وہ زبان بھی باقی نہیں رہی اپنی اصلی حالت پر، مگر پھر بھی یہ لفظ دو حرفی
 لفظ "رب"۔۔۔ رب کی تعریف قرآن نے کیا کی؟ قرآن سے رب کی تعریف سنیے
 "یہ آیت جواب ہے موسیٰ کا فرعون کو، جب اُس نے پوچھا:
 "قَالَ فَمَنْ رَبُّكُمَا يُمُوسَىٰ؟"
 "کہا، پس تم دونوں کا رب کون ہے اے موسیٰ؟"
 "قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ"
 (سورۃ طہ آیت ۵۰)
 "کہا: ہمارا رب وہ ہے کہ جس نے ہر شے کو خلق کیا پھر ہدایت کی"
 خلقت بھی، ہدایت بھی رب نے۔۔۔ اب اس کو لفظ Lord
 کیے carry (نبھانے) کرے۔ یعنی قرآن کہہ رہا ہے کہ رب کیلئے
 خلقت بھی ہے، ہدایت بھی ہے۔ اور ہدایت کی منزل اتنی عجیب ہے کہ

وہ منظر رُبوبیت حقیقی ہے، اُس نے محافظ بنایا، ایک سلسلہ بنایا۔ تو جیسے اُنھوں نے میری پرورش کی۔ رب کے معنی پرورش کرنے والا رَبِّیُّ صَغِيرًا یعنی رُبوبیت کا ایک شاہ مال باپ تک پہنچایا۔

تو اب لفظ *sovereign* (لاؤڈ) کیسے *carry* (متبادل) ہو سکتا ہے جب "رب" یہ کہتا ہے تو "اللہ" کا کیا ذکر.... اور کیا بتلاؤں کہ "اللہ" کے لیے مختلف زبانوں میں کیا لفظ آئے.... کیا کوئی لفظ ایسا ہے جو اُسی معنی کو بتلائے؟... پھر "رحمن" ہے، پھر "رحیم" ہے اور پھر پورے اسمائے حسنیٰ ہیں، اور پھر ایسے بہت سے مقامات ہیں فکر کے لیے اور ترجمے کے لیے۔ اس لیے کل عرض کر رہا تھا کہ ترجمہ اس لفظ کا یا اور ایسے الفاظ کا نام کن ہے دوسری زبان میں۔ دوسری زبان کو پڑھتے ہیں اسی لیے کہ کوئی عربی نہیں جانتا ہو تو وقتی طور پر سمجھ لے۔ اور سورہ یوسف بارہواں سورہ

مگر قرآن کی عربی کو خداوند علیٰ اعلیٰ نے معجزہ بنایا:

"الْاَنْفِ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝" (سورہ یوسف آیت ۲)

"الف لام لا۔ وہ واضح کتاب کی آیات ہیں۔ بلاشبہ ہم نے اس

قرآن کو عربی (زبان) میں نازل کیا تاکہ تم سمجھ سکو۔"

ہم نے عربی میں قرآن کو نازل کیا، اس لیے تاکہ عقل سے کام لو۔ اس سے

عربی دانی کو — نازل کر دیا — ایک پوری قوم پر عربی کو نازل کر دیا۔ یعنی اگر اس معجزے کو آپ سمجھتے تو آج زبان کے اعتبار سے کسی اور منزل پہ ہوتے۔ آپ کا مسئلہ کچھ اور طرح سے حل ہو جاتا۔ ہم نے عربی میں قرآن کو نازل کیا ہے، تاکہ تم عقل سے کام لو۔ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ "

"قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَائِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ" (شعرا ۲۶)

"اُنھوں نے کہا: تمہارا رب (پیدا کرنے والا) اور وہ رب تمہارے

باپ دادا کا پیدا کرنے والا ہے۔"

"قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمْ الَّذِيْ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ

لَمَجْنُوْنٌ" (شعرا ۲۷)

"(زعون نے) کہا: تمہارے پاس جو رسول آیا ہے ہونہ ہو وہ

دیوانہ ہے۔"

مگر موسیٰ ٹھہرتے نہیں:

"قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا اِنْ

كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ" (شعرا ۲۸)

"(موسیٰ نے) کہا: وہ رب مشرق اور مغرب کا پیدا کرنے والا ہے

اگر تم عقل سے کام لو۔"

دیکھا آپ نے۔ یہ ایک "رب" میں کتنے معنی پنہاں ہیں اور جب اُسی رب کو دعا کی منزل سے گزرا کر عام استعمال کے قابل کرتا ہے تو اُس وقت بتلاتا

ہے کہ رُبوبیت کو پہنچاؤ اور کہا کہ دیکھو اپنے مال باپ کے لیے دعا کرنا۔

"وَقُلْ رَبِّ اَرْحَمُهُمَا كَمَا رَبَّبْنِيْ صَغِيْرًا"

(بنی اسرائیل ۲۴)

"اور کہہ میرے رب اُن دونوں پر رحم فرما، جیسا کہ ان دونوں نے

بچپن میں مجھ پر رحم کیا تھا۔" — یعنی تم کو پالا، کھلایا، حفاظت کی

مان کی نگاہیں ساتھ ساتھ رہیں، باپ محافظ رہا۔ یعنی جس طرح اُنھوں نے اپنی

رُبوبیت کو مجھ پر صرف کیا، یعنی وہ رُبوبیت حقیقی نہیں ہے وہ۔۔۔۔۔

New Testament میں ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد لکھا گیا ہے۔ اور وہ انجیل جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہ نازل ہوئی اُس کا پتہ ہی نہیں ہے۔ یہ جو لکھے ولے ہیں چار ہیں۔ آپ پڑھیے اور شوق سے پڑھیے۔ ظاہر ہے کہ ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔

اِس امام بارگاہ (رضویہ سوسائٹی) میں آج سے دس سال پہلے ایک عیسائی مبلغ کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے میں نے ان تمام مسائل پر وقت میں گفتگو کی تھی۔ اور یہ بتایا تھا کہ بائبل چار حصوں پر مشتمل ہے اور پہلا حصہ اُس کا "متی" ہے، اِس کے چوبیس "chapters" "سورے" یا "باب" ہیں۔ چوبیس سورے ہیں، چوبیس باب ہیں، اور اِس کے بعد ظاہر ہے کہ پھر "مرقس" ہے۔ "لوقا" ہے۔ "یوحنا" ہے۔

یہ چاروں حصے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انتقال کے سو برس کے بعد لکھے گئے۔ اِس لیے لکھنے والوں نے یہ چاہا کہ کہیں یہ ہماری قوم، ایجادات جدیدہ و انکشافات عصریہ میں پھنس کر خود فردا گیری اور نکتہ چینی اِس کتاب پر نہ کرے، تو انھوں نے حکم دیا کہ لکھنا پڑھنا بند کرو۔ تحقیق بند کرو چنانچہ اسی بناء پر *Geelands* (گیلینڈیو) کو مزائے تازیانہ دی گئی اور انسان کو فقط اِس بناء پر مزائے موت دیدی گئی کہ اُس نے ایک بلندی — پر چڑھ کر یہ آواز دی تھی کہ دو پتھر ایک زیادہ وزن کا اور دوسرا کم وزن کا، اگر دونوں کو ایک ساتھ اوپر سے پھینکا جائے تو دونوں ایک ساتھ زمین پر گر گئے۔۔۔۔۔ یہ بات سننے ولے کہتے تھے کہ نہیں، بلکہ وزنی پتھر پہلے گرے گا، کم وزن والا بعد میں گرے گا۔۔۔۔۔ مگر جب اُس نے بلندی سے دونوں پتھروں کو پھینکا تو دونوں ہی ایک ساتھ زمین پر آ گئے۔۔۔۔۔ اِس تجربے

تو اسی منزل پر جہاں قرآن مجسمہ ہو۔ مجزے کا ترجمہ کیسے ہوگا؟۔۔۔۔۔ سب سے پہلا ترجمہ قرآن کا، "لاطینی" زبان میں ہوا۔ وہ ترجمہ میرے پاس موجود ہے۔ پھر اِس کے بعد اٹلی کی زبان (ITALIAN) میں ہوا۔۔۔۔۔ بہر حال جو بھی ترجمہ ہے، آپ کو تعجب ہوگا، صرف اِس لیے کہ اُس ملک کے رہنے ولے یہ سمجھ لیں کہ قرآن میں کیا کیا ہے۔ ورنہ ترجمہ اصل کے کیف کو کھودیتا ہے ترجمہ، قائل کے مدعا کو ہٹا دیتا ہے، ترجمہ، مفہوم کو کبھی کبھی ناقابل فہم بنا دیتا، اور آدمی سمجھ نہیں سکتا کہ ترجمے میں کیا ہے اور اصل میں کیا ہے۔۔۔۔۔ یہی کیفیت "توریت" و "انجیل" سے ہوئی۔

کل کی تفسیر کے بعد ایک نوجوان عزیز نے ایک انتہائی ذہانت کا سوال کیا وہ سوال اِس قابل ہے کہ میں آپ کے سامنے دُہراؤں۔۔۔۔۔ انھوں نے کہا کہ اگر دین مسلسل ہے اور نعمتیں تمام پائی ہیں۔ آہستہ آہستہ نعمت آرہی ہے، تو ایک نعمت کو دوسری نعمت سے، یا ایک دین کو دوسرے دین سے — (Contradictory) افذاذ نہیں ہونا چاہیے۔۔۔۔۔ شریعتِ موسیٰ یا شریعتِ عیسیٰ، یا شریعتِ ابراہیم ضد پر نہ ہو شریعتِ محمد سے۔۔۔۔۔ میں نے کہا: یقیناً ایسا ہی ہے۔

انھوں نے کہا: پھر آپ یہ کہتے ہیں کہ بائبل نے مشاہدے سے روکا، توریت نے مشاہدے سے روکا۔؟

میں نے کہا: صحیح ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بائبل ہوا توریت، کوئی آسمانی صحیفہ اپنی اصلی حالت پر آج باقی ہی نہیں ہے۔ اپنی صحیح حالت میں سوا قرآن کے۔ دوسرے، "بائبل"۔ بائبل کے دو حصے ہیں۔

Old Testament (پُرانا عہد نامہ، دوسرا *New Testament* نیا عہد نامہ)

— Neutrons (نیوٹرون) کو دیکھا Nucleus (نیوکلیس) کو دیکھا
اس کی برقی قوت کو دیکھا، اس کی حرکت کو دیکھا، تو اور زیادہ آپ توجید سے
قرب ہو گئے، اس لیے کہ کائنات میں آپ کو حرکت نظر آتی —
تو بائبل پہ گفتگو تھی اور بائبل کے ایک حصے پر گفتگو کو ختم ہو جانا چاہیے۔
— اور ظاہر ہے کہ میں معذرت کے ساتھ اپنے اس دس برس پہلے کی تقریر کے
ایک حصے کو Repeat (دوبارہ بیان) کر رہا ہوں۔

یہ چھٹا باب ہے مارکس / میتھیو کا پہلا حصہ بائبل کا، جس کے چوبیسویں
Chapter (چپٹر) ہیں۔ اس کا چھٹا حصہ۔ اس میں ایک دُعا ہے اور وہ
دُعا آج ہر کرسچن کو پڑھنی پڑتی ہے۔ اگر وہ کرسچن ہے تو لازم ہے کہ رات کو
سوتے وقت گھٹنوں پر کھڑے ہو کر وہ دُعا پڑھے۔ رات کو سونے سے پہلے
اور صبح مشاغل دنیا کو شروع کرنے سے قبل — ظاہر ہے کہ وہاں رکوع و سجود
کی تو باتیں نہیں ہیں، وہاں طہارت کا تو تذکرہ نہیں ہے — اور ظاہر ہے
یہ گفتگو بے وقت ہے کہ جہاں طہارت ظاہری نہیں، وہاں طہارت باطنی کیا ہے
اب آپ اس دُعا کو دیکھیے اور پھر آپ اپنی معجزانہ کیفیت کو دیکھیے اور اُس
معجزہ کو دیکھیے جو آپ پر نازل ہوا: دُعا یہ ہے

Our Holy Father. Thy hold Kingdom in heaven. Thy
Kingdom come. Thy will be done in Earth as it is
in Heaven. Give us today our daily Bread
and Forgive us our Debts as we have Forgiven our
Debtors. (And donot put us to the test, but
save us from the evil one).

“BIBLE - MATHEW” (Chapter VI)

پر اس کو موت کی سزا دے دی گئی کہ تم نے یہ تجربہ کر کے کیا؟ —

بات یہ تھی کہ پاپائیت اپنا ہولڈ (اقتدار) رکھنا چاہتی تھی، عیسائیت اپنے
اقتدار کو باقی رکھنا چاہتی تھی، توریت و انجیل کے علمبردار یہ چاہتے تھے کہ دنیا کبھی
ہمارے بچے سے نکل کر باہر ہی نہ جائے۔ ایسی منزل پر انھوں نے جس طرح
چاہا ترجمے کیے، اور جتنی آیتوں کو چاہا اپنی طرف سے بڑھالیا۔ مگر قرآن چونکہ
اب تک محفوظ حالت میں ہے اس لیے برابر مشاہدے کی دعوت دے جا رہا ہے،
اور اعلان پہ اعلان کیے جا رہا ہے کہ خدائی کائنات پہ قبضہ کر لو لیکن ہماری خدائی
میں کمی نہیں ہو سکتی — صلوات —

”سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ“ (سورہ لقمان ۲۰)

”تمھارے لیے مسخر کر دیا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے،“

لے لو، اگر تم چاہتے ہو، اور اگر تم قوت رکھتے ہو۔ اگر تم اقتدار رکھتے ہو —
مگر وہ اکبر الہ آبادی کی رُباعی یاد ہے جو میں نے کبھی کسی مقام پر پڑھی تھی:

تم شوق سے کالج میں پڑھو پارک میں پھولو

لازم ہے غباروں میں اُڑو، چرخ پہ جھولو

پر ایک سخن بندہ عاجز کا رہے یاد

اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

اب شوق سے آپ ساری کائنات کو دیکھ ڈالیں، مشاہدہ کریں، دیکھیں

کہ ایک ایک عنصر میں کیا ہے، ایک ایک Element (ایلیمنٹ) میں

کیا ہے، ایک ایک ذرے میں کیا ہے، کتے ایٹم 'Atoms' ہیں اور ان کی

حرکتیں کیا ہیں — ظاہر ہے کہ اُس سے خدائی پہ کیا حرف آ رہا ہے۔ اگر آپ

نے Electron (الیکٹرون) کو دیکھا Proton (پروٹون) کو دیکھا۔

ترجمہ مزید دعا: Give us today our daily bread
آج کے دن کی روٹی تو دے دے
دیکھیے کوئی اس کا مفہوم مجازی ہی نہیں ہے سوا اس معنی کے۔ آج کا رزق
دے دے۔ Bread۔ روٹی دے، آج کی روٹی دے۔

تو وہ روٹی یورپ کو نہیں ملی۔
اور ایک مرتبہ مارکس نے کھڑے ہو کر پاپائیت کے مقابلے میں کہا:
”یہ تمہاری انجیل کی دعا ہے کہ تم کہتے ہو ”روٹی دے“ اور
روٹی وہ نہیں دیتا ہے۔ اس لیے کوئی روٹی دینے والا نہیں ہے
اس لیے ”اشتراکیت“ ردِ عمل ہے اس مسخ شدہ بدل کا۔“
آپ سمجھ رہے ہیں۔ آپ دعا کر رہے ہیں:

”آج کی روٹی دیدے، اور ہم جو قرضدار ہیں تیرے تو تو ہم کو
معاف کر دے، اس لیے کہ جو ہمارے قرضدار تھے ہم نے ان کو
معاف کر دیا۔ اور ہم کو.... بُرائی... سے بچا۔ آمین“
اور آپ پانچ وقت کیا پڑھ رہے ہیں۔ یہ میرا عنوان شروع ہو رہا ہے۔
آپ نے پہلے جملے کی روٹی۔ اس طرح کہ آپ نے کہا:
”اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ“

اور اس کے بعد ربِّ الْعَالَمِیْنَ کو آپ نے سمجھایا: ”الرَّحْمٰنُ“ جو غرود کو
بھی پالے، پرورش کرے، ابراہیم کو پالے، فرعون کو بھی پالے، موسیٰ کو بھی پالے
ملکی کو بھی پالے، موحّد کو بھی پالے، مومن و منافق سب کو اپنے خانِ کرم سے
سیر ہونے کا موقع دے۔ ”رَحْمٰنُ“ رحیم ”وہ جو مومن کو اعمال
دیکھ کر بدلہ دیتا جائے کہ یہ تیرا عمل ہے اور یہ تیری جزا ہے۔“ وہ رحمن، یہ رحیم۔

اور اس کے بعد آخر میں ”آمین“ AMEN — یہ انجیل میں ہے۔ آمین قرآن میں
نہیں ہے۔ پورے قرآن میں نہیں ہے۔ اس لیے آمین جزوِ سورہ نہیں ہو سکتا
اس کے لیے احکام علیحدہ ہیں۔ ہر کہن یہ دعا کرے گا۔ آمین۔
اب میں ترجمہ کروں:

Our Father۔ ہمارے باپ۔ اب دیکھیے ربّ۔ اللہ۔
رحمن۔ رحیم۔ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ اور سارے الفاظ جو اُس کے
اسمائے حُسنی ہیں ان سارے اسماء کے لیے صرف ایک ہی لفظ
ذہن میں آیا، جس کو میں ابھی اشارے میں بتا چکا ہوں کہ میرا باپ
پر رحم کر.... ”رَبِّیْنِیْ صَغِيرًا“۔

”تو محسوس تھا“ باپ ”چاہئے میں حفاظت کرنے میں، پرورش
کرنے میں، اور بنیاد پر خلق کرنے میں، محسوس تھا تو اب اس محسوس کو لے لیا
اور اُس معقول کی بارگاہ میں پیش کیا۔

دعا: ”ہمارے باپ“ Our Father۔ ”تو تو آسمانوں میں
Thy hold kingdom in heaven“ تیری حکومت قائم ہوگی
”Thy kingdom come“ ”تیری مرضی چلے گی۔۔۔“
”Thy will be done“ ”زمین پر بھی چلے گی“ In the Earth
”جیسے وہ آسمانوں میں ہے۔“ As it is in Heaven
وہ آسمانوں میں ہے۔ تیری مرضی اب زمین پر چلے گی۔ ابھی
آسمانوں پر ہے اور اب زمین پر چلے گی۔

یہاں موسیٰ کہہ رہے ہیں ”رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ“ اور یہاں قرآن
کہہ رہا ہے ”رَبِّ الْعَالَمِیْنَ“ اور انھوں نے محدود کیا آسمانوں تک۔

تو نگرہی ہے، مفہومِ نعمت اگر اعلیٰ مکانات ہیں، اگر مفہومِ نعمت سچے ہوتے محل ہیں، شاداب زمینیں ہیں، تو کیا آپ یہ معنی لیں گے کہ:

”پروردگار! اُن لوگوں کا راستہ بتلا جو زیادہ دولت مند ہیں، جو زیادہ تو نگرہی، یا وہ جن کی دولت زیادہ مشہور ہے۔“

کیا نعمت کا مفہوم یہ ہے آپ کے پاس؟۔ نہیں۔

”صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“

”اُن لوگوں کا راستہ جن پر تُو نے اپنی نعمتوں کو نازل فرمایا“

صراطِ المستقیم بتلا، اور طلب میں تخصیص دیکھیے۔ یعنی آپ جو طلب کر رہے ہیں، ہدایت کو، استہدائے

استہدائے خصوصی دیکھیے۔۔۔ کہ مانگ تو رہا ہوں صراطِ مستقیم پر ہدایت قیام مگر اُن لوگوں کا راستہ بتلا۔۔۔۔۔ اُن کا راستہ نہیں جن پر تیرا غضب ہو، جو گمراہ ہوں۔۔۔۔۔ ”خَالِئِينَ“ پر اختتام ہے۔ آمین نہیں ہے۔

اُن کا راستہ جن پر تُو نے اپنی نعمتوں کو نازل کیا، دنیا کی دولتوں کو نہیں۔۔۔۔۔ اچھا تو کیا کسی کو دولت ملے؟ تو کیا اُس کو نعمت نہیں کہیں گے؟۔۔۔۔۔ کہیں گے مگر اُس وقت کہیں گے جب ”تَقَرَّبَ إِلَى الْحَقِّ“ (حق سے تقرت حاصل کرنے) میں یہ دولت صرف ہو۔

”الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا“ (سورہ کہف آیت ۴۶)
”مال اور اولاد دنیاوی زندگی کی زینت ہیں۔“۔۔۔۔۔ مگر یہ باقی رہنے والی نیکیاں بھی ہیں۔

اب آپ تیسری تقریر میری سن رہے ہیں۔ لہذا نعمت کی تعریف سن لیجیے۔ کہ جو چیز مبداء سے آپ کو قریب کر دے، ”وہ نعمت ہے“ مرضی مولا سے جو

Discretion، ذوق، آپ کیسے کریں گے؟

پھر آپ نے کہا: ”مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ“

یعنی آپ نے مبداء سے شروع کیا اور معاد تک پہنچ گئے۔ ”یومِ دین کا مالک“ یہاں بھی تُو وہاں بھی تُو۔ تُو ہی تُو ہی ہے۔ آغاز تُو، انجام تُو۔ ابتدا تُو انتہا تُو۔ اول تُو، آخر تُو۔ ظاہر تُو، باطن تُو۔ یہاں سے وہاں تک تُو ہی تُو ہے۔۔۔۔۔ اگر اب کسی کا مبداء۔ مادہ ہے تو اُس کا معاد بھی۔ مادہ ہے۔

سُرے گا، گلے گا، ہمیشہ کے لیے ختم ہوگا۔ اور اگر کسی کا۔۔۔۔۔ مبداء مرضی مولا ہے تو اُس کا محاذ وہ ہے:

”إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ“

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

”عبادت“ اور ”استمداد“۔ مدد کا طلب کرنا۔۔۔۔۔ اب اس کے بعد آپ روٹی نہیں مانگتے۔ اور جب مانگنے کا وقت آیا، پورے قصیدے کے بعد پوری تعریف کے بعد، پوری توصیف کے بعد، آپ نے کہا:

”إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ“

ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت کر۔ (قائم رکھ)۔

آج کی روٹی نہیں۔

تو اب مسلمانوں میں کیوں مارکس پیدا ہو، مسلمانوں میں کیوں ردِ عمل آتے جب یہ معجزہ موجود ہے۔ اور اس کے بعد میرا عنوان۔ پروردگار! انکار راستہ تو آئیے پھر مفہومِ نعمت پر گفتگو شروع کر دیں۔۔۔۔۔ یہ تہیہ کی گفتگو تھی مفہومِ نعمت کیا ہے؟۔ مفہومِ نعمت اگر دولت ہے، مفہومِ نعمت اگر

”السَّلَامُ عَلَيْكُمْ“ : سلام ہو آپ حضرات پر
 ”يَا أَهْلَ بَيْتِ النَّبُوَّةِ“ : اے اہل بیت نبوت
 ”وَمَوْضِعَ الرِّسَالَةِ“ : اور پیغام خدا کے مرکز
 ”وَمُخْتَلَفَ الْمَلَائِكَةِ“ : اور فرشتوں کی آمد و رفت کے مرکز
 ”وَمَهْبِطَ الْوَحْيِ“ : اور وحی خدا کے نزول کی جگہ
 ”وَمَعْدِنَ الرَّحْمَةِ“ : اور رحمت خدا کے سرچشمہ
 ”وَحُزْنَ الْعِلْمِ“ : اور علم خدا کے خزانہ دار
 ”وَمُنْتَهَى الْجَلْمِ“ : اور حلم و بردباری کی انتہا
 ”وَأَصُولَ الْكُرَمِ“ : اور کرم و مہربانی کی بنیاد
 ”وَقَادَةَ الْأُمَمِ“ : اور امتوں و اقوام کے رہبر و قائد
 ”وَأَوْلِيَاءَ النَّحْمِ“ : اور نعمتوں کے والی و محافظ
 سلام ہو تم پر اے نعمتوں کے والی، اے نعمتوں کے صاحب
 اے نعمتوں کے مختار، اُس گھرانے پر سلام ہو، تم نے قیادت
 کی ہے امتوں کی، (آپ کو معلوم ہے کہ گذشتہ زمانے میں جب شاہی
 تختی، بادشاہان وقت کو ”ولی نعمت“ لکھتے تھے) اَوْلِيَاءُ النَّعْمِ
 اے اہل بیت نبوت، تم اولیا و نعم ہو۔
 اور جہاں زیارت جامعہ ختم ہو رہی ہے وہاں بھی یہ جملے ہیں :
 ”وَبِمَوْلَاتِكُمْ تَمَّتِ الْكَلِمَةُ“ : اور آپ ہی کی محبت کی وجہ سے کلمہ تمام ہو گیا
 ”وَعَظُمَتِ النِّعْمَةُ“ : اور نعمت اپنی عظمت پر پہنچی۔
 ”وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعْمَهُ“ : اور آپ حضرات پر اسکی نعمتیں فراوانی ہے
 ”ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً“ : نازل ہوئیں ظاہر میں بھی اور باطنی طور پر بھی

چیز قریب کر دے، وہ نعمت ہے، مرضی مولا سے جو قریب کر دے۔ آپ کے
 پاؤں اُس کی راہ میں چلیں، نعمت ہے، آپ کے ہاتھ اُس کی راہ میں اٹھیں،۔۔۔
 نعمت ہے، آپ کا دماغ اُس کی راہ میں سوچے، نعمت ہے۔ جو چیز مرضی مولا
 سے قریب کر دے، وہ نعمت ہے۔۔۔۔۔

اور جو چیز مرضی مولا سے دور کر دے، وہی سانس، وہی مال، وہی اولاد، وہی
 مکان نعمت ہے۔۔۔۔۔ کل کی تقریر آپ کو یاد ہے ؟
 ”نعمت کی ضد ”نقمت“

یعنی، آپ نے مرضی مولا میں سانس لی، نعمت، لیکن اگر مرضی مولا کے
 خلاف ہے، تو پھر نوعیت بدل گئی، اب وہی سانس نقمت ہو گئی، اب وہ
 قابلِ عذاب ہے۔ اب وہ مہلت ہے، اب گنا جارا ہے کہ کتنی سانس لیں
 ہیں گناہوں میں، کتنی سزا اس کو ملنی چاہیے ؟

اس لیے کہا دعائے کمیل میں :
 ”يَا سَرِيعَ الرِّضَا اغْفِرْ لِمَنْ لَا يَمْلِكُ إِلَّا الدُّعَاءُ
 فَإِنَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا تَشَاءُ يَا مَنْ اسْمُهُ دَوَاءٌ وَ
 ذِكْرُهُ شِفَاءٌ وَطَاعَتُهُ غِنَى إِرْحَمْ مَنْ رَأْسُ
 مَالِهِ الرَّجَاءُ وَسِلَاحُهُ الْبُكَاءُ“۔۔۔۔۔

”يَا سَالِغَ النِّعَمِ يَا دَافِعَ النِّقَمِ“۔۔۔۔۔
 ”اے نعمتوں کو فراوان نازل کرنے والے، اے نعمتوں کو دفع کرنے والے“
 ۔۔۔۔ میرے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے تیری بارگاہ میں پہنچنے کا بجز
 دُعا کے، مجھ پر رحم فرما۔

اور زیارت جامعہ کے آغاز میں بھی یہی ہے، انجام میں بھی یہی ہے :

یعنی: اللہ نے تم پر اپنی نعمتوں کو نازل فرما ہے، اُس میں ظاہری نعمتیں بھی ہیں اور باطنی نعمتیں بھی ہیں۔

اور اس طرح سے دونوں ظاہر و باطن ملکر رہ مولا میں صُرف ہو جائیں تو وہ صُرفِ نعمت ہے۔ اور اگر رہ مولا سے ہٹ جائیں تو وہ صُرفِ نعمت ہے۔
(ن ق م ت = نعمت کی جمع "نَعْمٌ"۔ نعمت کی جمع "نَقْمٌ"۔
نعمت کے معنی عطا۔ نعمت کے معنی سزا۔ وہی سانس جو عطا ہے وہی دعوتِ سزا بھی ہے، اگر غلط صُرف ہو۔

اب آئیے اُسی مقام پر کہ جہاں ارشاد ہوا۔۔۔ کل میں یہ آیت پیش کر رہا تھا اور اُسی مقام پر اب بھی ہوں: سورہ نحل میں ارشاد ہوا:

”يَعْرِفُونَ نِعْمَتَ اللَّهِ تَتَذَكَّرُونَ” (سورہ نحل آیت ۸۳)

”وہ اللہ کی نعمت کو پہچانتے ہیں، پھر بھی اُس سے انکار کرتے ہیں اور

اُن کی اکثریت انکار کرنے والی ناشکر گزار ہے۔“

اللہ کی نعمتوں کو پہچانتے ہیں، ایسا نہیں کہ جانتے نہیں ہیں۔ جانتے ہیں

کہ کون کون نعمت بنا ہوا ہے۔ پھر بھی انکار ہے، اس لیے کہ اُن کی اکثریت

کافر ہے۔۔۔۔۔۱۔

اور ظاہر ہے، جہاں جہاں خدا کے وجود کا انکار کیا گیا اکثریت ہے مسلمانوں

کے مقابلے میں تو وہ اکثریت ہے۔۔۔۔۔ آپ دیکھتے جیسے توبہ چلے گا کہ

جہاں مادیت ہے وہاں دہریت ہے، جہاں دہریت ہے وہاں انکار ہے

کہ اثباتِ صالح نہیں ہے (یعنی، اللہ کا وجود بقول اکثریت ثابت نہیں)۔

بس ایسی منزل پر اکثریت کافر ہے۔ کوئی غصہ کیوں ہو، کوئی بگڑے کیوں؟

کہ کس اکثریت کی طرف اشارہ ہے، بھی اکثریت انہیں کی ہے نا، جو خدا کو نہیں مانتے، پھر دوسرا کیوں پریشان ہو۔

اللہ کی نعمت کو پہچانتے ہیں، عقل دی ہے، دل دیا ہے، حواس دیے

ہیں، حواسِ ظاہری دیے ہیں، حواسِ باطنی دیے ہیں، رسول بھیجے ہیں اور بتلایا ہے

کہ دیکھو یہ نعمت ہے، اگر کسی نے کسی کو مقامِ تعارف پر بلند کر کے یہ بتلایا ہو کہ

نعمتیں اس طرح نازل ہوتی ہیں۔ تو دنیا نے پہچانا تھا۔۔۔۔۔ صلوات۔

مگر اس کے بعد انکار کر رہے ہیں، تو اس کی ذمہ داری انہیں پر ہے

اس لیے کہ وہاں مسند جبر کا نہیں ہے۔

کتابِ قرآن مجید، کتابِ علم و عمل ہے، کتابِ فرض و تقدیر نہیں ہے

یہاں علم ہے، عمل کی دعوت ہے۔ واضح کر دیا قرآن نے کہ ہم نے کسی منزل

کو تشنہ نہیں چھوڑا۔ یہ نعمتیں ہیں جو ہم دے رہے ہیں، اگر یہ نعمت نہ ہو تو اپنے

آپ کو جانچو، مقام کیا ہے آپ کا۔ اب جہاں جہاں بھی تاریخِ اسلام میں یہ

نام آئے اُسے ہٹاتے جاتیے، پھر دیکھیے اسلام میں کیا رہ جاتا ہے اس نعمت

کے بغیر۔

”دَعْوَتِ ذَوِ الْعَشِيرَةِ“ جاؤ حبیبِ ہم نے مبعوث کیا، بعثت

کی منزل ہے، نعمت موجود۔ ”وَإِنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ“

(الشعراء، ۲۱۴)

آواز دو کوئی ہے مدد کرنے والا۔۔۔۔۔ اگر تمہاری آواز پر کوئی لبیک کہے

اور تاریخِ اسلام اگر اُس آواز لبیک کو ضبط نہ کرے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ

کی نعمت کو پہچان کر انکار کر رہے ہیں۔ ”ثُمَّ يَنْكُرُوهَا“۔

کیا رہ جائے گا دعوتِ ذوالعشیرہ میں۔ کیوں بلایا تھا جب کوئی جواب دینے والا

ہی نہیں تھا۔ ؟

”شَبِّ هَجْرَت“ کیا رہ جاتا ہے ہجرت کی رات، اگر بستر پر کوئی نہ ہو۔ ؟

یہ بھی ترجمہ آپ کو انگریزی میں ملے گا۔ ”The Flight from Mecca“

کیا واقعی ہجرت کا ترجمہ Flight ہے، ”رسول بھاگ گئے“
ارے بستر پر کوئی نہ ہوتا، تو بھاگتے، ؟ نفس کو چھوڑا ہے بستر پر نفس کو
اب ہجرت ہے — فلائٹ (Flight) نہیں ہے ایسی منزل پر
دعوتِ ذوالعشرہ مائنس (Minus) — علی = (x) کیا ہے گا
و بالفاظِ دیگر دعوتِ ذوالعشرہ سے علی کو منفی کر دیجیے۔ باقی کیا رہے گا؟
اور اسی طرح شبِّ ہجرت کا بستر Minus (منفی) بغیر علی کیا ہوگا۔ اور پھر
اسی طرح دیکھتے جاتے بدر، احد، خیبر، خندق، حنین، فتح مکہ، نزول
آیاتِ سورۃ برأت۔ ان تمام منزلوں سے نعمت ”کو ہٹا کر تو دیکھیے۔

بہر حال تاریخِ اسلام عجیب کٹھن منزلوں سے گزر رہی ہے۔ اور اگر یہ تاریخ
کم از کم دوسروں کے ہی سہارے لکھ دی جاتی، اور ”رومن امپائر کا عروج و
زوال“ لکھنے والے سے اگر دعوتِ ذوالعشرہ کو نقل کیا جاتا، تو شاید یہ
الفاظ اُن کو یاد رہتے کہ ”جب رسول نے پوچھا تھا کوئی ہے میری مدد کرنے والا؟“

”A profound silence fell upon the whole Assembly, until THE YOUNGEST of them all, "ALI" said in a forceful tone to PROPHET OF ALLAH, I... I will help you.“

ترجمہ انگریزی: ”پوری محفل و مجلس پر ایک گہری خاموشی طاری ہو گئی، تاہم
اُن سب (اہل مجلس) میں جو سب سے چھوٹا ”علی“ تھا
(اپنی) رُعب و جلال سے پُر آواز میں اللہ کے رسول سے
کہنے لگا، میں.... (اے اللہ کے رسول) میں آپ کی مدد
کے لیے حاضر ہوں۔“

مگر اس کا ترجمہ بھی پسند نہیں کیا گیا تاریخِ اسلام میں۔ اور آج تاریخِ اسلام
جس دھارے پر بہہ رہی ہے وہ آپ کی توجہ کی محتاج ہے۔
کل ”سینٹ جوزف“ (کالج کراچی) کی ایک لیکچر تاریخِ اسلام کا درس
دیتے ہوئے بی۔ اے (پارٹ ون) میں، اتنی جرات کے ساتھ یہ کہہ رہی تھی
کہ علیؑ کی کل اولاد صرف تین افراد پر مشتمل ہے۔ حسن، حسین، محمد حنفیہ۔
شیعہ لڑکیوں نے اعتراض کیا کہ آپ نے حضرت عباسؑ کا نام نہیں لیا اور
حضرت عباسؑ کے بھائیوں کا بھی نام نہیں لیا۔ کیا وہ اُن کی اولاد نہیں ہیں؟
پھر انھوں نے کہا کہ آپ غلط کہتی ہیں۔

لیکچرار نے جواب دیا کہ ہم کو تاریخِ اسلام پر زیادہ عبور ہے آپ نہیں سمجھتیں
تاریخِ اسلام کو۔

انھوں نے کہا کہ کربلا کے واقعے میں جناب عباسؑ تھے اور ان کے بھائی بھی تھے
لیکچرار نے کہا: کربلا کا واقعہ تاریخِ اسلام میں نہیں ہے۔

کیا یہ مقام احتجاج کا نہیں ہے؟ ظاہر ہے ہم نے احتجاج کیا اور
یقیناً وہ احتجاج کامیاب ہوگا۔ مگر بتلانا یہ ہے کہ اگر ہماری تاریخ پڑھاتے ہو تو
ہم سے پوچھ کر پڑھاؤ۔

اگر آپ نہیں سمجھتیں تاریخ کو، اور اگر آپ نے کسی سے نہیں سنا ہے تو

کے معاصر ہو جاتے ہیں۔ محدثین سب بعد میں آئے۔ محمد بن اسماعیل بخاری ۲۵۶ ہجری
مسلم بن حجاج ۲۶۱ ہجری۔ محدثین اور فقہاء سب بعد واقعہ کربلا۔

(اور واقعہ کربلا ۶۰ ہجری۔ ان سب محدثین کی پیدائش اور
واقعہ کربلا میں کتنا فرق ہے۔ آپ خود دیکھ لیں۔)

ایسی منزل پر اب دو طاقتیں ٹکرا رہی ہیں۔ اس میں سے جو طاقت دب جائے، جو
بھی طاقت ابھر جائے اُسی کا غلبہ رہے۔ ایسی منزل پر حسین نے سجدہ کر دکھایا اور
بتلا دیا کہ:

دُوب کر پار اُتر گیا اسلام، آپ کیا جانیں کربلا کیا ہے
حسین ابن علیؑ کے ایک سجدے نے وقت کی سیاست کو بدل دیا۔ حاکم کی
دولت کو جمود آیا۔ حسین کا خون سیال تھا۔ وہ موحیوں مارتا ہوا آگے بڑھا۔ کوفہ
کونے سے شام اور شام سے مدینہ۔۔۔۔۔

بہنوں کو ساتھ لائے، بہنیں اسیر ہوئیں، کوفہ و شام کے بازاروں میں
پھراتی گئیں، حسین نے سب کچھ گوارہ کیا۔۔۔ اس لیے کہ دنیا جان لے کہ ہم
مقابل پر ہیں۔

اور پھر اگر تاریخ اسلام میں کربلا نہ ہو تو پھر اب کوئی کربلا کا حوالہ نہ دے
جب تاریخ اسلام کا یہ جزو ہی نہیں۔ ظاہر ہے کہ تاریخ بادشاہوں کے چشم و ابرو
کی گردش پہ لکھی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ تاریخ کے لکھنے کے لیے حکومتِ وقت اپنے
آدمی کو مقرر کرتی ہے تاکہ اپنی مرضی کے مطابق تاریخ لکھی جائے۔

واقعہ کربلا میں حمید ابن مسلم جیسا تاریخ نویس موجود ہے۔ وہ قسم کھا کر
لکھتا ہے کہ صبح عاشور سے عَوْن و جُحْد کو میں نے دیکھا کہ خیمے سے نکلے، لاشیں
آئیں، مگر کوئی بی بی باہر نہیں آئی۔ حمید ابن مسلم لکھتا ہے کہ قائم آئے، جنگ کی

ظاہر ہے کہ اُس کو ہم سے پوچھ لو۔ اس لیے کہ ظاہر ہے کہ آپ نے تفریق کر دی۔

علیؑ اب آپ کے نہیں ہیں، علیؑ ہمارے ہیں۔ — صلوات —

دیکھیے! تاریخ اسلام اس طرح سے پڑھی جا رہی ہے، اس طرح سے لکھی
جا رہی ہے۔ مگر ایک اور بات ہے کہ اگر اسی تاریخ اسلام کو انھیں ملا کر اور
ماخذ کے ساتھ میں پڑھنا شروع کر دوں کہ اس تاریخ میں کیا کیا ہے، تو اتنے تاریک
پہلو نظر آئیں گے کہ دنیا کی آنکھیں کھل جائیں گی کہ کیا یہی اسلام ہے۔ اس لیے
کہ آپ نے "اسلام کی تاریخ" اور "مسلمانوں کی تاریخ" میں کوئی فرق نہیں
رکھا۔ آپ مسلمانوں کی تاریخ کو اسلام کی تاریخ کہہ رہے ہیں۔ اور پھر جہاں اسلام
کی تاریخ حقیقت میں ہے، وہاں آپ کہہ رہے ہیں کہ واقعہ کربلا — کو اسلام
کی تاریخ سے کیا تعلق؟۔۔۔ تو ظاہر ہے کہ کربلا کا اسلام کی تاریخ سے کوئی تعلق
نہیں ہے، تو اسلام کی تاریخ Minus (منفی)۔ (کربلا = کچھ نہیں)
کربلا کے بغیر کیا رہ جاتا ہے اسلام میں؟ اگر کربلا نہ ہو تو اسلام کیا ہے؟

اسلام کے دامن میں بس اس کے سوا کیا ہے
(اک ضربِ بید اللہی، اک سجدہ شیری) (اقبال)

دو ہستیاں ہیں۔ بہت غور سے سُنیے۔ ابھی ابھی میں نے شام کے
پانچ بجے ایک اہم تقریر کی ہے اور اُس کے جملے دہرا رہا ہوں۔۔۔۔۔
دو ہستیاں ہیں جو مقابل پر ہیں ایک ذاتِ حسینیؑ ہے۔ ایک شام
کا سردار ہے۔ اس وقت امام اعظمؒ پیدا نہیں ہوئے ہیں وہ اُسی ہجری میں
پیدا ہوں گے۔ امام مالکؒ پیدا نہیں ہوئے، وہ ۹۰ ہجری میں پیدا ہوں گے
امام شافعیؒ پیدا نہیں ہوئے، وہ ایک سو پچاس ۱۵۰ ہجری میں پیدا ہوں گے۔ اسی
طرح امام احمد بن حنبلؒ یہ تو سب سے آخر میں ہیں اور امام حسن عسکری علیہ السلام

لاش آئی، کسی خیمے کا پردہ نہیں اُٹھا۔ علی اکبر کی لاش آئی، خیمے سے ایک بی بی نکلی مگر حسین نے واپس کر دیا۔

مگر حمید ابن مسلم قسم کھا کر کہتا ہے کہ جب عباسؑ کی سواری کا وقت قریب آیا تو ایک مرتبہ سارے غیموں کے پردے اٹھ گئے اور ہر طرف سے آواز آئی عباسؑ

.... عباسؑ۔

بہر حال یہ آپ کا تاریخ نویس ہے اور اس تاریخ نویس کے بعد مروان بن حکم کی تاریخ ہے کہ میں نے ناموس علیؑ اور مادر ابوالفضلؑ کو جنت البقیع میں روتے ہوئے دیکھا ہے۔ یہ کہہ کے روتی تھیں ”عباسؑ! اگر تیرے ہاتھ نہ کاٹے جاتے تو میرا حسینؑ قتل نہ ہوتا۔“

یہی وہ عباسؑ ہیں کہ قرآن مجید نے ارشاد فرمایا:

” أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ
يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ أَذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَإِنَّمَا لَا
تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي
الصُّدُورِ • “ (سورة حج آیت ۴۶)

”کیا وہ زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھتے تاکہ اُن کے دل ایسے ہو جاتے جن سے وہ سمجھ سکتے اور کان ایسے ہو جاتے جن سے وہ سُن سکتے پس بیشک آنکھیں ہی اندھی نہیں ہو جاتیں، بلکہ دل جو سینوں کے اندر ہیں وہ اندھے ہو جاتے ہیں۔“

اگر باتیں سمجھیں نہیں آتیں تو زمین میں سیر کرو، آثار کو دیکھو، نشانیوں کو دیکھو
آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، سینوں میں دل اندھے ہو جاتے ہیں۔۔۔۔۔

چیلو کر بلا چیلو، دیکھو! حبیب کہاں ہے، عباس کہاں ہیں، اُس

منزل کو دیکھو، جاننے کی کوشش کرو، اور اگر نہیں، تو تقدیر میں سے پوچھو علی کی اولاد کتنی ہے۔ اور پھر۔ علماء سے پوچھو کہ حضرت علیؑ کی نسل حضرت عباسؑ سے کیسی پھیلی ہے۔ اُن کی نسل میں وفا آئی ہے۔

بعد واقعہ کر بلا، حضرت امام زین العابدین علیہ السلام بیٹھے ہوئے تھے، سارے فقہاء و محدثین موجود تھے، آپ حدیث بیان فرما رہے تھے کہ ایک نو عمر بچہ آیا، امام تعظیم کو کھڑے ہو گئے۔ لوگوں نے ہاتھ جوڑ کر کہا: فرزندِ رسول آپ اور اس بچے کی تعظیم —؟ فرمایا: یہ چچا عباس کا بیٹا ہے — تم کیا جانو عباس کو۔

امام صادق علیہ السلام سے کسی نے پوچھا: فرزندِ رسول! منزلتِ عباس کیا ہے؟

فرمایا: منزلاتِ عباسؑ یہ ہے کہ جب عرصہ محشر گرم ہوگا اور ختمی مرتبتؑ
بے چین ہو کر کرسی سے بلند ہو کر ایک طرف دیکھتے ہوں گے تو پوچھنے والے پوچھتے
ہوں گے: اللہ کے رسولؐ! کس کو دیکھ رہے ہیں؟
اسی یہ فرماتے ہوں گے، میری بیٹی زہراؑ انہیں آئی۔

عرض کیا جائے گا سواری آرہی ہے — تو استقبال کے لیے رسول ص
تشریف لیجائیں گے اور پردہ محل کو الٹ کر لوچھیں گے: زہرا: جلال کو چھوڑ دو،
بتاؤ امت کی شفاعت کا سامان کیا ہے؟ تو اک مرتبہ آغوش سے دو کٹے ہوئے ہاتھ
نکالیں گی — ”اور امام کے الفاظ یہ ہیں کہ ہماری جدہ فرمائیں گی:

”كُفِّ اِنَّ الشَّفَاعَةَ يَدَانِ مَقْطُوعَتَانِ لَوْلَدَيِ الْعَبَّاسِ“
 بابا! ”شفاعت کے لیے کافی ہیں میرے بیٹے عباس کے دو کٹے ہوئے ہاتھ“
 (آگاہ ہو جاؤ کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے)

مجلسِ چہارم

- ۱- انسان کا رُخِ حیاتِ نعمت یا نعت کی طرف لیجاتا ہے۔
- ۲- انسان کا انجام غلط تو سب کچھ غلط۔
- ۳- میراثیں مابعد الطبعیات کی منزل پر ہیں۔
- ۴- غفلت میں زوالِ نعمت ہے۔
- ۵- قرآن نے سائنسی ترقیوں سے منع نہیں کیا ہے۔
- ۶- کفرانِ نعمت کی وجہ سے بڑے بڑے تمدن فنا کر دیے گئے۔
- سورۃ فجر کی تلاوت۔
- ۷- صاحبانِ ایمان کا مولا اللہ ہے۔ کافروں کے پاس مولا نہیں ہے۔
- ۸- مولا کے معنی مرد کرنے والا۔ مولا نعمت ہے۔
- ۹- غالب کی حق شناسی۔
- ۱۰- ولی کی تعریف، مومن کا ولی مولا ہے۔ کافر کے ولی طاغوت ہیں۔
- ۱۱- ذکرِ نعمت حکمِ باری ہے۔
- ۱۲- دربارِ یزید میں حضرت سیدنا ساجدین علیہ السلام کا خطبہ۔

عطا ہے۔ ہمیشہ اس امر کا خیال رکھنا چاہیے کہ اگر ہمارا آغاز صحیح ہے اور ہماری حیات کا رخ مرضی مولا کی طرف ہے تو پھر ہمارا ہر عمل نیکی ہے اور اگر رخِ حیات بدل گیا تو ہمارا ہر عمل بظاہر کتنا ہی نیک کیوں نہ ہو بدی پر مشتمل ہے۔ اگرچہ وہ مسجد کی تعمیر کیوں نہ ہو۔ مگر رخِ حیات بدل گیا، مسجد ضرار بنی۔ حکم ہوا توڑ دو، اس لیے کہ تم ہم سے بگڑ کر بنا رہے ہو، ہم کو پسند نہیں۔ اس مسجد میں کبھی کھڑے مت ہونا:

”لَا تَقُمْ فِيهَا أَبَدًا“۔۔۔۔۔ اللہ کا گھر بن رہا ہے۔ گھر اللہ کا ہے مگر چونکہ نیت دوسری طرف جا رہی ہے۔ رخِ حیات دوسری طرف ہے۔ اس لیے وہی نیکی، عین بدی ہے۔ اس لیے یہ سوچنا چاہیے کہ رخِ حیات کے اس طرح سے معبود کی طرف متوجہ رہنے پر انسان کبھی کبھی بُرائی کی راہ سے ہٹ کر نیکی کی طرف آجاتا ہے۔ چنانچہ قرآن نے فرمایا:

”إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ“ (سورہ ہود آیت ۱۱۳)
”بیشک نیکیاں، برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں۔“

اور کبھی کبھی یہی رخِ حیات اگر معبود کی طرف نہ ہو تو ساری زندگی مادہ اور مادیت کی نذر ہو کر ناکامی کا سبب بنتی ہے اور تقصوتوں میں انسان مبتلا ہوتا ہے۔
عموماً میرا نیس کے کلام میں فلسفہ تو نہیں ہے، مگر کبھی کبھی وہ کسی مقام پر فکر کی اُس منزل پر پہنچ جاتے ہیں کہ جس کو ہم کہتے ہیں یہ مابعد الطبیعیاتی کیفیت ہے۔
— ماورائے طبیعات ہے۔

اور اُن کی عادت ہے وہ شعر ہی کے دوران کبھی کبھی سوال کرتے ہیں، اور ہمیشہ یاد رکھیے کہ شاعر جس کی منزل پر کوئی سوال کرے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ایک پختہ عزم کے ساتھ اپنے سننے والوں کی توجہ کسی خاص امر کی جانب منعکس کر رہا ہے اور ایک خاص جواب چاہتا ہے۔ ایک مشہور سلام ہے:

۱۔ سورہ توبہ آیت ۱۰۸

چوتھی مجلس کفرانِ نعمت

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ •
”الْمُتَوَلَّى الَّذِينَ بَدَلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا وَ
أَحْلَوْا قُلُوبَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ •“ (سورہ ابراہیم آیت ۲۸)
”کیا تو نے اُن لوگوں کے بارے میں غور نہیں کیا، جنہوں نے اللہ کی
نعمت کو ناشکر گزاری سے (کفران سے) بدل دیا، اور اپنی قوم کو
تباہی کے گھر میں جھونک دیا۔“

”کفرانِ نعمت“ کے عنوان سے آپ چوتھی تقریر سماعت فرما رہے ہیں اور آپ کے حُسنِ سماعت کا میں تیر دل سے شکر گزار ہوں۔ اس تقریر میں ہم کو اپنی گذشتہ تقریر سے گفتگو کو مسلسل بھی کرنا ہے اور کچھ آگے بڑھنا بھی مقصود ہے۔
کل یہ عرض کیا جا چکا تھا کہ ہر وہ نفس جو عبد کو معبود سے قریب تر کر دے وہ نعمت ہے۔ اور وہی نفس اگر کسی بندے کو اپنے خدا سے دور تر کر دے وہی نقت ہے اور اُس کا حساب لیا جائے گا اور وہ موقفِ عتاب میں آئے گا اور وہ قابلِ سزا ہوگا۔
اس طرح سے جو بھی دین، جو بھی عطا ہے، جو بھی اُس کا فضل و جود و عطا اور کرم و احسان ہے، وہ سب منحصر ہے اس امر پر کہ اُس کو انسان صرف کس طرح سے کرتا ہے۔ اگر صرف غلط ہے تو ظاہر ہے کہ سزا ہے اور اگر صرف صحیح ہے تو وہ

سانس لیتا ہے اُس کو اس کی خبر نہیں ہے کہ عمر کٹ رہی ہے، اُس نے سانس کھینچی اور ایک گھڑی گزری، مگر انسان محزون و غمزدہ نہیں ہے۔ اگر ایسی ہی رفتار سے دولت جاتی تو محزون ہو جاتا۔ مگر اتنا بڑا سرمایہ صرف سو رہا ہے محزون نہیں، دوسری چیز یہ کہ دیکھ رہا ہے وہ کہ عمر کٹ رہی ہے مگر اُس کو اس امر کا احساس بھی نہیں ہے کہ یہ عمر جو صرف سو رہی ہے، یہیں کسی خاص مقصد کے لیے بسر کر رہا ہوں یا میرا کوئی مقصد ہی نہیں ہے۔ اگر مقصد ہے تو واضح کرے، کہ مقصد کیا ہے، اگر بے مقصد جی رہا ہے تو پھر بھی پریشانی ہے۔ تیسرے یہ کہ جو سانس کھینچ گئی، اگر نعمت کا صرف صحیح ہے تو حساب ہے اور اگر غلط ہے تو عقاب ہے۔ (امام فرماتے ہیں)

چوتھی منزل یہ کہ جلدی جلدی سانس کو کھینچ رہا ہے، جلدی جلدی حیات کے رشتے کو قطع کر رہا ہے، نفس پہ نفس کھینچ رہا ہے جلدی جلدی حیات کے رشتے کو قطع کر رہا ہے، مگر پتہ نہیں ہے کہ جائے گاہِ جنت میں یا جہنم میں، اس کو خبر نہیں کہ انجام کیا ہے۔“ — صلوات —

ان حالتوں سے جب انسان گزرے اور پھر بھی اپنے آپ کو مرضی معبود سے غافل رکھے اور محزون نہ کرے کہ نعمتوں کی ناقدری ہوئی۔ قرآن نے فرمایا:

”الْمُتَوَكِّلِينَ بَدَلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا وَ
اَحْتَوُوا قُلُوبَهُمْ دَارَ الْبُؤْسِ“ (سورہ ابراہیم آیت ۲۸)

”کیا نہیں دیکھا تو نے اُن لوگوں کو جنہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل دیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر (جہنم) میں پہنچا دیا۔“

ناقدری نعمت، زوالِ نعمت۔ ظاہر ہے اس کے بعد انسان کفِ افسوس ملے یا شکوہ کرے فلک سے۔ جو کچھ بھی ہو۔ مگر یہ ناقدری نعمت

گذر گئے تھے کئی دن گھر میں آپ نہ تھا، مگر حسیں سے صابر کو اضطراب نہ تھا اس منزل پر میرا تیس نے ایک سوال کیا ہے اور وہ سوال یاد رکھنے کے قابل ہے حضور شاہ میں آیا ہے پھر کہ صبر سے خُڑ رہ خطا میں اگر جادۂ صواب نہ تھا آغاز تو یہی تھا کہ روکے حسیں کو — مگر ایک مرتبہ رُخِ حیاتِ اُلس کا حق کیون متوجہ ہو گیا، اور اس طرح اُس کو رہ خطا میں جادۂ صواب ملا۔

لہذا کسی کو رہ خطا پر دیکھ کر دوسرے انسان کو مایوس نہ ہونا چاہیے، جب تک کہ انجامِ غلط نہ ہو۔ اگر انجامِ غلط ہو گیا تو پھر سب کچھ غلط ہے، اس لیے کہ ممکن ہے خجالت و شرمندگی اور طلبِ مغفرت کے بعد ایسی راہ نکل آئے کہ توبہ اُس کی قبول ہو، اور وہ جادۂ صواب پر آجائے۔

اس طرح سے وہی نعمت جو حق کی عطا ہے صرف غلطی کے ساتھ نعمت بنے اور اگر عبادت کی تندر ہو جائے تو پھر اُس کا کیا کہنا۔

ظاہر ہے کہ نعمت کے مارج ہیں۔ اب جو جس کو نعمت سمجھ رہے ہیں آپ یہ طے کر لیں کہ نعمت کا تصور آپ کے پاس کیا ہے۔ جیسے جیسے آپ اپنی زندگی کی گہرائی پر نظر ڈالیں گے، آپ کو پتہ چلے گا کہ ہر آن اک نعمت کا نزول ہے جہاں غفلت میں زوالِ نعمت ہے۔ آپ غافل ہو گئے، زوالِ نعمت ہے۔ چلتی ہوئی ہوا، فضا، آپ کا تنفس، یہ کیسے جس کو آپ قبول کر رہے ہیں۔ یہ آپ کے لیے اساسِ حیات، یہ آپ کی زندگی کے سرمائے، یہ سب تو نعمتیں ہیں نا؟

آج رات آپ جن کی یاد منائیں گے اور کل بھی جن کا ذکر ہو گا، ظاہر ہے کہ اُس امامِ مظلوم یعنی حضرت سیدنا صاحبِ علیہ السلام نے یہ عجیب ارشاد قلمبند کیا ہے اپنے مکاتیب میں: ارشاد فرمایا:

”انسان عجیب حالتوں سے گزرتا ہے، ایک تو یہ کہ جیسے جیسے وہ

”وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسِبُهَا جِبَالًا وَهِيَ كَالْعِهْنِ مَنجُورَةٍ

الشَّكَابِ ۝“ (سورۃ نمل آیت ۸۸)

”اور تو پہاڑوں کو بے حرکت دیکھ گی گمان کرتا ہے حالانکہ وہ بادل

کی چال (کی طرت) چل رہے ہیں۔“

”اس طرح یہ پہاڑ چلتے ہیں جی طرح بادل حرکت کرتے ہیں۔“ تم چاہو تو ان ساری

چیزوں پر غور کرو۔ یہی قرآن تمہارے لیے محرمات کا باعث بن رہا ہے۔

بہارِ قرآن لالہ ہاتھ صحرائی ۛ شباب وستی وکیت و سرور و رعنائی

اندر ہی رات میں یہ جگلیں ساڑوں کی ۛ یہ بحرِ یہ فلکِ نیلگوں کی پریشانی

سفرِ اونچے قمر کا ۛ عمارتِ شب میں ۛ طلوعِ مہر و ثبوتِ سپہرِ مینائی

نگاہِ پرتو بہائے نظارہ کچھ بھی نہیں ۛ کر بیچتی نہیں قدرتِ جمال و زیبائی

قدرت اپنا جمال نہیں بچتی، قدرت اپنی زیبائی نہیں بچتی، دعوتِ عالم،

آؤ غور کرو، اپنی اپنی درگاہوں کو قرآنی محرمات کی اعلیٰ تحریک سے آراستہ کرو۔

پھر اس کے بعد دیکھو کہ کس طرح انسان نعمتوں کا احسان کرتا ہے۔ کیا کیا نعمتیں تم کو

حاصل ہیں، خدا ایسے کے عطا مہراؤں برس کے مسلسل معیاد کا سہیل ازم (نور) (

اور تجربہ) میں آ جانا، یہ قرآن میں موجود ہے، ضرورت ہے کہ کوئی غور کرے، فکر کرے

اُس علاقیہ اور رمزیت کو دیکھے، مگر سوا کیا، ہوا کچھ کہ تم نے دنیا کی ترقیوں

کو دیکھ کر اور دنیا کی دہریت کے زیر اثر اپنے آپ کو پا کر دنیا خدا خدا سہی سے

گھس کر دنیا کے خدا پر ہزار انسانوں سے ڈر کر سم نے اپنے مرکز کو بدل دیا، جہاں

مرکز بدلتا ہے، قول بدلتا ہے۔ جہاں قول بدلتا ہے، قرار پاتی نہیں رہتا۔ وہاں

نعمتیں بدل جاتی ہیں، جہاں نعمتیں بدل جاتی ہیں وہاں پوری قوم کی قوم غمزدار

میں جلاہٹ بچتی ہے، ہر انسان پریشان ہو جاتا ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے :

اور انشاائی نعمت کی وجہ سے نزول آیا اور نقصان ہوا۔۔۔ لیکن ہم جس

بحث میں لکھ رہے تھے وہ یہ تھی کہ اب ناقدری نعمت اس وجہ سے ہے کہ ہم

مادیت میں الجھ گئے ہیں، ہم نے یہ دیکھا کہ دنیا اس طرح سے ترقی کر رہی ہے اس

طرح سے آگے بڑھ رہی ہے۔۔۔ یہ خبر ساری کے طریقے، یہ وسائل اور معرفت

یہ مکان کا کھینچ کے مختصر ہو جانا، یہ زمان و مکان کی نسبتوں کا پیوستہ نظر آنا،

یہ ساری کائنات کی چھان بین، یہ نوجوان و ماخوں کو پریشان کر رہی ہے کہ انہیں سب

کا کیا تصور ہے ؟

اور یہ وہ منزل ہے کہ جہاں ہم اللہ کی دی ہوئی نعمتوں سے کفران کے عاری

ہو چکے ہیں۔۔۔ فقط اس لیے کہ صحتیں بگڑ گئیں، فقط اس لیے کہ معاشرہ بگڑ

گیا، فقط اس لیے کہ تجارتی منطقیوں نے فکر انسان کو خیرِ ناشروع کر دیا۔۔۔

بار بار ان مجید نے کہا، ہم تمہاری ترقی میں حائل نہیں ہیں، تمہی اگر غور کرو تو سب

کو سمجھو، ٹیلی ویژن تک پہنچ جاؤ۔

”اَلْكَرْسِيُّ اِنِّیْ رَیْتُكَ كَیْفَ مَدَّ الْظِلَّ“ (سورہ فرقان آیت ۴۴)

”کیا تو اپنے رب کی قدرت (کی طرت غور نہیں کرتا کہ وہ

کس طرح سائے کو پھیلاتا ہے ؟“

تم اگر چاہو تو پہنچ جاؤ

”اِنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رُفُفًا فَفَعَلْنٰھُمَا“ (انبیاء ۲۲)

بیشک یہ احسان اور زینہ و فنون بہتہ دانی میں ملے ہوئے

تھے۔ پس ہم نے ان دونوں کو پھاڑ دیا۔ دھج کر دیا۔

تم چاہو تو دیکھو، جب اس طرح سے پہاڑ حرکت کرتے ہیں، صدیوں میں پہاڑ اپنی

جھوڑ دیتا ہے۔ بادل کی طرح سے چلتے ہیں یہ پہاڑ، قرآن میں ارشاد ہوا:

”وَتَسْمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۖ“

”اور قوم (قوم) ثمود جو وادی میں چٹانوں کو تراش (کر رہتے) تھے۔“

اور قوم ثمود کو دیکھو اور اُس کے تمدن کو دیکھو، پہاڑوں کو کاٹ کر تراش کر

اپنے لیے مکان بناتے تھے، اپنی حفاظت کرتے تھے ہم نے اُن کو بھی تباہ کر دیا

”وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ۖ الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۖ“

”اور میخوں والے فرعون (کیا تھ کیا کیا) یہ لوگ وہ تھے جنھوں نے ملکوں میں سرکشی کی“

وہ فرعون جو مضبوطی کے ساتھ حکومت کیے جا رہا تھا، وہ فراعنہ مصر جنکی حکومت

استحکام کے ساتھ آگے بڑھ رہی تھی مگر جب وہ باغی ہوئے،

”فَاكْثُرُوا فِيهَا الْفُسَادَ ۖ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ

”اور اُن میں گتے بہت سوں نے فساد برپا کیا۔ پس تیرے رب نے اُن پر کڑا

عَذَابٌ ۖ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمُرْصَادِ ۖ“

لگایا، تازیانہ لگایا عذاب کا۔ بیشک تیرا رب (ہمیشہ) کہیں گاہ (لگات) میں ہے۔“

اب نعمت کا تصور دیکھیے ! یہ سورہ فجر ہے۔

”فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَاَكْرَمَهٗ“

”پس جب انسان کو اُس کا رب عزت اور نعمت سے نواز کر آزماتا ہے

”وَنَعَّمَهٗ ۖ فَيَقُولُ رَبِّيٓ اَكْرَمَنِي ۖ“

تو وہ کہتا ہے۔ کہ میرے رب نے مجھے عزت دی۔“

اور انسان کی یہ فطرت ہے کہ جب اُس کا امتحان اللہ لیتا ہے تو اُس پر کرم پرکرم

کرتا ہے اور نعمتوں پر نعمتیں نازل کرتا ہے تو اُس وقت یہ انسان اگر ٹکر کہتا ہے

یہ میرا ہی توحی تھا، میری صلاحیت یہ کہہ رہی تھی کہ یہ مجھے ملنا چاہیے۔ اور

”وَاَمَّا اِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۖ“

اور جب وہ اُس کے رزق میں تنگی کر کے اُسے آزماتا ہے

”فَيَقُولُ رَبِّيٓ اَهَانَنِ ۖ ۭ كَلَّا بَلْ لَا تُكْرِمُونَ الْيَتِيْمَ ۖ“

”تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے میری توہین کی۔ ایسا نہیں، بلکہ تم یتیم کی عزت

نہیں کرتے۔“ تمہیں اپنی اہانت یاد رہی، ارے یتیموں کی خاطر داری تم بھول گئے

کبھی اُن کی بھوک کی طرف توجہ دی۔

”وَلَا تَحْضُونَّ عَلٰی طَعَامِ الْمُسْكِيْنِ ۖ“

”اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتے۔“ تمھارے اعمال کی بناء

پر اگر تمھارے رزق کو تنگ کر دیا تو کہتے ہو انسان کی توہین ہوگئی، ارے کبھی تم

نے مسکین کو کھانا کھلایا، وہ بھی تو بھوکے تھے۔

”وَتَأْكُلُوْنَ التَّوٰثَ اَكْلًا لَّمًّا ۖ“

”اور تم میراث کے مال کو ہڑپ کر جاتے ہو۔“ کبھی غور کیا ؟

”وَتَحْتَبِئُوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۖ“

”اور تم مال کی محبت میں بُری طرح گرفتار ہو۔“ اسے بہت عزیز رکھتے ہو

اب انجام بھی سنو، جانتے ہو (کیا ہوگا)۔ ارشاد ہوتا ہے۔

”كَذٰلِكَ اِذَا دَخَلْتَ الْاَرْضَ دَخَلْتَ اَرْضًا مَّا ۖ“

”نہیں، (یاد رکھو کہ) جب زمین کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دی جائے گی

”وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۖ“

”اور تیرے پروردگار (کا حکم) اور فرشتے صف بہ صف آکر (کھڑے) ہوں گے“

”وَجِئْنَا يَوْمَئِذٍ بِجَلَدٍ ۖ يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُوْا

”اور جس دن جہنم کو لا حاضر کیا جائے گا، اُس دن نصیحت حاصل کریگا

قرار اُسی وقت ملے گا جب آپ نفس مطمئنہ کی طرف رجوع ہو جائیں، کم از کم اس مرکز سے اطمینان کی بھینک تو مانگیں — یہ آپ نے پورا سورہ فجر کو سنا۔ نعمت ہی کے سلسلے میں یہ پورا سورہ ہے اور ظاہر ہے کہ اگر ہم ان تقریروں میں یہ تذکرہ کر رہے ہیں کہ کوئی مرکز ہے، جس سے وابستگی ہم کو قول ثابت دے گی، ہمارے قدموں کو ڈرگئے نہ دے گی ہمارے قدم اور ہمارے مستحکم رکھے گی تو وہ بھی ایک نعمت ہے۔ اس کا وجود بھی ایک نعمت ہے۔ ایسے مرکز کا وجود نعمت ہے اگر وہ دل میں رہے تو نعمت ہے، اگر وہ شعور میں رہے تو نعمت ہے، اگر وہ دماغ میں رہے تو نعمت ہے، اگر وہ فکر میں رہے تو نعمت ہے اس لیے کہ یہ باطنی نعمتیں ہیں اور یہ ہے سورہ لقمان، قرآن کا اکتیسواں سورہ (آیت ۱۶)

”اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَیْكُمْ نِعْمَهُ ظَٰهِرَةً وَبَاطِنَةً“

”کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور تم پر ظاہری اور باطنی نعمتیں بھی فراوانی سے نازل فرمائیں۔“

”اَسْبَغَ عَلَیْكُمْ نِعْمَهُ ظَٰهِرَةً وَبَاطِنَةً“

”بہت سی نعمتیں ظاہری و علانیہ دیں اور بہت سی نعمتیں چھپا کر دیں“

جو باطن کی نعمت ہے وہ اس لیے عطا کی کہ جو ظاہری نعمتیں ہیں وہ باطن کی پابند ہو جائیں۔ اس لیے نعمت باطن دل کا کسی طرف راغب ہو جانا ہے، نعمت باطن دل کی یکسوئی ہے۔ نعمت باطن دل کا ایک ایسا مرکز پر پہنچنا ہے کہ جہاں پر قرار ہو جہاں ثبات ہو اور ایسی منزل پر اگر کوئی مل جائے جہاں دل یہ کہے کہ ہم اپنے سب کام تمہارے حوالے کرتے ہیں۔ نہیں یہ تسلیم (مسقط کرنا) نہیں، بلکہ یہ سہارا

الْاِنْسَانُ وَاَقْبَلُ لَهٗ الذِّكْرُ

”انسان، مگر اب اُس کے لیے نصیحت کس کام کی۔“

”يَقُولُ يَلَيْتَنِي قَدْ مِتُّ لِحَيَاتِي“

”وہ کہے گا، ہائے افسوس، کاش میں نے اپنی اس زندگی کے لیے کچھ پہلے ہی سے بھیجا ہوتا۔“ حیات تو یہ ہے، حیات تو حیاتِ آخرت ہے مگر اب وقت گزر چکا تھا۔

”فَيَوْمَئِذٍ لَا يُعَذِّبُ عَذَابَ اَحَدٌ“

”اُس دن اس کا ایسا (سخت) عذاب ہوگا، جیسا کسی ایک کو بھی نہ دیا گیا ہوگا۔“ لیکن کسی احسان فراموش پر نہیں کیا جائیگا، کسی نعمت کش پر نہیں کیا جائیگا جو اس انسان پر کیا جائے گا۔

”وَلَا يُوثِقُ وَثَاقَهُ اَحَدٌ“

اور نہ ہی کوئی اُس کے جکڑنے کی طرح جکڑے گا۔ کہ ہماری اتنی عنایتوں کے باوجود ہم کو جھلانے کی کوشش کی تھیں، جھلانے والو تم جھلاؤ، مگر تم تمہاری زندگیوں کے لیے پھر بھی ایک نعمت دے رہے ہیں۔

”يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ“

”اے نفسِ مطمئنہ!“ — یہ پوری نوعِ انسان ہے

اور ایک نفسِ مطمئنہ ہے۔ ”اے صاحبِ نفسِ مطمئنہ!“

”اَرْجِعِيْ اِلٰی رَبِّكَ رَاضِيَةً مَُّرْضِيَةً“

”اپنے رب کی طرف رجعت (واپسی) کر۔ ایسی حالت میں کہ تو خوش

اور پسندیدہ ہے۔“

”فَاَدْخِلِيْ فِیْ عِبَادِيْ“

”پس میرے بندوں میں داخل ہو جا۔ اور (پھر) میری جنت میں داخل ہو جا۔“

دیکھیے! یہ عجیب منزل ہے۔ اچھا مولا، اچھا مدد کرنے والا۔ مولا کا مطلب ہی یہ ہے کہ مدد کرے، اس لیے مولا تیت نعمت ہے۔ اور اب جس دن مولا کا اعلان ہوگا، اُسی دن نعمت مکمل ہو جائے گی۔ مولا بحکم خدا ہے، مولا بحکم باری ہے، مولا بحکم وحی ہے، مولا بحکم خالق ہے، مرضی انسان نہیں ہے بھائی کی مرضی نہیں ہے کہ بھائی کو مولا بنادے۔ وحی ربانی ہے۔!۔۔۔۔۔

اس حجت کے بعد کہ خدا تجھے بچائے گا لوگوں سے
 ”وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ط“ (سورۃ مائدہ آیت ۱)
 (اور اللہ تجھے بچائے گا لوگوں سے)

کہہ دے۔ اللہ بچائے گا لوگوں سے جو کہنا ہے کہہ دے، ایسا نہ ہو کہ رسالت میں خلل آئے، ایسا نہ ہو کہ پیغام غیر مربوط ہو جائے، اس لیے اعلان کر دو۔ اس مقام پر مولا بنایا حکم باری سے۔۔۔۔۔ اور اگر ہم نے مولا کو آواز دی تو ظاہر ہے ہم نے اپنے قول و قرار و سکونِ ثبات کو اور زیادہ مستحکم کیا یہ کہہ کہ ایک انسان ہے، ایک بندہ ہے جس سے انس ممکن ہے۔ ذات واجب نہ دکھائی دے، نہ سوچائی دے، نہ سمجھ میں آئے، نہ حواس میں آئے، نہ عقل میں سما سکے۔ ایسے میں ربطِ عبد و معبود ناممکن ہے، اس لیے کوئی سامنے ہو۔ غالب نے کہا:

یارب زِ یا علیٰ ناشناسم قلندرم

اک مئے آیینہ و ساغر برابرم

”میں یارب کہوں، یا علی کہوں پہچان نہیں سکتا، میں تو قلندر ہوں۔

ایک ہی مے ہے وہ کسی جام سے ملے۔ میرے نزدیک برابر ہے۔

حکمِ معبود ہے کہ مولا بناؤ، اب ان کو پکارو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ

لَا یَاۤئِیْہَا الرَّسُوْلُ یُبْلِغُ مِنَ النَّاسِ الْکَافِرِیْنَ

عجیب بات ہے اس جملے پر رکتے ہوئے اور بہت ہی سوچتے ہوئے ادا کرنا پڑتا ہے کہ بعد میں آنے والے جملے پر نشان کیے جا رہے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے بڑا سہارا وہ مرکز ہوتا ہے جو دل پر، جان پر، روح پر، فکر پر، شعور پر، ظاہر پر، باطن پر تصرف رکھتا ہو۔ یعنی ”اُولٰٓئِیْ بِالْتَّصَرُّفِ“ ہو اور جو اُولٰٓئِیْ بِالْتَّصَرُّفِ ہوتا ہے، وہ مولا ہوتا ہے، اور جو مولا ہوتا ہے وہ صاحبانِ ایمان کا مولا ہوتا ہے ”ذٰلِکَ یَاۤئِیْ اللّٰہُ مَوْلٰی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا“ (سورۃ محمد ۱۱)

”یہ اس لیے کہ صاحبانِ ایمان کا مولا اللہ ہے“
 ”وَ اَنَّ الْکَافِرِیْنَ لَا مَوْلٰی لَہُمْ“ (سورۃ محمد آیت ۱۱)
 ”اور کافروں کا مولا نہیں ہے“

نعرۂ حیدری نعرۂ حیدری

یہ قرآن ہے۔ کافروں کے لیے مولا نہیں ہے۔ کوئی تفسیر کرنے والا تفسیر کر کے تو بتادے، کافریں کے لیے کوئی ”اُولٰٓئِیْ بِالْتَّصَرُّفِ“ ہی نہیں ہے۔ کافر اپنے آپ کو کسی کے حوالے ہی نہیں کرتا۔ یہ تسلیم نہیں ہے۔ وہ بیقرار ہے کبھی ادھر ہے، کبھی اُدھر ہے۔ صاحبانِ ایمان قولِ ثابت کے ساتھ ایک مقام پر ہیں۔ اور وہ آواز دے رہے ہیں۔ ”نویں پارے کی آخری آیت“

”وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ مَوْلٰی کُمْ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَ نِعْمَ النَّصِیْرُ“ (سورۃ انفال آیت ۴۰)

(دیکھیے! یہ عجیب منزل ہے۔ اچھا مولا۔ اچھا مدد کرنے والا۔)

ترجمہ آیت: ”اور اگر وہ اپنی روش پر پلٹ جائیں تو جان لو کہ اللہ تمہارا

مولا ہے اور وہ کتنا اچھا مولا اور کتنا عمدہ نصرت کرے گا۔“

سورۃ حج کی آخری آیت بھی انہیں لفظوں پر ختم ہوتی ہے (نعم النصیر)

” اور کافروں کے اولیاء طاعت (شیطان) ہیں جو انھیں روشنی

سے اندھیرے کی طرف کھینچ رہے ہیں۔“

دیکھا آپ نے یہ کشمکش حیات جاری ہے۔ اللہ ولی، رسول ولی، اگر اللہ کھینچتا ہے اندھیرے سے نور کی طرف، تو رسول بھی کھینچتے ہیں اندھیرے سے نور کی طرف۔

” اِنَّمَا وَلِيَّكُمْ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُوْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ“

(سورہ مائدہ آیت ۵۵)

” بیشک تمھارے ولی اللہ اور اس کا رسول اور وہ صاحبانِ ایمان

ہیں، جو کہ نماز قائم کرتے ہیں اور رکوع میں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔“

اور وہ صاحبانِ ایمان بھی ولی ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالتِ رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔“

اس منزل پر واضح کر دیا کہ ولایت یہ ہے۔ ولایت کا کام ہے ظلمات

نور کی طرف لانا۔۔۔۔۔ اللہ ولی، رسول ولی، صاحبانِ ایمان ولی۔

ولی کی تعریف یہ ہے کہ وہ ظلماتوں سے کھینچے اور نور کی طرف لائے۔ اور اب

کوئی نور کی طرف لائے اور ہم اُسے آواز دی تو صاحبانِ ایمان کو پکار رہے ہیں

اور گویا رسول کو پکار رہے ہیں اور اگر رسول کو پکار رہے ہیں تو اللہ کو پکار رہے

ہیں۔۔۔۔۔ ولایت کی تعریف، جہاں ثباتِ قول ہے، ثباتِ قدم ہے،

شجرہ طیبہ ہے۔۔۔۔۔ یہ گفتگو تھی کہ حکمِ معبود یہی ہے۔ (سورہ الفضل)

” وَالضُّحٰی ۝ وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی ۝ مَا وَدَّعَكَ

رَبُّكَ وَمَا قَلٰی ۝“ (سورہ الفضل آیت ۱-۲-۳)

(تیسواں پارہ - ۹۳ وال سورہ)

اُسی کو پکار رہے ہیں نا:

فرمانِ سرفرازیِ مشیتِ غبارِ خشت

ازشہ سوارِ دوشِ پیمبرِ برابرم

مٹھی بھر مٹی کی سرفرازی کا فرمان۔ ہم تجھ میں اور پیغمبر میں فرق

نہیں کرتے۔ وہ بھی ولی تو بھی ولی، دونوں کو میں برابر سمجھتا ہوں

در دل بہ جستجو ہمہ این در برابرم

در لب بہ گفتگو ہمہ حیدر برابرم

”

بہر حال مولا مکر ہے، اولیٰ بالتقرّف ہے، اللہ ولی ہے، رسول ولی

ہیں، اور وہ صاحبانِ ایمان ولی ہیں جو نماز کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے

ہیں حالتِ رکوع میں۔ ولی کی تعریف کیا ہے، مولا کی تعریف کیا ہے؟

(آیت الکرسی کا آخری حصہ)

” اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ

اِلَی السُّوْرِۃُ“ (سورہ بقرہ آیت ۲۵۷)

” اللہ ولی ہے صاحبانِ ایمان کا، وہ اُن کو نکالتا ہے تاریکیوں

سے نور کی طرف۔“

ولی وہ ہے جو اندھیرے سے کھینچے اور نور میں لائے۔ صاحبانِ ایمان

کا ولی ہے۔ کافروں کا ولی نہیں ہے ایسا نہیں ہے۔ دو ولی ہیں، کافروں کے

بھی ولی ہیں، صاحبانِ ایمان کے بھی ولی ہیں۔ اور جو کافر ہیں اُن کے اولیاء کون ہیں

” وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَوْلِیٰٓئُهُمُ الطَّاغُوْتُ لَیُخْرِجُوْنَهُمْ

مِّنَ السُّوْرِۃِ اِلَی الظُّلُمٰتِ“ (سورہ بقرہ ۲۵۷)

تذکرہ کیا کرو۔ تو ذکرِ نعمت حکمِ باری ہے۔ ایسی نعمت ملی ہے کہیں رہو، کسی فقہ کے پابند رہو، اس گھرانے کو نہ چھوڑو۔ پہلے بنیاد مضبوط کرو، اصل مرکز مضبوط کرو۔ ورنہ تاریخ ایک ایسے موقع پہ لا کر کھڑا کر دے گی، جہاں تم کو خود فیصلہ کرنا مشکل ہو جائے گا کہ اب کس کا ساتھ دیں۔

ایک ایسے دور پہ میں گفتگو کر رہا ہوں جہاں دو ہی طاقتیں ہیں، اور تم کو فیصلہ کرنا پڑے گا کہ اب اس دربار میں کیا بادشاہِ وقت کو دیکھیں یا بیمارِ قیدی کو جابر بادشاہ کا دربار ہے اور اس بادشاہ کے مقابل بیکسوں کا لٹا ہوا قافلہ، اور اس کے سہانے مولائے زمان یہ کہتے ہوئے آگے بڑھے کہ اگر تیری اجازت ہو تو میں ان لکڑیوں (منبر کی طرف آپ کا اشارہ تھا) پہ چڑھ جاؤں۔؟

اجازت ملی تو آپ نے فرمایا: یہ وہ گھرانہ ہے جو مسلسل مصائب کے بعد بھی جمالی کر رہا ہے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى
جَدِّي سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ : يَا مَعْاشِرَ النَّاسِ مَنْ
عَرَفَنِي فَقَدْ عَرَفَنِي وَمَنْ لَمْ يَعْرِفَنِي فَأَنَا
أَعْرِفُهُ نَفْسِي... أَنَا ابْنُ مَكَّةَ وَمَنْ أَنَا ابْنُ
مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفَى أَنَا ابْنُ مَنْ لَا يَخْفَى فَاَسْتَعْلَى
فَجَازَ سِدْرَةَ الْمُنْتَهَى وَكَانَ مِنْ رَبِّهِ قَابَ
قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى.. أَنَا ابْنُ مَنْ صَلَّى الْمَلَائِكَةُ
السَّمَاءَ مَثْنَى مَثْنَى. أَنَا ابْنُ مَنْ أُسْرِيَ بِهِ مِنَ
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى أَنَا ابْنُ عَلِيٍّ
بِالْمُرْتَضَى أَنَا ابْنُ فَاطِمَةَ الزَّهْرَاءِ --- أَنَا ابْنُ

”قسم ہے دھوپ چڑھے وقت کی اور قسم ہے رات کی جبکہ وہ چیزیں کو چھپالے کہ تمہارا پروردگار نہ تم کو چھوڑ بیٹھا اور نہ تم سے ناراض ہوا۔“

”دن کا نور گواہ ہے تیرے رب نے تجھے کبھی اکیلا نہیں چھوڑا، تو حیران تھا، ہم نے تیری مدد کی۔“

”وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى“
”اور عنقریب تیرا رب تجھے (اتنا) عطا فرمائے گا کہ تو راضی و خوش ہو جائے گا۔“

اور اسی سورے کی آخری آیت یہ ہے:

”وَأَنَا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثُ“

”اور (اس کے بعد) اپنے رب کی نعمت کا ذکر کرتے رہو۔“

اپنے رب کی نعمت کو اے حبیب! چھپاؤ نہیں، بلکہ بیان کرتے رہو۔ ذکرِ نعمت حکمِ باری ہے۔ ایسی نعمت ملی ہے، ایسا سہارا ملا ہے، ایسا گھرانہ ملا ہے، کہیں رہو، کسی مقام پر رہو، کسی فقہ کے پابند رہو اس گھرانے کو نہ چھوڑو

گفتگو ختم ہوتی، کسی جگہ رہو، کسی مقام پر رہو، کسی فقہ کے ماننے والے ہو، دیکھو! اس گھرانے کو نہ چھوڑنا۔

ہم نے تجھ پہ یہ عنایت کی، یہ عنایت کی، تیرا انجام تیرے آغاز سے بہتر ہے۔ تیرا کوئی پالنے والا نہیں تھا، تو حیران تھا، ہم نے راہ بتائی اور جب کبھی تجھے حیران پایا، ہم نے تجھے راہ بتلائی، اور پھر ہم تجھے اتنا دیں گے کہ تو راضی ہو جائے گا اور اپنے رب کی نعمت کو چھپاؤ نہیں، بیان کرو اور ہاں اپنے رب کی نعمت کا

مؤذن سے کہا: اذان دیدے، اور روک دے اس آواز کو۔۔۔ مؤذن نے آواز دی اللہ اکبر۔۔۔ امام نے فرمایا: اللہ اکبر بے شک کبر بانی اسی کے لیے ہے۔۔۔ مؤذن نے کہا: اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ۔۔۔ میرے مظلوم امام نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ مؤذن نے کہا: اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ۔۔۔ مقتل کے الفاظ یہ ہیں کہ امام نے اپنے سر اقدس سے عمامے کو گرا دیا اور بے اختیار فرمایا: مؤذن! اسی نام کی قسم رک جا۔۔۔ مؤذن رکا۔۔۔ تو آپ یزید کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:.. یزید! بتا، یہ تیرے جد کا نام ہے یا میرے جد کا؟

یزید نے کہا: آپ کے جد کا نام ہے۔۔۔ فرمایا: کیوں یزید! میرے جد کا نام تو اذان میں آئے اور اسی کی نواسیاں بے پردہ کھڑی رہیں۔

”فَسَيَعْلَمُوا الْاَلَمَيْنِ طَلَمُوا اَيْ مَنْقَلَبٌ يَنْقَلِبُونَ“

اسیر عائد ہیں وادریغا

سجے ہیں بازارِ شام و کوفہ

چھپائے بالوں سے اپنا چہرہ

نبی کا کنبہ نکل رہا ہے

خَدِيْجَةُ الْكُبْرٰى اَنَا ابْنُ الْمُقْتُوْلِ ظَلَمَاءُ۔۔۔ اَنَا ابْنُ الْمَجْرُوْزِ الرَّاسِ مِنَ الْقَفَا، اَنَا ابْنُ الْعَطْشَانِ حَتّٰى قَضٰى، اَنَا ابْنُ الْمُسْلُوْبِ الْعِمَامَةِ وَالرِّدَا، اَنَا ابْنُ طَرِيْعٍ كَزَبْلَا، اَنَا ابْنُ مَنْ بَكَتْ عَلَيْهِ مَلَائِكَةُ السَّمَاءِ

”تمام تر حمد و ثناء تمام عالمین کے پروردگار کیلئے فرمایا۔ اور درود و سلام میرے جد سید المرسلین پر: اے گروہ انسان جو مجھے پہچانتا ہے وہ تو پہچانتا ہی ہے اور جو نہیں پہچانتا وہ پہچان لے کہ مکہ و منی کا بیٹا ہوں (سارے علماء نے لکھا ہے کوئی پوچھے تو کہ یہ فرزند مکہ منی کیا معنی؟) میں محمد مصطفیٰ کا بیٹا ہوں، میں اُس کا بیٹا ہوں جو پوشتیدہ نہیں ہے میں اُس کا بیٹا ہوں جو بلند ہوتا چلا گیا میہا تنک کہ سدرۃ المنتہی سے بھی آگے بڑھ گیا، میں اُس کا فرزند ہوں جس کے پیچھے ملائکہ نے دو درگت نماز پڑھی، میں اُس کا فرزند ہوں جس کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لیجا یا گیا، میں فرزند علی مرتضیٰ ہوں، میں فرزند فاطمہ زہرا ہوں، میں خدیجہ الکبریٰ کا فرزند ہوں، میں اُس کا فرزند ہوں جس کو ظلم سے قتل کیا گیا، میں اُس کا فرزند ہوں جس کو پس گردن سے ذبح کیا گیا، میں اُس کا فرزند ہوں زندگی کے آخری لمحات تک پیسا سارا، میں اس کا فرزند ہوں جس کا عمامہ و ردالوٹا گیا، میں اس کا فرزند ہوں جو کربلا کی جلتی ریتی پر خاک و خون میں غلطیدہ پڑا ہوا تھا۔ میں اُس کا فرزند ہوں جس پر ملائکہ آسمان نے گریہ کیا۔۔۔“

پھر فرمایا: میں اس کا بیٹا ہوں جس کی ماں بہنوں کو در بدر پھرایا گیا۔۔۔ یہ سنکر دربار میں رونے کا نعل اٹھا، سیدانیوں نے رونا شروع کیا۔ یزید ملعون نے

مجلسِ پنجم

- ۱۔ اللہ کی نعمتوں کا شمار ناممکن ہے۔
 - ۲۔ اللہ کی نعمتوں کو اُس وقت تبدیل کرتا ہے جب انسان اپنے نفسوں میں تغیر پیدا کرتے ہیں۔
 - ۳۔ نعمت کا تقاضہ یہ ہے کہ جن ہاتھوں میں آئے، اُنہیں ہاتھوں سے تقسیم بھی ہو۔
 - ۴۔ سخاوت کی تعریف، ثاقب لکھنوی کے ایک شعر سے۔
 - ۵۔ ایک گھرانے پر اب تک نعمتوں کا نرول ہو رہا ہے۔
 - ۶۔ اللہ جاہل کو ولی نہیں بناتا۔ اہل بیت نعمتوں کے والی ہیں۔
 - ۷۔ بات ایک ہی ہے یا علیؑ یا ولیؑ۔
 - ۸۔ علیؑ ایک فرد کا نام نہیں، بلکہ ایک سلسلے کا نام ہے۔
 - ۹۔ مجلسِ نعمت ہے، مجلس میں گر یہ کرنا نعمت ہے۔
 - ۱۰۔ سید الساجدین علیہ السلام کی رخصت پر میر انیس مرحوم کا ایک بند جسے بار بار پڑھنے کے بعد بھی سیری نہیں ہوتی۔
 - ۱۱۔ مصائبِ اہل بیت احتیاط سے پڑھنے کی ضرورت ہے۔
 - ۱۲۔ شام کے بازار میں ایک ضعیف سے سید الساجدین علیہ السلام کی گفتگو۔
- (طبقات ابن سعد کی روایت)

پانچویں مجلس کفرانِ نعمت

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ •
”يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ
وَيَعْمَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ • أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا
نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا وَآخَلُوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبُورِ •
جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَبِئْسَ الْقَرَارُ •“ (سورہ ابراہیم آیت ۲۸، ۲۹)

”اللہ صاحبِ ایمان کو قولِ ثابت سے ثابت قدم بناتا دنیا
میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور اللہ ظالموں کو گمراہ کر دیتا ہے
اور اللہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔ کیا تو نے اُن لوگوں کے بارے
میں غور نہیں کیا جنہوں نے اللہ کی نعمت کی ناشکری (کفران)
کی، اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر جہنم میں جھونک دیا۔ اور وہ
کیا ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔“

و

”کفرانِ نعمت“ کے عنوان پر پانچویں تقریر آپ کی سماعت کے لیے مدہ ہے
ظاہر ہے، انسان کے جس طرح جسم تھک جاتے ہیں، ایسے ہی دل تھک جاتے ہیں
امیر المومنین علیؑ لام ارشاد فرماتے ہیں:

”إِنَّ هَذِهِ الْقُلُوبَ تَمَلُّ كَمَا تَمَلُّ الْإِبْدَانُ
فَاَبْتَعُوا إِلَيْهَا طَرَائِفَ الْحِكَمِ“ (منہج السالکین ارشاد ۹۱)
”بلاشبہ یہ دل بھی اسی طرح خستگی کے شکار ہوتے ہیں جیسے انسان
کے اجسام خستگی طاری ہوتی ہے، جب اس طرح کی دلوں پر خستگی
سی محسوس ہو تو دلوں کو حکمت کی باتیں سناؤ۔“

حکمت سے آشنا کرو، اُن کو بتلاؤ کہ عقل نے اپنی لذت و مسرت کی بقا
کے لیے کن امور کی صحت کا اعلان کیا ہے، اور کہاں عقل تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہے
اس لیے کہ عقل کے حقوق ہیں رب پر۔ بہت سی چیزیں منحصر ہیں جہاں انسان نتائج
کو اخذ کرتا ہے عقل نے تسلیم کیا، عقل نے نہیں مانا۔ سب سے پہلے یہ امر پیش نظر
رہے کہ عقل وہی ہے جو یہ دیکھے کہ اللہ پر سچ کون بولتا ہے، عقل اس کی تصدیق کرے
اور تکذیب کرے اللہ پر جھوٹ بولنے والے کی عقل کی پہچان یہ ہے
”يُصَدِّقُ بِهِ الصَّادِقُ عَلَى اللَّهِ يُكَذِّبُ بِهِ الْكَاذِبُ
عَلَى اللَّهِ •“ (اصول کافی باب العقل حدیث ۲۰)
”اللہ پر سچ بولنے والے کی تصدیق کرے اور اللہ پر کذب بولنے والے
کا تکذیب کرے۔“

صدق و کذب کے ساتھ تقسیم کرے اپنے فیصلوں کو عقل کا کام صرف یہ نہیں ہے
کہ تفتیش و جستجو میں مبتلا رہے، بلکہ عقل کا کام یہ بھی ہے کہ دیکھے کہ صدق و کذب
کہاں ہے اور صدق و کذب کا معیار کیا ہے۔

”اصول کافی“ کی حدیث ہے ”کتاب العقل“ میں:

”عقل وہی ہے کہ جس سے پہچانا جاتے کہ اللہ پر سچ کون بول رہا ہے
اُس کی تصدیق کرے، اور اللہ پر جھوٹ کون بول رہا ہے اُس کی تکذیب کرے۔“

جذب کا نام نہیں ہے، زندگی دفع کا نام بھی ہے۔

”حیات طیبہ“ کے عنوان پر گفتگو کرتے ہوئے خالق دنیا کی تقریر میں کہہ رہا تھا وہاں سے ایک ہی جملے رہا ہوں کہ زندگی نام ہے قانون جذب و دفع کا کسی کو جذب کیجیے، کسی کو دفع کیجیے۔۔۔ پانی پینے کے لیے ہے، پتھر سر پہ آتے تو ہاتھ بے اختیار اٹھ جاتا ہے تاکہ چوٹ نہ لگے۔ ہاتھ روکنے کے لیے۔ تو یہ دفع ہے، وہ جذب ہے۔ اگر دفع کرنے کی جگہ آپ نے جذب کر لیا، اور جذب کرنے کی جگہ دفع کر دیا، تو فوراً موت واقع ہو جائے گی۔!

اس طرح سے قرآن مجید یہ چاہتا ہے کہ جس کو جذب کرنا ہے اُسے جذب کرو، جسے دفع کرنا ہے اُسے دفع کرو۔ جسے حلال قرار دیا ہے اُسے حلال سمجھو جسے حرام قرار دیا ہے اُسے حرام سمجھو۔ اس کے بعد تمہاری ترقی میں روکنے والا کوئی نہیں ہے۔ کوئی پابندی نہیں ہے چاند پہ جاؤ، سورج پہ جاؤ، مریخ پہ جاؤ ستاروں کی سیر کرو، اپنے مواصلات کو درست کرو، اپنی تنظیمات کو دیکھو۔ اس طرح تم اپنی زندگی کو ڈھال سکتے ہو تو سب کچھ تمہارے لیے جائز ہے، بس یہ حکم جو دیا گیا ہے کہ یہ نیک ہے تو یہ قیامت تک نیک ہے، جو بد ہے وہ قیامت تک بد ہے۔ یہ خیر ہے تو یہ قیامت تک خیر ہے، جو شر ہے وہ قیامت تک شر ہے۔ یہ حلال ہے، تو قیامت تک حلال ہے، جو حرام ہے تو وہ قیامت تک حرام ہے۔

اس منزل پر گفتگو کرتے ہوئے میں اپنے سلسلہ کلام سے مربوط ہو رہا ہوں۔ دیکھیے! اس سے بڑھ کر کوئی معجزہ ہے۔ ارشاد ہوا:

”سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ وَاتَّكُم مِّنْ كُلِّ مَآ

اب اس کے بعد آپ کو ایسی عقل میسر آجائے تو جس کا عقل حکم دیتی ہے:

”كُلَّمَا حَكَمَ بِهِ الْعَقْلُ حَكَمَ بِهِ الشَّرْعُ وَكُلَّمَا حَكَمَ بِهِ الشَّرْعُ حَكَمَ بِهِ الْعَقْلُ“

”جس کا عقل حکم دیتی ہے، شریعت بھی اُسی کا حکم دیتی ہے اور جس کا شریعت حکم دیتی ہے عقل بھی اُسی کا حکم دیتی ہے۔“

اگر عقل حکمت کی راہ اختیار کرے تو عقل میں اور شریعت میں جدائی نہیں ہے۔

..... صلوات

وہ بے عقلی جو انسان کو خدا دشمن اور دین نا آشنا کیے جا رہی ہے، اس بے عقلی کے لیے کوئی سدِ باب چاہیے، اس منزل پر اُسے روکنا چاہیے خصوصاً معاشرے میں جہاں بچے مغربی تعلیم کی زد پر آ رہے ہیں اور اس کے اثرات سے متاثر ہو رہے ہوں اُسے کسی نہ کسی درِ سگاہ سے یہ تعلیم ملنی چاہیے کہ جو اثرات قبول کیے جا رہے ہیں وہ ہریت و لامذہبیت و مذہب یزاری اور خدا نا شناسی کے وہ صحیح نہیں ہیں عقل کی کسوٹی پر کس لینے کے بعد معلوم ہوا، سوا بے عقلی کے کچھ نہیں ہے، سوا جہالت کے کچھ نہیں ہے۔ پھر یہ کہ ایک عام طریقہ ہو چکا ہے، دنیا کو یہ دکھایا جائے، یہ ضعیفوں کی باتیں ہیں، یہ بوڑھوں کی باتیں ہیں، یہ پرانا کی باتیں ہیں۔ اس طرح وہ پرانے زمانے جس میں یہ ساری چیزیں نہیں تھیں۔ انکشافاتِ عصر یہ نہیں تھے، یہ اس دور کی باتیں ہیں کہ اب ان کو اگر عقل سے بتایا جائے، دیکھو ذرا سا عقل کو استعمال کرو تو پتہ چلے گا کونسی چیز ہے جس کو قرآن نے منع کیا ہے دنیوی ترقی کے اعتبار سے، حلال و حرام کے احکامات بتلا کر ملت کی ترقی کی راہوں میں ہر امکان کو مستحکم کر دیا، جو چاہو، جس طرح چاہو، ترقی کی راہوں میں آگے بڑھو، مگر اس بات کا خیال رہے کہ زندگی صرف

ترجمہ آیت یوں ہے: ”یہ اس لیے کہ اللہ کسی قوم پر کسی نعمت کو عطا کر کے بدلنے والا نہیں، جب تک کہ وہ خود اپنے نفسوں کی حالت کو نہیں بدلتے۔“

<http://fb.com/ranajabirabbas>

ارشاد فرماتے ہیں

تو اب یہ غور و فکر کے قابل ہے کہ یقیناً ان نعمتیں اُس گھرانے میں ہونگی
کہ جس گھرانے سے نعمتوں کو چھینا نہیں گیا۔ ۔۔۔۔۔ صلوات ۔۔۔۔۔
نعمتیں اُس گھرانے میں ہوں گی، جو بھی گھر نہ ہو، اُس گھرانے سے آج تک
کسی بھی منزل پر نعمتوں کو چھینا ہی نہیں گیا، اس لیے کہ وہاں دستِ کرم رکنا نہیں

پروردگار ہمارے دور میں بن لوگوں کے سینوں کی پناہ ہے۔
تو ہمارے دور میں جن کو نعمتیں ملیں اُن کا حشر بھی ہم نے دیکھ لیا، اس لیے
کہ وہاں نعمتوں کا تصور بدل گیا، اور جن کو نعمت دی، وہاں یہ نہیں ہے کہ تیری
غذائیں نعمت ہیں۔۔۔ نہیں۔ وہاں نانِ حویٰ نعمت ہے۔ یہ نہیں کہ وہاں
راتوں کی نیند نعمت ہے۔۔۔ نہیں بلکہ۔۔۔ تمام شب کی بیداری نعمت ہے۔
وہاں جان کو بچانا نعمت نہیں ہے، بلکہ جان کو جان دینے والے کے حوالے
کر دینا نعمت ہے۔۔۔۔۔ صلوات۔۔۔۔۔

بہر حال۔۔ اس منزل پر یہ طے کریں کہ گھرانے الگ الگ ہیں ؟۔۔۔۔۔
 ممت سے یہ سوال ہے میرا کہ " اَلْعَمْتُ عَلَيْهِمْ " کا تعین کیا کیا۔ اُن
 لوگوں کا راستہ جن پر تو نے اپنی نعمتوں کو نازل کیا۔۔ وہ کب رہے، کس دور
 میں رہے ؟۔۔۔ اگر وہ کسی دور میں بھی ہوں، تو یقیناً آج تک نعمتیں اُسی گھرانے
 میں ہیں، چھینا نہیں نعمت کو۔ اس لیے نہیں چھینا کہ نعمت اُس گھرانے میں نہ رہی

ہمارے واسطے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ ہمیں ذرا دیکھ بھال کے سوال کرنا پڑتا ہے کس سے مانگیں، کس سے نہ مانگیں۔ ثنائب لکھنوی کا ایک شعر ہے عجبب انرازی سے کہہ رہا ہے۔ غزل کا شعر ہے۔

دے صداے دل! مگر نقشِ قدم کو دیکھ کر

ایسے بھی درہی کبھی جن پر کوئی سائل نہ تھا

ان گھروں پہ سائل نہیں جاتے جہاں سے کچھ نہیں ملتا۔۔ آپ کے محلے میں بھی سائل اُس گھر جاتا ہی نہیں جہاں سے کچھ ملتا ہی نہیں، گھوم پھر کر اُسی در پہ جاتا ہے جہاں سے کچھ ملتا ہے۔ سوال کرنے کا بھی ادب ہے، جہاں سے ملے وہاں پکارو۔ ہم جب اُن کو آواز دیتے ہیں تو چاہے گھر میں ہوں یا مجمع میں 'حرفِ ندا' کے ساتھ "یا" کے ساتھ، اس یقین کے ساتھ کہ ضرور ملے گا ان کے علاوہ کسی اور نام کے ساتھ یہ حرفِ ندا (یا) زیب دیتا ہی نہیں۔ میرے مرقعہ کو آپ سمجھ گئے، اس لیے زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں ہے، تقریر سننے سننے آپ اتنے عادی ہو گئے کہ اس کے Symbolism کو، اس کے اشارت کو آپ سمجھ لیں۔

دے صدا اے دل! مگر نقشِ قدم کو دیکھ کر

ایسے بھی درہیں کبھی جن پر کوئی سائل نہ تھا

بادشاہ اودھ واجد علی شاہ اختر نے چھوٹی بحر میں مرثیہ لکھا۔ مرثیے کا مطلع ہے :

۱۔ یہ مرثیہ نواب مرزا محمد تقی خاں اختر (شاگرد مرزا دبیر) کا ہے جو ان مجموعہ مرثیہ شامل ہے
اختر تخلص کیوں ہے سے علامہ صاحب مغالطہ ہوا ہے۔

ہر دور میں مانگنے والے مانگ رہے ہیں، ہر عصر میں مانگنے والے مانگ رہے ہیں، اور مانگنے والوں کو حسب استعداد مل رہا ہے، حسب صلاحیت مل رہا ہے۔ اس طرح سے وہ گھرانہ جو مسلسل دیے جا رہا ہے، اُس سے نعمتیں سلب نہیں ہوتیں۔

اس گھرانے پر نعمتوں کا نزول مسلسل ہے۔ عالم یہ ہے کہ جب تک دیتا رہتا ہے، نعمت رہتی ہے تو ہمارا اشارہ اُس گھرانے کی طرف ہے جس کے لیے ہم کہتے ہیں "اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" یہاں اللہ نے نعمتوں کو روکا نہیں ہے اس لیے وہاں گفتگو ہم جیسے بظاہر سانس کھینچنے والے یہ نہیں کر سکتے، کہ یہ زندہ ہیں یا مردہ۔۔۔۔۔ اب نعرہ حیدری۔

اب آخری منزل یہی ہے کہ بھٹی جن کا ذکر کر رہے ہو، وہ تو مردہ ہیں۔ تو یہ حیات و موت کا معیار ہم ستم ظریفوں کا نفس کھینچنا ہے نا۔ ہماری سانس چلتی رہی، یہی ہماری زندگی کا معیار ہے۔ ہم اپنے آپ کو معیار بنا رہے ہیں کسی کی زندگی کا اور کسی کی موت کا، کہ ہمارا نفس رکا، موت۔ ہماری سانس چلتی رہی زندگی۔ یہی معیار ہے۔ مگر اُن کا قرآنی معیار زندگی کچھ اور ہے۔ اس سلسلے کی آیت پڑھوں تو نعمت کا ذکر پھر موجود ہے:

"وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قَتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزُقُونَ ۚ فَرَحِمْنَا رَحِمًا ۚ اَتْلَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۚ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ ۚ (آل عمران آیت ۱۶۰)

"اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے تم اُن کو مردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں اور جو اللہ نے اپنے فضل

رن میں ابرو کماں کی آمد ہے اصغر بے زباں کی آمد ہے
بھوکے کی نالوں کی آمد ہے پیاسے کی نیم جاں کی آمد ہے
یہی خیمے میں شورا ہوتا ہے وعدہ ان کا بھی پورا ہوتا ہے

اسی مرثیے میں سخاوت کی تعریف کرتے ہوئے، جب آپ کے مظلوم امامؑ نے علی اصغر کے لیے پانی کا سوال کیا تو کہتے ہیں:

سب پہ ظاہر ہے اس کے جد کا حال سائل کو رنے کیا جو سوال
نان دو لے شہرِ نجستہ خصال بولے قنبر سے آپ نان نکال
بھوکا ہے یہ نہ دیر کر قنبر جلد سائل کو سیر کر قنبر

بولا وہ نان ہے شتر پہ بار کہا دے اُس شتر کی اس کو مہار
بولا وہ ہے شتر میانِ قطار کہا دیدے قطار بے تکرار
سنتے ہی حکم میر کو شتر کا چھوڑ کر ریسماں کو سر کا

پوچھا حضرت نے کیا سبب اس کا عرض کی دل میں اپنے میں سمجھا
بحرِ بخشش ہے جوش پر اترا مجھ کو دیدو تو کیا کروں مولا
ایسے فیاض کا یہ پوتا ہے

چٹھا مصرعہ بڑا غم انگیز ہے، درد انگیز ہے۔ پھر کسی موقع پر آپ نہیں گئے۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ عطا اور دین مسلسل ہیں اس لیے کہ نعمتیں اُدھر سے مسلسل ہیں اور یہاں سے بھی عطا مسلسل ہے۔ مانگنے والوں کی کمی نہیں ہے

سے عطا کیا ہے بہت خوش ہیں، اور وہ اُن کے بارے میں جو اُن کے پیچھے رہ گئے ہیں اور ابھی اُن سے نہیں ملے (اس خیال سے خوش ہیں کہ:

”الَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ“

”اُن پر نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ آزرده خاطر ہوں گے“

یعنی: اللہ کی راہ میں قتل ہونے والوں کو مردہ نہ کہو، وہ زندہ ہیں، اللہ نے اپنے فضل سے جو اُن کو دیا، اُس سے خوش ہیں اور بشارت طلب ہیں اُن لوگوں کے متعلق جو ابھی آئے نہیں، بعد میں آنے والے ہیں، اب اُن کو ڈرنے کی جگہ نہیں ہے۔ اب اُن کو حزن کا مقام نہیں ہے۔

”لَيَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ“

”وہ اللہ کی نعمت اور فضل پاکر خوشیاں منارہے ہیں۔“

یہ وہ مرنے والے ہیں جو مسلسل اعلان کر رہے ہیں، اپنی خوشی کا کہ اللہ نے ہم کو اپنی نعمتوں سے اور فضل سے سرفراز کیا ہے۔

یہ آل عمران کی آیت ہے کہ: اللہ کی راہ میں مرنے والوں کو مردہ نہ کہو، وہ زندہ ہیں، اُن کو ہم رزق دے رہے ہیں۔ نعمت رزق مل رہا ہے۔

نعمت رزق مسلسل ہے اُن کے لیے عطا ہے اور اس لیے کہ نعمت سب کے اب تک بانٹتے جا رہے ہیں تقسیم کرتے جا رہے ہیں، تقسیم نہیں رکھتے،

اور پھر سورہ رعد کی چوبیسویں آیت میں ارشاد فرمایا:

”سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ“

”تم پر سلامتی ہو اُس صبر کی وجہ سے جو

تم نے کیا۔“

”فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ“ (سورہ رعد آیت ۲۴)

”اور آخرت کا گھر تو کیا ہی عمدہ ہے۔“

اللہ کا سلام ہو اُن نعمتیں پانے والوں پر۔ تم پر سلام ہو کہ تم نے یہ صبر کیا۔ کیا اچھی جگہ تم نے پائی۔۔۔

آپ نے دیکھا کہ یہ رزق صبر ہے، یہ رزق جود و عطا ہے، یہ رزق علم ہے یہ رزق معرفت ہے، یہ رزق عقل ہے اور یہ ساری نعمتیں ہیں جو اُن کو عطا ہوئی ہیں اور یہاں سے مسلسل نعمتیں بانٹی جا رہی ہیں، یہ تقسیم کرتے جا رہے ہیں۔ یہ نعمتیں حسب حوصلہ، حسب استعداد مل رہی ہیں جن کو یہ نعمتیں مل رہی ہیں اُن کا دل جانتا ہے کہ اُن میں صلاحیت نہیں، مگر نعمت عطا ہو رہی ہے۔ مُفکر ہے تو فکر کی دولت مل رہی ہے، شاعر ہے تو شعر کی دولت مل رہی ہے۔ حکیم ہے، فکر کی دولت مل رہی ہے، عالم ہے تو مسائل کو جاننے کی توفیق عطا ہو رہی ہے۔ جو جس راہ سے مانگے گا اُس راہ میں پائے گا۔ اسی طرح سے ہم ہر اہیت مانگ رہے ہیں کہ ہمارے پروردگار ہر کو راستہ بتلاؤ اُن کا جن پر تو نے اپنی نعمتوں کو نازل کیا۔ اور ہاں پروردگار! راستہ وہی ہو جو ظلمتوں سے نکالے، راستہ وہی ہو جو نور تک پہنچائے، راستہ وہی ہو جو روشنی تک پہنچائے، راستہ وہی ہو جو اندھیرے سے بچائے۔۔۔۔۔

..... کل کی گفتگو تھی:

”اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ“

”اللہ ولی ہے صاحبانِ ایمان (ولایت کی تعریف یہی ہے کہ) وہ ظلمات

سے نکالے اور نور تک پہنچائے۔“

یہ شانِ عطا ہے۔ آپ صرف نعمتوں کو ڈھونڈ رہے ہوں گے کہ ان کو گھر ملا کہ نہیں، اُن کو دولتیں ملیں کہ نہیں، ان کو مال دنیا ملا کہ نہیں۔۔۔۔۔ (اس پر کل غور کریں گے)

نعمت تو یہ ہے کہ پروردگار ظلمت سے نکال اور نور تک پہنچا، نور کی بستی میں بیٹے
تو کہیں گے "مَوْلَا مَنَا فِي عِبَادِنَا" ہمارے دوست ہمارے ساتھ ہیں ہم
سے ہیں ہمارے درجوں میں ہیں۔

ولی کا کام یہی ہے کہ وہ اندھیرے سے نکالے۔ اب اگر وہ جہل کا اندھیرا
ہو تو علم کا نور دے، اگر وہ بے ایمانی کا اندھیرا ہو تو ایمان کا نور دے، اگر وہ کم عقل
کا اندھیرا ہو تو عقل کا نور دے، اگر وہ شرک کا اندھیرا ہو تو توحید کا نور دے
اگر وہ خور کا اندھیرا ہو تو تقویٰ کا نور دے۔ بہر حال، اندھیروں سے نکالے، نور میں
پہنچائے، اور نور کی بستی میں لائے۔ یہ کام ہے ولی کا۔

اور اگر کوئی خود ہی جاہل ہو تو وہ کس طرح کسی کو علم کے نور تک پہنچائے گا

اس لیے ارشاد ہوا:

"إِنَّ اللَّهَ لَا يَتَّخِذُ جَاهِلًا وَلِيًّا"

"بیشک خدا جاہل کو ولی نہیں بناتا"

اب جو جہلاء کے پیچھے چلیں وہ جان لیں کہ وہ تاریکیوں میں جا رہے ہیں

نور سے ہٹ رہے ہیں۔ اس لیے دل سے آواز دو:

"إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ"

"ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت فرما، اُن لوگوں کا راستہ جن پر تو نے نعمتیں

نازل فرمائیں۔"

وہ اولیاءِ نعم ہیں۔ زیارت جامعہ کا جملہ "وہ نعمتوں کے والی ہیں"

"اللہ ولی ہے، رسول ولی ہیں اور وہ صاحبانِ ایمان ولی ہیں جو

نماز کو قائم کرتے ہیں اور حالتِ رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔"

پہلے فرمایا، اللہ ولی ہے۔ ولی کی اپنی تعریف یہ تھی کہ ظلمت سے نکال کر نور کی طرف

لیجائے۔ پھر رسول ولی۔ اُن کا بھی کام یہی ہے۔ پھر صاحبانِ ایمان ولی۔ جن کی یہ
خصوصیت ہے کہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں حالتِ رکوع میں۔۔۔ تو یہ بھی نکالتے
ہیں ظلمتوں سے بشرطیکہ کوئی اُن کے دامن سے لپٹ جائے۔

عجیب بات یہ ہے کہ یہ صرف ایک ہی نام ملا آدم و عالم کی تاریخ میں جو
لفظ "ولی" کے ساتھ ہم رنگ ہو گیا، ہم آہنگ ہو گیا، ہم وزن ہو گیا۔ وزن یہی بھی
برابر، رنگ میں بھی برابر۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بات ایک ہی ہے۔ چاہے
"یا علیٰ کہو" چاہے "یا ولی کہو"

میں نے کسی گزشتہ تقریر میں عرض کیا تھا کہ اس سلسلے میں آپ کا شبہ دور
ہو جائے گا اور وہ یہ کہ علیؑ، ابوطالبؑ کے ایک بیٹے کا ہی نام نہیں ہے۔

علیؑ، ایک فرد کا نام نہیں ہے، بلکہ انعمت علیہؑ کی تفسیر میں علیؑ ایک
سلسلے کا نام ہے۔۔۔۔۔ لہذا ہم کو اب یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ امام حسینؑ
حجّتِ خدا ہیں، یا امام زین العابدینؑ، حجّتِ خدا ہیں، یا امام محمدؑ باقر حجّتِ خدا
ہیں، کیونکہ پورا سلسلہ علیؑ ہے، اس لیے ایک کلمہ کافی ہے:۔۔۔۔۔

"أَشْهَدُ أَنَّ عَلِيًّا وَلِيُّ اللَّهِ" — صلوات —

ممكن ہے کہ کسی دل میں یہ شبہ پڑ جائے کہ یہ بدلتا کیوں نہیں ہے کلمہ۔
ارے کیوں بدلے، سب علیؑ ہیں۔ اس طرح سے ولایت کی ایک گواہی سارے
گھرانے کی گواہی ہے، پورے سلسلے کی گواہی ہے۔ یہ پورے سلسلے کا نام ہے۔
کر بلا میں ہو تو علیؑ، شام کے راستے پہ ہو تو علیؑ۔ جسر بغداد میں ہو تو علیؑ۔۔۔۔۔
سُرمَن الرَّا کے قید خانے میں ہو تو علیؑ۔۔۔۔۔ "علیؑ ایک سلسلے کا نام ہے"

اور جب آپ نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ علیؑ اللہ کا ولی ہے۔ تو
اس کے معنی یہ کہ آپ نے اس پورے سلسلے کی ولایت کا اعلان کیا، اور ولایت کا

اعلان کرنا اس لیے ضروری ہے آپ پر کہ یہی وہ گھرانہ ہے، یہی وہ سلسلہ ہے جس پر نعتیں مسلسل آ رہی ہیں، اللہ نے تم پر اپنی نعمتوں کو نازل کیا۔ کچھ نعتیں ظاہری ہیں۔ کچھ باطنی ہیں:

”وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً“

(سورہ لقمان آیت ۲۰)

”اور (اللہ نے) تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتوں کو فراوانی سے نازل فرمایا۔“

اور پھر ارشاد ہوا: سورہ انعام میں:

”وَذَرُوا ظَاهِرَ الْأَشْءِ وَبَاطِنَهُ“ (سورہ انعام آیت ۱۰۱)

”اور گناہوں کے ظاہر سے بچو اور اُس کے باطن سے بھی بچتے رہو۔“

گناہوں سے بچو! اُس کے ظاہر سے بھی بچو، اُس کے باطن سے بھی بچو۔ جن طرح گناہوں میں ظاہر و باطن ہے، ایسے ہی نیکی میں بھی ظاہر و باطن ہے۔ جس طرح نعمت میں ظاہر و باطن ہے، اسی طرح نعمت میں بھی ظاہر و باطن ہے۔ ظاہری نعمت یہ ہے کہ جہاں تم دنیا کی نام نہاد نعمتوں پر نظر ڈال رہے ہو اور باطنی نعمت یہ ہے کہ دل کا رجحان کسی کی طرف ہے، دل کی رغبت کسی کی طرف ہے، رخ سوئے مولا ہو۔ ایک ہی طرف نگاہ کام کر رہی ہو۔

یہ مشہور شعر ہے ملا با رسی سبزواری (شرح منظومہ) کا۔ وہ بے اختیار کہتے ہیں کہ انسان کامل اُس وقت ہوتا ہے:

”ہمہ جا، ہمہ کس، در ہمہ کار، می دار نہفتہ چشم دل جانب یار“
یعنی ہم کسی حال میں رہو، کہیں رہو، کسی کام میں رہو مگر دل کی آنکھیں دوست کی طرف لگی رہیں۔“

اور اس طرح چشم ولایت، ولایت سے فرار کرنے والے جب اپنے آپ کو اس منزل پر دیکھتے ہیں کہ جن منازل کی رفعتوں کو دیکھ کر انسان ایک دوسرے پر پریشان ہو جاتے ہیں اور پھر وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کی نعمت ہے، اللہ کا فضل ہے، یہ اللہ کی عنایت ہے، یہ اُس کی عطا ہے کہ اُس نے اپنے صاحبانِ نعمت بندوں کے صدقے میں ہم کو بھی ہماری حسب استطاعت عطا کی ہے۔

بہر حال یہ نعمت ہے، یہ اجتماع (مجلس) نعمت ہے، یہ ذکرِ نعمت ہے، ذکر میں شرکت نعمت ہے، دل کا اتحاد و مسرت نعمت ہے، آنکھوں میں نمی کا آنا نعمت ہے۔ آنسو کا ٹپکنا نعمت ہے۔

ہر کس و ناکس کو یہ نعمتیں نہیں ملتیں۔ اس کے لیے صاحبِ درد دل چاہئے اور درد والے دل کے لیے یہی نعمتیں ہیں جن کا احساس آپ کو ان مجلسوں میں ہوا۔ ہم نے دیکھا کہ صبح سے شام اور شام سے صبح جن کی زندگی عبادت میں گزری مسلسل روزے، مسلسل شب بیداری، مسلسل نماز، مسلسل ذکرِ رسول، مسلسل تلاوتِ قرآن، وہ زندگی عابدوں کے زینت کی ہے، وہ زندگی ساجدین کے سید کی ہے، وہ زندگی کہ جس کی طرف اشارہ کر رہا ہوں، وہ اُس امام کی ہے کہ جس امام کا ذکر کل سے آپ سُن رہے ہیں، وہ جو بعدِ حسین کا روان کر بلا کا نگران ہے جس کے ذمے اس قافلے کو سونپ دیا گیا ہے۔ وہ کارواں سالار ہے، وہ ناخدا ہے کشتی اُمت ہے، وہ آدمِ آلِ محمد ہے۔

امام رخصت کے لیے آئے اور عابد بیمار کو بیہوش پایا، واپس آئے اور بہن سے یہ کہا: میرا نیس نے اس مقام پر کہا: (دیکھیے! یہ اشعار میں نے اسی عزا خانے میں پڑھے تھے اور بار بار پڑھ چکا ہوں لیکن سیری نہیں ہوتی) کہنا عابد سے یہ پیغام میرا بعدِ سلام: غش تھے تم، پھر گئے دروازہ ملک کے امام

”قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ“

(سورہ شوریٰ آیت ۲۳)

کہا: ہاں۔۔۔۔۔ فرمایا: تو نے سورہ احزاب میں آیہ تطہیر کی تلاوت کی ہے؟۔۔۔۔۔ کہاں: ہاں۔۔۔۔۔ آپ نے فرمایا: تو نے آیہ مباہلہ کی تلاوت کی؟۔۔۔۔۔ اُس نے کہا: ہاں، مگر ان آیتوں کا تم سے کیا تعلق ہے؟ یہ آیتیں تو آلِ محمدؐ کے لیے ہیں۔

آپؐ نے فرمایا: ”نَحْنُ آلُ مُحَمَّدٍ“ ہم ہی آلِ محمدؐ ہیں۔

اب وہ گھبرایا، کہنے لگا: قسم کھاؤ کہ تم آلِ محمدؐ ہو

آپؐ نے فرمایا: ”وَاللّٰهُ نَحْنُ هُمْ“ اللہ کی قسم ہم وہی ہیں

یعنی آلِ محمدؐ ہم ہی ہیں۔

اُس نے کہا: نام کیا ہے؟۔۔۔ فرمایا: علی۔۔۔ کہا: والد کا نام؟

فرمایا: حسین۔۔۔۔۔ کہا: حسین؟ فاطمہ کا بیٹا؟۔۔۔۔۔ فرمایا: ہاں

کہا: ہائے، یہ انقلاب آیا کہ محمدؐ کا تختِ جگر قتل ہو گیا۔۔۔

یہاں تک تو طبقات کی روایت تھی۔ اس کے بعد

اُس نے کہا: فرزندِ رسولؐ؟ یہ ناقوں پر کون ہیں؟۔۔۔ فرمایا: یہ نبیؐ

کی بیٹیاں ہیں۔۔۔۔۔ اُس نے عرض کی: فرزندِ رسولؐ! میں بہت بوڑھا ہوں

میں لڑ نہیں سکتا۔ لیکن مولاً! مجھے اجازت دیجیے کہ میں ان ناقوں کے سامنے

لیٹ جاؤں، تاکہ یہ ناقے مجھے کچلتے ہوئے گزر جائیں، اور قیامت کے دن میں

اللہ کے رسولؐ سے یہ کہہ سکوں کہ میں نے آپؐ کی نواسی کو بے پردہ نہیں دیکھا۔

~~~~~ و ~~~~~

لے سورہ احزاب آیت ۳۳۔۔۔ سورہ آل عمران آیت ۶۱

قید میں چھپنے کے نہ گھبراؤ تم اے کلفام کاٹیو صبر و رضا سے سفر کو نہ و شام ناؤ منجھادیں ہے شورِ تلاطم جانو ناخدا جاتا ہے گھر جانے، بس اب تم جانو تو اس طرح سے قافلہ سالار بنایا، اور اس قافلے کو لیکر سیدِ سجادؑ چلے۔

مسلمانوں کے مورخ طبقات ابن سعدؒ ”ابن سعد کو بڑا وقار حاصل ہے اکثر موقعوں پر اس کا بار بار ذکر کیا جاتا ہے، یہ بڑی ضخیم کتاب ہے اس میں ذکر کیا ہے صحابہ پر تابعین، تبع تابعین پر اور مختلف طبقات پر ذکر کرتے ہوئے جب عابد پر پہنچے تو انھوں نے ذکر کیا ہے۔“ لکھا ہے کہ جب شام کے قریب قافلہ پہنچا اور امامِ مظلوم پیادہ پاتھے، زنجیروں کو تھامے ہوئے تھے، قافلہ آگے بڑھ رہا تھا۔ تو یہ طبقات ”کی روایت ہے“ بڑے شوق سے آپؐ دیکھیں ہم مقتل میں بڑے محتاط ہیں۔ جب کبھی مقتل پڑھیں گے بڑے احتیاط سے پڑھیں گے۔“

مسجد سے ایک بوڑھا شور و غل کی آواز سن کر گھبرا کر باہر آیا اور قرآن پڑھتا ہوا باہر آیا تو دیکھا بڑا شور و غل ہے، دیکھا کہ اک قافلہ آ رہا ہے کسی سے پوچھا: یہ قافلہ کیسا ہے؟۔۔۔۔۔ بتایا کہ یہ قافلہ وہ ہے کہ جس نے بادشاہ وقت کے خلاف خروج کر دیا تھا، اس کو قتل کر دیا گیا ہے اُس کے بچوں کو قیدی بنایا گیا ہے۔ وہ بوڑھا عابدِ بیمار کے قریب پہنچا اور کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ ذَلَّلَكُمْ ”اُس اللہ کا شکر ہے جس نے تم کو رسوا کر دیا“

امامؑ نے فرمایا: کیا کہہ رہا ہے؟۔۔۔ بوڑھے نے کہا: آپؐ نے بادشاہ وقت کے خلاف بغاوت کی۔

امامؑ نے فرمایا: تو نے قرآن کی تلاوت کی ہے؟۔۔۔۔۔ اُس نے کہا کہ، ہاں میں ابھی قرآن کی تلاوت کر رہا تھا۔

امامؑ نے فرمایا: تو نے سورہ شوریٰ میں اس آیت کی تلاوت کی ہے؟



# مجلس ششم

- ۱- کچھ لوگ انسانوں میں ایسے بھی ہیں جو بغیر علم، ہدایت اور روشن کتاب کے بحث کرتے ہیں۔
- ۲- اسلام نام ہے تسلیم کا، اور تسلیم نام ہے سپردگی کا۔
- ۳- دین کو بدل دینا کفرانِ نعمت ہے۔
- ۴- دین کا اکمال، اتمامِ نعمت ہے۔
- ۵- نعمت، لذت نہیں اور لذت نعمت نہیں۔
- ۶- کسی کے لیے مَرغَنِ غذائیں لذت ہیں اور کسی کے لیے نانِ جوی لذت ہے۔ نعمت و لذت مربوط ہیں۔
- ۷- کائنات کو خالق کے تعلق سے دیکھنا نعمت ہے۔
- ۸- بیخِ البلاغہ میں پہلی وحی کا ذکر "خطبہ صافحہ"
- ۹- پورے بیخِ البلاغہ میں ایک ہی معجزہ پیغمبر کا تذکرہ ہے۔
- ۱۰- نعمت عطا ہے، لذت ردِ عمل ہے۔
- ۱۱- جنگِ جمل میں مروان کو امیر المومنین علیؑ نے آزاد کر دیا۔
- ۱۲- آلِ محمدؐ پر سب سے زیادہ مظالمِ شام میں ہوئے۔







اب جہاں کتابِ منیر نہیں، جہاں علم نہیں، جہاں گمراہی ہے، جہاں قیاس ہی قیاس ہے اور کتاب بھی نہیں، تو ایسے موقع پر اللہ کے بارے میں کوئی کیوں زبان کھولے اور اللہ کے متعلق گفتگو کرے، تو ظاہر ہے دین کے متعلق گفتگو کرنا، کہ یہ دین ہے، اس میں یہ کمزوری ہے، دین میں یہ نقص ہے، یہ اس میں کبتی ہے یہ اس میں پرانا پن ہے، یہ چودہ سو برس پہلے کی پرانی بات ہے، زمانہ بدل چکا ہے اب اس میں یہ تغیرات ہونا چاہیے۔ اور آگے۔۔۔ دین کو تو رکھو۔۔۔ لازمی رکھو مگر کچھ بدل کے رکھو، کچھ تبدیلی کے ساتھ رکھو۔۔۔ یہ ساری باتیں اسی آیت کے تحت آتی ہیں:

”مَنْ يُجَادِلْ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُنِيرٍ“  
نہ علم ہے، نہ ہدایت ہے، نہ کتابِ منیر ہے، مگر جدل موجود۔۔۔ جدل کے لیے تیار، وہ بھی اللہ کے بارے میں۔

میں پہلے آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں علم کی طرف، یہ علم کا مسئلہ ہے۔ میں نے شاید کبھی اتنی تفصیل سے گفتگو نہیں کی تھی، شاید ہی موقع ملا ہو، ذرا سی توجہ!

اگر آپ بہت بڑے قابل، ماہر طبّیعات، بہت بڑے سائنسدان ہیں فزکس (Physics) کے استاد ہیں، ایسی صورت میں اگر کوئی آپ سے کہے کہ آپ اتنے بڑے سائنسدان ہیں، لہذا آپ عدالت میں چلکر میرے مقدمے کی قانونی پیروی کر دیں۔۔۔۔۔ بیشک آپ بڑے قابل ہیں، لیکن اس کو کیا جواب ملنا چاہیے؟ یہی ناکہ جس کے لیے آپ مجھ سے مطالبہ کر رہے ہیں۔ آپ مجھے جاہل نہیں بنا رہے ہیں بلکہ اپنے جہل کا اعلان کر رہے ہیں۔۔۔۔۔ صلوات۔۔۔

دی اور باطنی نعمت دی۔ اعلان کر کے دیا۔ چھپا کر دیا، جسم کو نعمت سے سرفراز کیا اور روح کو بھی نعمتوں سے سرفراز کیا۔۔۔۔۔ صلوات۔۔۔۔۔  
نعمتیں تو ہم نازل کر رہے ہیں لیکن ان انسانوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کے لیے ارشاد ہوا:

”وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُنِيرٍ“

مگر انسانوں میں وہ لوگ بھی ہیں جو جدل کر رہے ہیں سلسلہ لڑ رہے ہیں جو جدل کر رہے ہیں اللہ کے بارے میں۔۔۔۔۔ جُجَادِلْ فِي اللَّهِ اور ان حالت اور اس کیفیت میں لڑ رہے ہیں کہ ان کے پاس علم نہ ان کے پاس ہدایت ہے اور نہ کوئی صحیفہ ہے بَغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُنِيرٍ۔  
کوئی علم کا سرمایہ نہیں جو نسل بعد نسل آ رہا ہو جو خلافتِ ذاتِ واجب استعمال ہو، نہ کوئی ایسی ہدایت ملی ہے ان کو ان کے بزرگوں کی طرف سے کہ یہ استدلال ہے، یہ دلیل ہے کہ اس پر بحث کرو۔ اور آگے وَلَا كِتَابٍ مُنِيرٍ اور ان کے پاس کوئی روشن کتاب بھی نہیں ہے کہ جس سے وہ یہ بحث کریں کہ کوئی خالق نہیں ہے، کوئی صانع نہیں ہے، کوئی مالک نہیں ہے، کسی نے پیدا ہی نہیں کیا ہے۔ بس یہ ایک طور ہے، اسی میں پیدا ہوں گے اور اسی میں مرجائیں گے۔۔۔۔۔ آخر ان کے پاس استدلال کیا ہے۔

یہ تھا آیت کا مفہوم جس کو عرض کیا گیا۔ یعنی علم نہیں ہے، ہدایت نہیں ہے اور کوئی روشن کتاب بھی نہیں ہے۔

نعمتیں ہم نے سب پر نازل کیں۔ تو آپ نے کہ انسان جب مقامِ جدل میں آئے تو کچھ علم تو ہو، کوئی صحیفہ تو ہو، کوئی استدلال تو ہو۔



اٹ دیا جائے کہ ہم سب کو قانون پر چلنے کا حکم ہے کہ قانون پر رہو، تو کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ سب قانون داں ہیں۔ آپ سے تو قانون کی پابندی کروائی جا رہی ہے۔ تو کیا آپ وہاں بھی کہہ سکتے ہیں، جناب ہم قانون پر چلتے ہیں اس قانون داں ہیں۔۔۔۔۔ عجیب بات ہے۔ اور چونکہ ہم اپنی صحت کی حفاظت کرتے ہیں، اس لیے ہم طبیب ہیں۔۔۔۔۔ بس تو پھر.... ارے آپ مسلمان ہیں اور واقعی مسلمان ہیں، مگر یہ کہ اس اسلام کے بھی مراتب ہیں نا۔ اور ایک مرتبہ وہ بھی ہے جہاں علم دین بتلایا جا رہا ہے، اور وہ بڑی محنتوں سے آتا ہے۔ اس لیے مختلف علوم کو طول میں حاصل کرنا پڑتا ہے، طول میں، عرض میں نہیں۔ علوم عرض میں نہیں ہوتے، علوم طول میں ہوتے ہیں۔ پہلے مفرد حروف مرکب جملے، معنی، لغت، ادب، بیان، پھر زبان۔ زبان کا ادب، تفسیر تاریخ، حدیث وغیرہ وغیرہ۔ یعنی ایک ایک علم کو ختم کیجیے تو دوسرا علم آئے یہاں تک کہ خدا وہ علم نصیب کرے جس علم کو کہتے ہیں وہ ہے مزاج معصوم کو پہچاننا۔۔۔۔۔ صلوات۔۔۔۔۔

جہاں مزاج شناسی معصوم ہو.... تو وہ آخری منزل ہے اس علم کی، کہ منشاء کیا ہوگا، اور یہی وہ منزل ہے جس کو کہتے ہیں "اجتہاد" یعنی کہ نص معصوم سے طبیعت آشنا ہوتی، کشف معصوم ہوا۔ اس کے بعد وہ فیصلہ سنائے۔۔۔۔۔ تو ایسا آدمی تو یہ کہہ سکتا ہے کہ ہم نے علم دین حاصل کیا ہے لیکن ہر کلمہ کو اگر یہ کہے کہ ہم مسلمان ہیں اس لیے دین میں حکم لگائینگے تو یہ آپ کو دیکھنا پڑے گا، جیسے آپ کو قانون پر چلنا ہے، قانون کے بغیر آپ آں واحد کے لیے بھی نہیں ہٹ سکتے.... "مِنَ الْمُھْدِ اِلَى اللّٰہِ" جو بے سے لیکر قبر تک قانون ہی قانون ہے۔۔۔۔۔ تو اس کے معنی یہ نہیں کہ

بالکل اسی طرح آپ ایک بہترین قانون داں ہیں، اور ظاہر ہے کہ انسان جب کسی علم کو حاصل کرتا ہے اور اس میں کمال پالیتا ہے تو اس کے لیے یہی اصطلاح ہے کہ وہ اپنے فن کا ماہر ہے۔ اور اب اگر اس کے پاس کوئی جائے اور یہ کہے کہ میرا بچہ بیمار ہے ٹائیفائیڈ میں مبتلا ہے، تو وہ بھی یہ جواب دے گا کہ آپ غلط دروازے پر آئے ہیں، آپ نے میری جہالت فن کی قدر نہیں کی، اور آپ نے دراصل یہ چاہا کہ مجھے ایسی منزل پر پہنچایا جائے جہاں میری رسوائی ہے۔ اور بذات خود آپ بڑے قابل سی، مگر خود آپ اپنی زندگی کے لیے یہ چاہتے ہیں کہ آپ کے شعبہ ہائے حیات میں آپ کے لیے ہر ایک شے مخصوص رہے۔ اس انسان سے جو اس فن کا ماہر ہو۔ یعنی گھر بنائیں گے تو انجنیئر چاہیے، علاج کروائیں گے تو طبیب چاہیے، مقدمہ لڑیں گے تو قانون داں چاہیے، کسی ادب کی محفل میں جائیں گے تو کسی ادیب کو دیکھیں گے ظاہر ہے کہ علم جہاں مختلف ہوں، وہاں ایک علم سے ہر ایک کام نہیں لیا جاسکتا.... اب ایسی منزل پر قرآن نے یہ بتلایا کہ "الہیات" بھی ایک علم ہے۔ یہ آیت کا استدلال؛

"مَنْ يُّجَادِلْ فِي اللّٰہِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا کِتَابٍ مُّنِيرٍ" یعنی خدا کے لیے گفتگو کے واسطے کوئی علم ہے.... اور اگر علم نہیں ہے اور تم اپنے کو منوانہ سکو گے۔ یہ اس لیے کہ دین بھی ایک علم ہے، خدا شناسی بھی ایک علم ہے۔ مذہب کو سمجھنا بھی ایک علم ہے۔ تو یہاں ہم کو یہ جواب ملا کہ ہم سب مسلمان ہیں۔۔۔۔۔ بڑا عجیب فلسفہ ہے.... یعنی بحیثیت مسلمان مذہب کو ہم جانتے ہیں اور اپنی رائے دے سکتے ہیں۔۔۔۔۔ تو اب وہی سوال اگر



لہذا اب یہ آواز آتی ہے کہ بھائی اب کہنگی کو دور ہونا چاہیے، اب کچھ جدت ہو، کوئی نیا پن ہو۔ حالات کے بدلنے کے ساتھ اب ہم اپنی کیفیات کو بھی بدل دیں گے۔۔۔ تو ہم اس صورت میں یہ دیکھنا چاہیں گے کہ آخر وہ حالات کیا بدل گئے۔ کیا اب انسان جوان نہیں ہوتا، اب انسان ضعیف نہیں ہوتا، اب موسموں میں تغیر نہیں آتا، اب رات اور دن کا انقلاب نہیں ہوتا، تو وہ۔۔۔ جغرافیائی حالات کیا بدل گئے، وہ تاریخی حالات کیا بدل گئے کہ بارہا تمدن کو مٹنے اور بستے ہوئے آپ نے نہیں دیکھا۔۔۔ تو وہ حالات کیا بدلتے ہیں، کبھی ان حالات کو تو دیکھیے، ماہ و سال کو آگے بڑھاتے جائیں کہ ۱۱ ہجری سے ۱۳۹۲ ہجری۔ بس یہی، ورنہ جن کیفیات کو آپ دیکھ رہے ہیں جس کو مذہب سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس نے یہ نہیں کہا کہ آپ پہاڑوں کو کاٹ کر بڑے بڑے پتھر سر پر رکھ کر کھڑے ہو جائیے، اُس نے یہ نہیں کہا کہ آپ رات بھر سجدے میں پڑے رہیں، اُس نے یہ نہیں کہا کہ آپ سال بھر بھوکے رہیں۔ یا ایک وقت کھاؤ اور ایک وقت بھوکے رہو۔ کیا یہ سب مذہب نے کہا؟ مذہب نے تو کوئی ایسی بات کہی نہیں جو آپ کے بس سے باہر ہو۔ تو پھر مذہب نے جو سہولتیں دی ہیں، جو اجازتیں دی ہیں، جو مہلتیں دی ہیں، اور پھر اصطلاح فقہ میں جو رخصتیں دی ہیں وہ اس قابل ہیں کہ انسان غور کرے کہ یہ سب ہر حالت میں، ہر موقع پر انسان کے لیے

لَهُ لَا تَكْلَفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا -- (سورة الفاع ١٥٢، اعراف ٢٢ - مومنون ٦٢)

اور میں نے عرض کیا ہے اپنی تقریروں میں کہ آپ کبھی نہیں بھول سکتے اور  
آپ کے دل و دماغ میں یہ آیتیں موجود ہوں گی۔ کہ دین کا کمال اتمامِ نعمت ہے،  
جہاں دین کامل ہوا، نعمت پوری ہوئی۔ --- صلوات ---  
اور جہاں نعمت پوری ہو گئی تو ایسے موقع پر یہ کہنا کہ زمانہ بدل گیا ہے، ہم  
بدل دیں گے لفظ کو تو دیکھیے کہ ہم بدل دیں گے۔ . . . تو آپ غلطی کریں گے  
. . . اس لیے کہ اس بدلنے کے بعد آیت میں جمع کے صیغے آرہے ہیں۔ ---  
”وَاحْلَوْ قَوْمَهُمْ ذَاَ الْبَوَارِ“  
پوری قوم جہنم میں جائے گی۔ . . . پوری قوم۔ . . ہم بدل دیں گے

لَا يَوْمَ الْمَلَّةِ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّخَذْتُمْ عَلَيْكُمْ نَفْسِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا  
(سُورَةُ مَائِدَةِ آيَةُ ٣)







نقصان پہنچا رہا ہے۔ یہ سوچنا زیادہ بہتر ہے، بجائے اس کے کہ بدلنے کی کوشش میں کہیں انسان ٹھوکر کھا جائے، یہ بدلنے کی کوشش پھر کیوں ہے ؟

نعمت کے سلسلے میں دو لفظ ہیں۔ ایک "نعمت" جو یاد ہوگا آپ کو، اور دوسرا "لذت"۔ یہ دو لفظ "لذت" اور "نعمت"۔۔۔۔۔ اور لذت نعمت نہیں ہے۔ اور "نعمت" لذت "نہیں ہے۔ مگر دونوں لفظ مربوط ہیں نعمت آتی۔۔۔ آپ کو لذت ملے، تو اس طرح لذت کی نسبت آپ سے ہے۔ لذت آپ نے اٹھائی، نعمت عطا ہے اور لذت آپ کا رد عمل ہے۔ نعمت ایکشن (Action) ہے۔۔۔۔۔ لذت ری ایکشن (Reaction) ہے۔ نعمت عمل ہے۔۔۔۔۔ لذت رد عمل ہے۔۔۔۔۔ تو اب اگر انسانوں میں معیار لذت بدل رہا ہے اور اس معیار لذت کو بدلنے کی وجہ سے کوئی نعمتوں کی حقیقتوں تک نہیں پہنچ سکتا تو اس کی شکایت نعمت نازل کر نیوالے سے کیا ہے ؟ ارے، لذت تو آپ کی اپنی وجہ سے، اپنی طرف سے ہے نا۔ آپ نے مزہ لیا، آپ کو ذائقہ ملا۔۔۔۔۔ ارے آپ نے لذت اٹھائی۔۔۔۔۔ لیکن اختلاف لذت کی وجہ سے نعمت کو کیوں متاثر کیا جائے۔۔۔۔۔ جبکہ بچپن کی لذت اور ہے، جوانی کی لذت اور ہے، ضعیفی کی لذت اور ہے، صحت مند کی لذت اور ہے، بیماری کی لذت اور ہے۔ بچے کی لذت اور ہے بوڑھے کی لذت اور ہے۔۔۔۔۔ کوئی زمانہ تھا مٹی کی گڑیاں لذت تھیں، جوانی میں اُنھیں گڑیوں کو دیکھ کر ہنسی آتی، اور اگر کسی نے شرانے کوشش کی تو نام نہ ہوئے۔۔۔۔۔ بچپن کی لذت اور ہے، جوانی کی لذت اور ہے۔۔۔۔۔ جوانی کی لذت کا تذکرہ اگر بوڑھا پلے ہی کیا جائے تو ہنسی آئے، اور انسان کہے بھلا دو ان باتوں کو۔۔۔۔۔ جوانی کے ساتھ ہی سے کہے بھول جاؤ جوانی کے تذکرے نہ کرو

وہ لذتیں ہی کچھ اور تھیں۔۔۔۔۔ تو جہاں تم قدم قدم پر لذتوں کو بدل رہے ہو تو کیا لذتوں کے بدلنے کے ساتھ ساتھ تم دین کو بھی بدل دو گے۔۔۔۔۔ اگر لذت نہیں ہے تو کیا تغیرِ نعمت لازم ہے۔۔۔۔۔ ظاہر ہے کہ پانی ایک نعمت ہے، لیکن انسان پر ایک ایسی کیفیتِ مرض بھی طاری ہوتی ہے کہ وہی پانی (نعمت) کڑوا معلوم ہوتا ہے۔۔۔۔۔ تو کیا آپ کی اس احساسِ تلخی سے آپ نعمت پر حرت لاتیں گے۔۔۔۔۔ یا۔۔۔۔۔ آپ اپنی کمزوری کا اعلان کریں گے کہ میں بیمار ہوں۔۔۔۔۔ صلوات۔۔۔۔۔

تو اس طرح لذت کا معیار الگ الگ ہے۔۔۔۔۔ کسی کے لیے اعلیٰ ترین غذائیں، بہترین غذائیں، مرغی غذائیں، بہترین ذائقے والی غذائیں لذت ہے۔ ظاہر ہے یہ اس کا اپنا معیار ہے۔۔۔۔۔ اور کسی کے لیے نان جوئی لذت ہے۔ جو کی روٹی لذت ہے اور وہی سوکھی روٹی توڑنے میں لذت ہے۔۔۔۔۔ یہ اس کا معیار ہے۔ دونوں میں فرق تو کچھ ہوگا۔۔۔۔۔ نعرہ حیدری۔۔۔۔۔ صلوات۔ اس طرح آپ نے دیکھا کہ یہ وہ منزل ہے کہ جہاں یہ نہیں کہا کہ انکارِ راستہ دکھلا جو لذتیں اٹھاتے ہیں، یہ نہیں کہا کہ جو تیری نعمتوں سے لذتیں اٹھاتے ہیں۔۔۔۔۔ منہیں بلکہ ان کا راستہ دکھلا جن پر تو نے اپنی نعمتوں کو نازل کیا۔۔۔۔۔ "اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ"۔۔۔۔۔ یہ اس لیے کہ تیری نعمتوں میں فرق نہیں ہے۔۔۔۔۔ تیری نعمتوں میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہے۔ جہاں یہ نعمتیں نازل ہو رہی ہیں وہاں عجیب منزل ہے۔۔۔۔۔ اس سلسلے میں دو مقام ہیں قرآن مجید میں ایک سورۃ النّٰس (چوتھا سورہ) اور دوسرا سورۃ مریم (انیسواں سورہ)۔ پہلے سورۃ النّٰس میں ارشاد ہوتا ہے :

”وَمَنْ يُّطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ



(۱۳۳)

خَرُّوا سَبْجًا أَوْ بَكِيًّا“ (سورہ مریم آیت ۵۸) (یہ سجدہ واجب نہیں ہے)  
ترجمہ ” سبھی تو وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا (نعمتیں نازل فرمائیں)  
(جو) انبیاء میں سے، ذریتِ آدم میں سے اور اُن میں سے جنہیں ہم نے  
نوح کے ساتھ (کشتی میں) اٹھایا، اور ابراہیم و اسرائیل (یعقوب)  
کی اولاد میں سے اور جن میں سے ہم نے ہدایت یافتہ بنائے اور ہم نے  
منتخب کر لیے۔ جب اُن پر (اُن کے سامنے) رحمن کی آیات کی تلاوت  
کیجاتی تو وہ سجدے میں گر جاتے اور بُکا کرتے (روتے) تھے۔“  
یعنی: وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کو نازل کیا، وہ انبیاء  
میں سے ہیں۔۔۔۔۔ اب ذرا تفصیل دیکھتے جاتے۔۔۔۔۔

مِنْ ذُرِّيَّةِ آدَمَ، یہ آدم کی ذریت میں سے ہیں۔۔۔ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ  
نُوحٍ، یہ وہ ہیں جن کو ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا۔۔۔ وَمِنْ ذُرِّيَّةِ  
إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَٰئِيلَ۔۔۔ یہ لوگ ابراہیم و اسرائیل (یعقوب) کی  
ذریت میں سے ہیں، جو ابراہیم و اسماعیل کی اولاد میں نبی ہوئے اولادِ اسرائیل  
میں نبی ہوئے، اُن پر ہم نے اپنی نعمتوں کو بھیجا۔۔۔۔۔ وَمِمَّنْ  
هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا، اور اُن پر جنکی ہم نے ہدایت کی اور جن کا ہم نے  
اجتبا کیا، اُن پر اپنی نعمتیں نازل کیں۔۔۔ اُن کی پہچان یہ ہے کہ...  
إِذَا تُلِيٰ عَلَيْهِمْ آيَةُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا أَوْ بِكِيًّا کہ  
جب اُن پر رحمن کی آیتوں کی تلاوت ہوتی ہے تو یہ روتے روتے سجدے  
میں گر جاتے ہیں۔۔۔

آپ نے دیکھا کہ نعمتیں پانے والے بندے آیاتِ رحمن کے نزول پر یہ  
نہیں پوچھتے کہ۔۔۔ کیا:

(۱۳۲)

اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصّٰدِقِيْنَ  
وَالشّٰهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسَنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا

(سورہ نساء آیت ۶۹)

” اور جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں وہی تو اُن لوگوں  
کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے (نعمتیں نازل کی ہیں)  
نبیوں میں سے، صدیقیوں میں سے، شہیدوں میں سے اور صالحین میں  
سے، اور وہ کیا ہی عمدہ رفیق ہوں گے۔“

یعنی: جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے، تو ایسا اطاعت کرنے والا  
اُن لوگوں کی محبت میں ہوگا جن پر ہم نے اپنی نعمتوں کو نازل کیا۔۔۔  
اب واضح کیا کہ نعمتیں کہاں کہاں گئیں۔۔۔ فرمایا۔۔۔ یہ نعمتیں  
انبیاء پر نازل ہوئیں۔۔۔ صدیقیں پر نازل ہوئیں۔۔۔ شہداء پر نازل  
ہوئیں۔۔۔ اور صالحین پر نازل ہوئیں۔۔۔ حَسَنَ اُولٰٓئِكَ  
رَفِیْقًا۔۔۔ یہ کیسے اچھے ساتھی ہیں۔۔۔

۔۔۔ اب دوسرا مقام۔۔۔ مقامِ نبوت کیا ہے؟  
جو حضرات ٹیلی ویژن پر میری شامِ غریباں کی مجلس سُن رہے تھے، اُن کو  
یاد ہوگی یہ آیت جس کو میں نے عنوانِ کلام کیا تھا، اور وہ آیت سورہ مریم سے  
ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

” اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِنَ النَّبِیِّیْنَ  
مِنْ ذُرِّيَّةِ آدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ وَمِنْ  
ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْرَٰئِیْلَ وَمِمَّنْ هَدٰیْنَا  
وَاجْتَبٰیْنَا اِذَا تُلٰی عَلَیْهِمُ الْاٰیَةُ الرَّحْمٰنِ



”وَإِذَا مَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُمْ مَّن يَقُولُ أَيْكُمُ  
زَادَتْهُ هَذِهِ إِيمَانًا“  
(سورۃ قوبہ آیت ۱۲۲)

”اور جب کوئی سورۃ نازل ہوتی ہے تو ان میں سے ایسے لوگ بھی  
ہیں جو کہتے ہیں کہ اس (سورۃ) نے تم میں سے کس کے ایمان کو زیادہ  
کیا۔“

یعنی: وہ یہ نہیں پوچھتے کہ کس کا ایمان بڑھ گیا جب کوئی سورۃ نازل ہوتا ہے  
تو کچھ لوگ بیٹھ رہتے: فَمِنْهُمْ مَّن يَقُولُ، ان میں کوئی کہتا ہے  
.... اَيْكُمُ زَادَتْهُ هَذِهِ إِيمَانًا۔ وہ یہ نہیں پوچھتے کہ تم میں سے  
کس کا ایمان بڑھ گیا۔؟ آگے ارشاد ہوتا ہے:

”فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فزَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَهُمْ  
يَسْتَبْشِرُونَ“

”پس جو صاحبانِ ایمان ہیں، وہ (سورۃ) انہی کے ایمان میں  
اضافہ کرتی ہے اور وہ خوش و خرم ہوجاتے ہیں۔“

یعنی: جن لوگوں کا ایمان ہے اور یقیناً ان لوگوں کا ایمان ہے تو یقیناً ان  
کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں۔“

سلسلہ آیت جاری ہے:

”وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ فزَادَتْهُمْ  
رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا وَهُمْ كَافِرُونَ“

(سورۃ قوبہ آیت ۱۲۵)

”مگر وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے، وہ (سورۃ) ان کی  
نجاست میں مزید نجاست کا اضافہ کرتی ہے اور وہ حالتِ کفر ہی میں مرتے ہیں۔“

یعنی: ... لیکن، جن کو پانی کڑوا معلوم ہوتا ہے جن کے دلوں میں بیماری،  
یہاں آیتوں پر آیتیں وہاں نجاست پر نجاست بڑھتی جاتی ہے  
شک پر شک ہوتا ہے۔

آیتیں نازل ہوتی ہیں، نجاست بڑھتی ہے... کیوں؟... یہ اس لیے  
کہ وہ دل لذت طلب اپنی اضافت سے لذت کو ڈھونڈ رہا ہے۔ اپنے تعلق سے  
لذت کو ڈھونڈ رہا ہے کہ یہ میرے لیے تو لذت نہیں ہے... تو حکم ہوا کہ اچھا  
جاؤ نجاست میں رہو، تمہارے لیے یہی ہے۔۔۔۔

اس لیے آیت کا ذکر کیا کہ آیت کا نزول نعمت ہے اور چونکہ آیت نازل  
ہو کر پہلے دل کو متاثر کرتی ہے، اس لیے وہ ”نعمتِ باطنی“ ہے اور جیسے ہی  
آیت نازل ہوئی کسی کے دل میں شک ہوا وہ ”نجاستِ باطنی“ ہے۔ زبان پر  
آجائے تو پھر نجس ہو گیا اور ظاہری نجاست کا بھی اعلان ہو گیا۔

انسان کائنات کو دیکھتا ہے اپنی اضافت سے۔۔۔ بڑی اہم گفتگو ہے۔  
اشیاء کو دیکھتا ہے اپنی اضافت سے۔ یعنی کائنات اس طرح سے نہیں دیکھتا  
کہ خالق کے تعلق سے دیکھے۔ کائنات کو اپنے تعلق سے دیکھ رہا ہے۔ لہذا  
ٹھوکر پر ٹھوکر کھا رہا ہے۔ اگر کائنات کو خالق کے تعلق سے دیکھے تو پھر اس کے  
لیے عظمتیں ہی عظمتیں ہیں، نعمتیں ہی نعمتیں ہیں۔ اور نعمت پانے والے کو ان میں

انبیاء... انبیاء... خبر پہنچانے والے۔۔۔ پھر صدیقین، یعنی تصدیق  
کرنے والے... کہ جو (انبیاء) صداقت کو لائے تو ان کی تصدیق کرنے والا

بھی ساتھ ساتھ ہو۔۔۔۔۔ سورۃ زمر (۳۹) اور سورۃ (۱۲۵) ارشاد ہوتا ہے

”وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ“ (آیت ۲۳)

”اور وہ جو سچ لیکر آیا، اور وہ جس نے اس کی تصدیق کی وہی لوگ تو صاحبانِ تقویٰ  
ہیں۔“



ایک تو صدق کو لاتا ہے اور تصدیق کرنے والا ساتھ ہوتا ہے۔ اکثریت کی ضرورت نہیں ہے، ایک کی، ایک ہی تصدیق کر دے تو بس کافی ہے۔  
..... صلوات ..... نعرۂ حیدری .....  
جَاءَ بِالْصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ "آیا وہ صدق کو لیکر اور دوسرے تصدیق کی۔۔۔"

بعثت رسولؐ تاریخ اسلام کا بڑا عجیب واقعہ ہے۔ اور نہج البلاغہ کے ایک طویل خطبے میں اس بعثت رسولؐ پر بڑی وضاحت سے گفتگو ہے۔ کہ پہلا دن کیسا گزرا نبوت کا۔۔۔ امیر المومنین علیؑ فرماتے ہیں کہ:  
"وَلَقَدْ كَانَ يَجَاوِرُنِي كُلَّ سَنَةٍ بِحِجْرَاءٍ، بِهَرِّ سَلَامٍ كَظَمْتُ دُونَ غَارِهَا مِائِينَ رَهْتَةٍ تَحْتَهُ سِرَّكَ رِسَالَتِ قَاسِرٍ أَوْ لَا يُؤَاهُ غَيْرِي" اور وہاں میرے علاوہ کوئی انھیں نہیں دیکھتا تھا۔ وَلَمْ يَجْمَعْ بَيْتٌ وَاحِدٌ يَوْمَ مِيزَانٍ فِي الْإِسْلَامِ غَيْرُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَخَدِيجَةٌ وَأَنَا ثَالِثُهُمَا۔ اُس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خباب (ام المومنین) خدیجہ کے گھر کے علاوہ کسی گھر کی چھار دیواری میں اسلام نہ تھا البتہ تیسرا ان میں میں تھا۔ اَرْبَى نَوْرًا نُوْحِي وَالرَّسَالَةَ وَاشْمُرَ رِيحَ النَّبُوَّةِ اور میں نور وحی اور رسالت کے نور کو دیکھتا تھا اور نبوت کی خوشبو سونگھتا تھا۔ وَلَقَدْ سَمِعْتُ زَيْنَةَ الشَّيْطَانِ حِينَ نَزَلَ الْوَحْيُ عَلَيْهِ ﷺ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا هَذِهِ الزَّيْنَةُ، جب آپؐ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو میں شیطان کی ایک چیخ سنی تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، یہ چیخ کیسی ہے؟  
لہ خطبہ نمبر ۱۹ موسوم بہ قاصد پڑھ کر دیکھیے۔

فَقَالَ هَذَا الشَّيْطَانُ أَيْسَ مِنْ عِبَادَتِهِ إِنَّكَ تَسْمَعُ مَا أَسْمَعُ وَتَوَلَّى مَا أَرَى إِلَّا أَنَّكَ لَسْتَ بِنَبِيٍّ وَلَكِنَّكَ وَزِيرٌ وَإِنَّكَ لَعَلَى خَيْرٍ" آپؐ نے فرمایا کہ یہ شیطان ہے جو اپنے پوجے جانے سے مایوس ہو گیا ہے۔ (اے علی!) جو میں سنتا ہوں، تم بھی سنتے ہو اور جو میں دیکھتا ہوں وہ تم بھی دیکھتے، فرق یہ ہے کہ تم نبی نہیں ہو بلکہ (میرے) وزیر و جانشین ہو اور یقیناً تم بھلائی پر ہو۔  
اس کے بعد آپؐ نے آواز دی کہ ادھر آؤ میں نبی ہوں، ادھر آؤ میں اللہ کا رسول ہوں "إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ جَمِيعًا" (الاعراف آیت ۱۵۷)  
"بیشک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب پر"  
کیا تم مانو گے؟ ..... لوگوں نے کہا: ہاں۔۔۔۔۔ آپؐ نے فرمایا:  
(قرآن سورہ ص ۳۸ والی سورہ) آیت ۳-۴  
"وَعَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ وَقَالَ الْكُفِرُونَ هَذَا سِحْرٌ كَذَّابٌ" (ص ۳-۴)  
"اور انھوں نے تعجب کیا کہ ان کے پاس انھیں میں سے ایک ڈرانے والا آیا، اور کافروں نے کہا یہ جادوگر ہے بہت جھوٹا ہے۔"  
یہ الفاظ استعمال کیے۔ پیغمبرؐ نے کہا: تم مانو گے؟۔۔۔ کہا کہ ہاں ہم مانیں گے بشرطیکہ بتینہ (معجزہ) ہو۔ کوئی معجزہ ہو۔۔۔۔۔ آپؐ نے کہا: کیا معجزہ چاہتے ہو؟۔۔۔۔۔ کہا: وہ درخت جو اُس مقام پر ہے، اُڑتے ہوئے آپؐ کے پاس آئے۔۔۔۔۔ مقام تصدیق پر گفتگو ہے۔۔۔ امیر المومنینؑ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ ایسا ہی ہوا



اور سچی تصدیق کرنے والا ہے آپ کے متعلق ؟  
 ” فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ  
 وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ “

اور شہداء کی منزل معین ہے۔۔۔ ظاہر ہے شہداء شہید ہیں اور صالحین  
 وہ وارث ارض۔۔۔ زمین کے وارث۔ (سورۃ انبیاء اکیسواں سورہ :)  
 ” وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ  
 الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ “ (انبیاء آیت)  
 ” اور بیشک ہم نے زبور میں ذکر کے بعد لکھ دیا تھا کہ زمین کے  
 وارث ہمارے صالحین بندے ہوں گے۔“

عباد الصالح، تو یہ نعمت پانے والے ہیں۔۔۔ راستہ ان کا  
 ڈھونڈ رہے ہیں جہاں نقص نہ ہو۔۔۔ جہاں کمال ہی کمال ہو۔۔۔ اور ایسی  
 منزل پر جہاں ہم اس کمال کو دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ وہاں خیر ہی خیر ہے  
 ۔۔۔ کوئی پہلو ایسا نہیں ہے کہ جہاں کوئی بُرائی ہو، بجز اس کے کہ دیکھنے  
 والے کے آئینے پر زنگ ہو۔۔۔ زنگ آلود آئینے میں اگر آفتاب کو دیکھیے  
 تو ایسا لگے گا۔۔۔ ایسا معلوم ہوگا کہ آفتاب پر دھبے ہیں۔۔۔ یہ اس لیے  
 کہ آئینے کا زنگ عکس کو زنگ آلود کر دیتا ہے۔۔۔ اسی طرح دل کے شیشے  
 پر اگر زنگ ہے تو ظاہر ہے کہ ہر صورت بُری نظر آئے گی۔۔۔ اور ہر چیز میں  
 آپ کو کوئی نہ کوئی کمی نظر آئے گی۔۔۔ اور جہاں دل کا شیشہ مجلہ ہے۔۔۔  
 صاف ہے۔۔۔ پاک ہے۔۔۔ اس کو جلا ر دی گئی ہے تو ظاہر ہے کہ اس  
 تجلّی کے ساتھ پکارنے والا پکارتا ہے :

” يَا آلِ مُحَمَّدٍ أَنْتُمْ أَوْلَهُ وَأَصْلُهُ وَفَرَعُهُ وَمَخْدِنُهُ  
 وَمَاؤُهُ وَمُنْتَهَاهُ “

اور پیغمبرؐ فرماتے ہیں کہ:

” میں اس وعدے کو پورا تو کر رہا ہوں کہ۔۔۔ میں اس درخت کو  
 بلاتا ہوں، مگر میں تم میں سے اکثر کو بدر کے کوئیں میں دیکھ رہا  
 ہوں کہ ان کی لاشیں وہاں پڑی ہوئی ہیں۔۔۔ میں تم کو قریب  
 سے دیکھ رہا ہوں۔۔۔ بدر کے کوئیں میں۔۔۔“

یہ کہہ کر درخت کو اشارہ کیا۔ وہ درخت اُڑتا ہوا آیا۔۔۔ پورے  
 ہنچ البلاغ میں یہ ایک ہی معجزے کا تذکرہ خطبہ قاصعہ کے نام سے ہے۔  
 وہ درخت اُڑتا ہوا آیا، اور میں نے کہا ”اے اللہ کے رسول! میں شہادت  
 دیتا ہوں کہ آپ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَإِنِّي أَوَّلُ مُؤْمِنِينَ بِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ  
 وَأَوَّلُ مَنْ أَقْرَبَ بَانَ الشَّجَرَةَ فَحُلْتُ مَا فَحُلْتَ بِأَمْرِ اللَّهِ  
 تَعَالَى تَصْدِيقًا بِنُبُوتِكَ وَاجْتِلَاً بِكَلِمَتِكَ “  
 ” کوئی خدا نہیں ہے سولے اللہ کے۔ اے اللہ کے رسول! میں آپ پر سب سے  
 پہلے ایمان لانے والا ہوں اور سب سے پہلے اس کا اقرار کرنے والا ہوں، کہ  
 اس درخت نے بحکم خدا آپ کی نبوت کی تصدیق اور آپ کے کلام کی عظمت  
 و برتری دکھانے کے لیے جو کچھ کیا ہے وہ امر واقعی ہے۔“  
 یہ سنی کر کفار نے کہا:

بَلْ سَاحِرٌ كَذَّابٌ عَجِيبُ السِّحْرِ خَفِيفٌ فِيهِ وَهْلُ  
 يُصَدِّقُكَ فِي أَمْرِكَ إِلَّا مِثْلَ هَذَا (يَعْنُونَ نَبِيَّ)  
 بلکہ یہ پرلے درجے کے جھوٹے اور جاوید گہ ہیں ان کا سحر عجیب

غریب ہے اور اس چابکدست امر پر آپ کی تصدیق اس جیسے  
 ہی کر سکتے ہیں۔ (اس جیسے سے مراد میں تھا) یعنی اس بچے کے علاوہ کوئی



ظاہر ہے کہ چاہنے والا بھی نزدیک ہے، قائل بھی نزدیک ہے.....  
 دونوں نزدیک ہیں، دونوں کا فرق بھی ظاہر ہے... دونوں نزدیک ہیں...  
 صرف نزدیکی ہی کافی نہیں ہے۔۔۔ صرف نزدیکی قابل ذکر نہیں ہے.....  
 قائل قریب ہے.... اس طرح سے انسان اگر نزدیکی ڈھونڈے تو وہاں ایک  
 ہستی کل ذہن میں رہے... ایک حقیقت کل ذہن میں رہے۔ اور اگر وہ  
 حقیقت کل ذہن میں ہے تو آئیے پھر خلاصہ تقریر اور اس کے بعد دعا۔  
 کیا خیال ہے ملت اسلامیہ کا، کہ انسانیت میں، دائرہ تکوین و تسلیم میں،  
 کل کائنات میں کوئی انسان ہے کہ جس پر نعمتیں تام ہوتیں، کوئی ایسا انسان ہے  
 جس پر نعمتیں تام ہوتیں، اور اس انسان کی عظمت یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ اس کا  
 نام لیا جائے، ایسا انسان اگر.... اگر کلمہ کسی کو لذت نہ بخشنے تو کیا کیا  
 جاسکتا ہے، مگر کلمے کی لذت تو دیکھو کہ ایک طرف تو حقیقتیوم لم یزل  
 ولایزال کا نام دوسری طرف ساتھ ہی ایک بندے کا ذکر..... کتنا  
 صاحب نعمت ہے۔ نعمتیں کتنے کمال پر پہنچی ہوئی ہیں، تو ایسے انسان کے لیے  
 .... سمجھنے کی ضرورت ہے۔۔۔ اس انسان سے اگر ربط ہے، اس انسان سے  
 اگر سہمردی ہے، اس انسان کے لیے اگر قرآن کی آیتیں ہیں تو اس کی عظمت،  
 اس کا احترام اور اس کے وقار کا خیال کرو.... اس کے وقار کا خیال کرو۔

(الفتح اڑتالیسواں سورہ)

”لَتُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَتُخْزِرُوْهُ وَتُقِرُّوْهُ...“

”تاکہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اُسے تقویت

پہنچاؤ اور اس کی توقیر کرو...“ (سورہ فتح آیت ۹)

یعنی: اس کی عزت کرو، اس کے وقار کا خیال کرو۔۔۔ تو کیا یہ وقار محمد کا

”اے آل محمد! آپ اس کے اول، اس کے آخر، اس کی اصل  
 ہیں، اس کی فرع، اس کا مبداء، اس کا معدن، اس کا ماوی  
 اور اس کی انتہا، وہ سب تمہاری ذات ہے۔۔۔ صلوات۔۔۔ نعرہ۔۔  
 اِنْ ذُكِرَ الْخَيْرُ، اگر خیر کا ذکر کیا جائے۔ ظاہر ہے یہی تو خیر عمل  
 کہ جس کی طرف بلا یا گیا۔۔۔ جس کی طرف دعوت دی گئی، جس کی طرف آواز  
 دی گئی کہ دیکھو! خیر عمل کی طرف آؤ اور دنیا یہ سمجھتی رہی کہ یہ جہاد ہے۔۔  
 ۔۔۔ ہاں یہ بھی جہاد ہے۔۔۔ یہ... بھی... جہاد ہے۔ نفس کو موڑ دینا  
 کسی کی جانب، رُخِ حیات کو پھیر دینا کسی کی جانب، یہ بھی تو جہاد ہے۔۔۔ آؤ  
 چلو ان کی بارگاہوں میں کہ جہاں طہارت ہے، جہاں کمال ہے، جہاں  
 خیر ہے، حق ہے، جہاں صدق ہے، جہاں نسبتیں صحیح ہیں۔۔۔ اور  
 اس طرح وہاں نعمت اپنے کمال پر پہنچتی ہے اور جہاں نعمت اپنے کمال پر  
 پہنچتی ہے تو پھر ہم انھیں سے نعمت طلب کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ  
 نعمت تو ہے ہی موجود، مگر لذت بھی وہ ملے کہ جہاں دل قبول کرے نعمت کو  
 .... محبت کسی اور کی ہو تو دشمن کے دل کو کیا لذت؟ آپ نے دیکھا  
 عجیب منزل ہے.... کیا لذت کسی دشمن کو اگر کسی کی محبت کا تذکرہ کیا  
 جائے.... گفتگو محیط ہے۔۔۔ گفتگو ہمہ گیر ہے، اس لیے اس کو محفوظ  
 کرتے ہوئے آگے بڑھ جائیے.... ہم یہ چاہتے ہیں کہ تعلق ہواں ہستیوں  
 سے جن پر اللہ نے نعمتوں کو نازل کیا اور انسان کو شش کرے کہ ہم ان ہستیوں  
 سے قریب ہو جائیں اور اس کیف کو پائیں، اس لذتِ محبت کو پائیں، اس  
 لذتِ معرفت کو پائیں، اس لذتِ عرفان کو پائیں، اس لذتِ وجہان کو  
 پائیں کہ جو ان کے قرب سے، ان کی نزدیکی سے حاصل ہوتی ہے۔



اور چوتھے امامؑ فرماتے ہیں کہ جیسے ہی ہم ناقوں سے اترے :  
 "اقْبَلُوا جِبَالَ فَارُ بَقُوا فَا فِيهَا مِثْلُ الْاَغْنَامِ"  
 کچھ رسیاں لائی گئیں اور ہم کو بھیڑ بکریوں کی طرح باندھ دیا گیا۔  
 کسی کا گلا، کسی کا بازو۔ اس طرح سے رسیاں باندھی گئیں۔۔۔ اسیروں آلِ نبیؐ  
 اسیروں آلِ رسولؐ۔۔۔ کیا تاریخِ اسلام مجلہ دے گی اس واقعے کو۔۔۔  
 اسیر ہو کر رہے ہیں۔ اللہ، قیامت کی اسیری ہے۔ کوئی عابد بیمار  
 کے دل سے پوچھے۔۔۔ ہو گئی گفتگو۔۔۔  
 عابد بیمار بعد واقعہ کربلا ۲۵ برس زندہ رہے، جب کبھی آپ سے پوچھا  
 گیا۔۔۔ آپ پر مصیبت کہاں زیادہ گذری؟ تو آپ ہمیشہ کہتے تھے  
 الشَّامُ۔۔۔ الشَّامُ۔۔۔ الشَّامُ

"اَلَا بَعَثَ اللّٰهُ عَلٰی قَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ

يَا صَاحِبَ الْجَمَالِ وَيَا سَيِّدَ الْبَشَرِ  
 مِنْ وَجْهِكَ النُّورُ لَقَدْ نَوَّرَ الْقَمَرُ  
 لَا يُمْكِنُ الشَّأْنُ كَمَا كَانَ حَقُّهُ  
 بَعْدَ اِزْخَادِ بَرْكَ تَوْنِي قِصَّةَ مُخْتَصَرِ

منظاہرہ ہے۔۔۔ کیا یہ احترامِ محمدؐ کا مظاہرہ ہے۔۔۔ کہ نبی کی نواسیاں بازار  
 میں لائی جائیں۔۔۔ گفتگو نے اس منزل پر پہنچایا۔۔۔ ہم مسائل پر بحث  
 کر رہے ہیں۔ نامِ محمدؐ احترام چاہتا ہے۔ محمدؐ کا گھرانا احترام چاہتا ہے۔۔۔  
 اتنا تاریخِ کھدے کہ واقعہ غلط۔۔۔۔۔ یہ واقعہ ہوا ہی نہیں۔۔۔ اور اگر  
 ایسا واقعہ ہوا ہے۔۔۔ تو نبی کی نواسی لائی گئی ہے بازار میں۔۔۔ تو اس سے  
 بڑھ کر کوئی اور ظلم ہے، کوئی اور ناحق پرستی کا مظاہرہ ہے۔۔۔۔۔ عزیزو! یہ  
 عجیب منزل ہے، یہ عجیب کیفیت ہے کہ ہم ان دونوں جبکہ ہماری تقدیریں  
 ختم ہو رہی ہیں یہاں کی، اس امر کی کوشش کرتے ہیں کہ سلسلہ گفتگو کو جاری  
 رکھیں۔ آپ کے مظلوم چوتھے امامؑ کہتے ہیں :  
 اَقَادُ ذَلِيلًا فِي دَمَشْقٍ كَأَنِّي  
 مِنَ الرَّحْمَةِ عَبْدٌ غَابَ عَنْهُ نَصِيرُ  
 ہم کو اس طرح ذلیل کر کے دمشق میں لیجا یا گیا کہ جیسے غلامانِ ترکِ روم کو لیجاتے تھے  
 اور ان کا کوئی مددگار نہ تھا۔

اس کے بعد فرماتے ہیں :

"اقْبَلُوا جِبَالَ فَارُ بَقُوا فَا فِيهَا مِثْلُ الْاَغْنَامِ"

(کچھ رسیاں لائی گئیں اور ہم کو بھیڑ بکریوں کی طرح باندھ دیا گیا)

مجھے دو واقعات یاد ہیں تاریخِ اسلام کے، کہ جنگِ جمل کے بعد روان  
 بن حکم قید ہو گیا۔ امام حسنؑ نے سفارش کی، امیر المومنینؑ نے کہا اس کے بندھے ہوئے  
 ہاتھ کھول دو۔ اب وہ میرے سامنے ہے۔ مروان کے بندھے ہوئے ہاتھ کھول دیے گئے۔ دوسرا واقعہ  
 انیسویں ماہِ رمضان ۴۰ھ ہجری کی صبح۔ ابنِ ملجمؑ کو لایا گیا۔ امیر المومنین علیؑ سلام  
 نے غش سے آنکھیں کھولیں۔ فرمایا کہ اے ابنِ ملجمؑ! کیا میں تیرا برا امام تھا۔ پھر  
 فرمایا، اس کے ہاتھ کھول دو۔ ہاتھ نہ باندھو۔۔۔ قاتل اور ظالم کے تو ہاتھ  
 کھول دیے جائیں۔ اور۔۔۔



## مجلس ہفتم

- ۱- ”وَمِنَ النَّاسِ“ سے شروع ہونے والی آیات کی اہمیت۔
- ۲- درجات کے مطابق نعمتیں عطا ہوتی ہیں۔
- ۳- حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا ذن اللہ مردوں کو زندہ کرتے تھے
- ۴- جس پر نعمت نازل ہوتی ہے، بندے اُس کے پاس جاتے ہیں اور اُسے  
”پکارنا شرک نہیں ہے۔“
- ۵- ”کفرانِ نعمت“ کا عذاب ایسا ہے جو عالمین میں اور کسی کیلئے نہیں ہے۔
- ۶- اختیاراتِ پیغمبر، شجاعتِ پیغمبر کا تذکرہ۔
- ۷- ختمی مرتبت کی مکتی اور مدنی زندگی الگ نہیں۔
- ۸- آیتِ درود کی روشنی میں درودِ نعمت ہے جو جاری ہے۔
- ۹- آیتِ درود کا انکار کفرانِ نعمت ہے۔
- ۱۰- حُرملہ کی گرفتاری۔
- ۱۱- قاتل کی زبان سے شہادت حضرت علی اصغرؑ کا بیان۔
- ۱۲- حُرملہ کے تیرے مرنے علی اصغرؑ کا گلا نہیں چھدا، بلکہ آلِ محمدؑ کا  
دل بھی چھلنی ہو گیا۔



## ساتویں مجلس کفرانِ نعمت

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
”الْمُتَرَدِّ إِلَى الَّذِينَ بَدَلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا وَ  
أَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ“ (سورۃ ابراہیم آیت ۲۱)  
”کیا تو نے ان لوگوں کے بارے میں غور نہیں کیا جنہوں نے اللہ کی  
نعمت کو کفران (ناشکری) سے بدل دیا اور اپنی قوم کو ہلاکت  
کے گھر میں جھونک دیا۔“ ۹

”کفرانِ نعمت“ کے عنوان پر یہ ساتویں تقریر ہے۔ میں اپنی کچھ  
بیانی کا معترف ہوں، اس کا مجھے احساس ہے کہ میں نے خدمت کا حق ادا نہیں  
کیا، لیکن یہ کوشش جاری ہے کہ اس عنوان پر جس قدر ہم وسائل علمی رکھتے ہیں  
ان ذرائع سے وہ تمام معلومات کریں کہ جن سے ہماری فکر مستقیم ہو جائے اور غور و فکر  
کے لیے ایک راہ معین ہو۔ . . . . صلوات . . . . .  
”کل کی تقریر میں ایک آیت زیر بحث تھی اور وہ یہ کہ جہاں خداوند علیٰ اعلیٰ  
نے ظاہری اور باطنی نعمتوں کا ذکر فرمایا، اور ارشاد ہوا:  
”الْمُتَرَدِّ إِلَى اللَّهِ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَاسْتَبَعَّ عَلَيْكُمْ  
نِعْمَتَ ظَاهِرَةٍ وَبَاطِنَةٍ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَ  
لَا كِتَابٍ مُنِيرٍ“ (سورۃ لقمان آیت ۲۰)

ترجمہ ”کیا تم، نہیں دیکھتے، کہ جو کچھ بھی آسمانوں میں اور زمین میں  
اللہ نے اُسے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور  
باطنی نعمتوں کی فراوانی کی، پھر بھی لوگوں میں سے ایسے ہیں جو اللہ  
کے بارے میں بغیر کسی علم و ہدایت اور کسی روشن کتاب کے  
جھگڑتے ہیں۔“

یعنی: تم نے دیکھا کہ تمہارے لیے زمین و آسمان کی ہر شے کو ہم نے مسخر کر دیا  
ہے اور تم پر ظاہری اور باطنی نعمتیں ہم نے مبذول کر دیں، لیکن  
انسانوں میں کچھ لوگ ہیں جو اللہ سے جدال کرتے ہیں۔ وَمِنَ النَّاسِ  
مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُنِيرٍ  
ان کے پاس کوئی علم ہے نہ ہدایت ہے نہ کوئی روشن کتاب ہے۔“

مگر اس کے باوجود وہ الہیات میں ذلیل ہیں، مگر اس کے باوجود وہ مسائل مذہب  
میں اپنے آراء کو اپنے قیاس کو استعمال کر رہے ہیں بغیر علم وہ دین کے متعلق  
گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے بھی لوگ ہیں۔

قرآن مجید میں وہ آیتیں جو ”وَمِنَ النَّاسِ“ سے شروع ہوتی ہیں وہ بہت  
ہی غور و فکر کے قابل ہیں۔ ایک تو یہی آیت ہے۔ دوسرے سورۃ حج ۲۲ واں  
سورۃ قرآن مجید کا۔ ارشاد ہوا:

”وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّبِعُ  
كُلَّ شَيْطَانٍ مَّرِيدٍ“ (سورۃ حج آیت ۳)

”اور لوگوں میں سے ایسا بھی ہے جو اللہ کے بارے میں بغیر کسی  
علم کے جھگڑتا (بحث کرتا) ہے اور ہر سرکش شیطان کی پیروی  
کرتا ہے۔“



یعنی: اور انسانوں میں وہ لوگ بھی ہیں جو اللہ کی راہ میں جدال (اللہ کے بارے میں جھگڑا) کر رہے ہیں، بغیر علم کے اور ہر خود کار شیطان کے اغوار میں وہ آجاتے ہیں۔ "وَيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطَانٍ مَّرِيدٍ" ظاہر بات ہے کہ اگر انسانیت کے مراتب کا کوئی قائل نہ ہو تو صحیح معنی میں ہم اس کو فنی عقل و ذی فہم تو کہہ نہیں سکتے۔ اس لیے کہ پروردگار عالم نے اپنے آسمانوں سے ایک اسم اپنا بیان کیا "رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ" درجوں کا بلند کر نیوالا "ذوی العرش اور پھر: (سورہ نحل آیت ۲) میں فرمایا: "يُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ" وہ نازل کرتا ہے فرشتوں کو روح کے ساتھ (وحی کے ساتھ) اپنے حکم سے، اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے۔ قرآن نے کہا اپنے امر سے روح کو اپنے بندوں پر جس پر چاہتا ہے نازل کرنے والا ہے۔ وہ رفیع الدرجات ہے۔ درجوں کا بلند کر نیوالا ہے۔ پھر سورہ انعام میں ارشاد ہوا: "وَتِلْكَ جَحَّتْنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَى قَوْمِهِ طَنَزَفُهُ دَرَجَاتٍ مِّنْ نَّشَأُ ط" (سورہ انعام آیت ۸۳) "اور یہ ہماری دلیل ہے جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے خلاف عطا کی، ہم جس کو چاہتے اس کے درجات بلند کرتے ہیں۔" یعنی: ہم نے اپنی جہتیں... جو ابراہیم کو عطا کیں، اور ہم جس کے درجے کو چاہتے ہیں بلند کرتے ہیں۔ یہ قرآن مجید میں مدارج کے فرق پر گفتگو ہے۔ قرآن مجید نے بتلایا ہے کہ درجے سب کے الگ الگ ہیں ایک جیسے سارے انسان نہیں ہیں۔ علماء اولیاء

صوفیاء کرام سب نے (اس بحث میں حصہ لیا ہے۔ سب سے زیادہ دلچسپی مولانا روم نے لی ہے کہ انھوں نے اپنی نظم کا ایک بہت بڑا حصہ اس بحث کی نذر کیا ہے کہ جہاں وہ یہ بتلاتے ہیں کہ انسان اگر فرق مراتب نہ کرے تو کیا ہو جائے۔ اپنی غزل کے دیوان میں ایک شعر کہا ہے: ہر مرتبہ از وجود کھکے دارد و، در حسب مراتب نہ کئی زندیقی "وجود میں ہر مرتبے کے لیے ایک حکم ہے، اگر حسب مراتب نہ ہو تو آدمی زندیق ہے۔" مولانا روم اپنی مشنوی میں کہتے ہیں کہ جس طرح انسان.. ش.. ی.. ر (شیر) لکھتا ہے۔ اس شیر کو فارسی میں ہم دودھ کے معنی میں کہتے ہیں اور ایک اور شیر ہے۔ اردو زبان میں شیر ہے جانور، جو جنگل کا بادشاہ ہے اسے وہ اپنے شعر میں یوں کہتے ہیں: گرچہ باشد در نوشتن شیر شیر "اُنچہ ہر شیری کہ آدم می خورد اُنچہ ہر شیری کہ آدم را خورد" یعنی: ایک شیر (دودھ) وہ ہے جس کو آدمی پیتا ہے اور ایک شیر (جانور) وہ ہے جو آدمی کو کھا جاتا ہے۔" اسی طرح سے بحث کرتے ہوئے وہ آگے بڑھتے ہیں اور فرماتے ہیں: ہمسری با اولیاء برداشتند انبیاء را ہچو خود انداختند یعنی: انسانوں میں سے کچھ نے اولیاء سے برابری کا دعویٰ کیا اور انبیاء کو اپنے برابر جانا۔ جب چہروں کو دیکھو تو ملتے جلتے چہرے ہیں۔



مگر وہ شعور نہیں رکھتے۔“

د اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی اور وہ جنہیں رزق میں فضیلت دی گئی ہے اپنا رزق اُن تک نہیں پہنچاتے جو اُن کے تابع فرمان ہیں۔ حالانکہ وہ اُس میں برابر کے حصّے دار ہیں۔ پس کیا وہ اللہ کی نعمت کے انکار ہی (منکر) ہیں۔“



معاد پر ایمان لائے۔ ایمان ہے۔ لیکن وہ ایمان دار نہیں ہیں، وہ۔۔۔  
 ”يُخَدِّعُونَ اللَّهَ وَ الَّذِينَ آمَنُوا“

”دھوکا دے رہے ہیں اللہ کو اور صاحبانِ ایمان کو“

ان کی پہچان یہ ہے، اور یہ پہچان صرف قرآن کی حد تک نہیں ہے۔ وہ نسخہ دیا ہے آپ کو بھی۔ اور وہ پہچان یہ ہے کہ: (سورہ بقرہ آیت ۱۴)

”وَ اِذَا قَالُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيْطٰنِيْنٰهُمْ“

”اور جب وہ ایمان والوں سے ملاقات کرتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تو ایمان دار ہیں، اور جب وہ اپنے شیطانوں سے خلوت و تنہائی میں ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ بیشک ہم تو تمہارے ساتھ ہیں، سوائے اس کے نہیں ہے کہ ہم تو ان کا مذاق اڑاتے تھے۔“

”وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيْطٰنِيْنٰهُمْ“

”اور جب وہ ایمان والوں سے ملاقات کرتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تو ایمان دار ہیں، اور جب وہ اپنے شیطانوں سے خلوت و تنہائی میں ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ بیشک ہم تو تمہارے ساتھ ہیں، سوائے اس کے نہیں ہے کہ ہم تو ان کا مذاق اڑاتے تھے۔“

”وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيْطٰنِيْنٰهُمْ“

”اور جب وہ ایمان والوں سے ملاقات کرتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تو ایمان دار ہیں، اور جب وہ اپنے شیطانوں سے خلوت و تنہائی میں ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ بیشک ہم تو تمہارے ساتھ ہیں، سوائے اس کے نہیں ہے کہ ہم تو ان کا مذاق اڑاتے تھے۔“

یہ تیسری منزل ہے۔ اب اس کے لیے جو نام آپ طے کر لیں۔ قرآن مجید نے اس

مقام پر نام نہیں دیا آپ ان کا جو نام طے کریں۔ اب یہ اور بات ہے کہ سورہ منافقون

ترسٹھویں سورے میں نام دیا ہو۔ بہر حال یہاں نام نہیں دیا۔ اور اس آیت میں

کہ وہ اپنے شیطانوں کے پاس جاتے ہیں تو لفظ شیطان کہاں استعمال ہوا

دیکھیے! یہ کوئی خاص جنس شیطان نہیں ہے۔ یہ وہ شیطان نہیں ہے جس نے

سجدے سے انکار کیا تھا۔ یعنی یہ تو وہ شیطان ہیں کہ جنہوں نے شیطان کی

پیروی کرتے کرتے اپنے آپ کو سراپا مزاحمت بنالیا تھا۔ اب وہ خیر میں مزاحمت

بنکر خود شیاطین ہو گئے۔ وہاں (واقعہ آدم و حوا میں) ایک تھا۔ یہاں جمع ہے

جب اپنے شیطانوں کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔

”وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيْطٰنِيْنٰهُمْ“

(بقرہ آیت ۱۴)

”اور یہ کیا اللہ اور صاحبانِ ایمان کو دھوکا دیں گے، یہ تو خود اپنے نفسوں کو

دھوکا دے رہے ہیں۔“ ارے ”اس کا ان کو شعور ہی نہیں ہے۔“

قرآن مجید نے آغاز ہی کیا ہے مراتبِ انسان سے۔ پہلا مرتبہ:

”ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ“

”الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ“

(سورہ بقرہ آیت ۲-۳)

”یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں، متقین کے لیے ہدایت

ہے۔ (وہ متقی جو) غیب پر ایمان رکھتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں

اور ہم نے جو انھیں رزق دیا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ) میں

خرچ کرتے ہیں۔“

لیجیے، متقین کی تعریف آئی۔ دوسرا درجہ، بے اختیار آیا۔

”وَ اَنذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ“ (بقرہ ۶)

”یہ وہ لوگ ہیں، تم انھیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ، یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں“

تیسری بحث جب چھٹی تو اب یہ لوگ آئے۔

”وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ

بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ مَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ“ (بقرہ ۸)

”اور انسانوں میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور یوم

آخرت پر ایمان لائے، مگر وہ مومنین ہی نہیں ہیں۔“

یعنی: ایک تو وہ لوگ ہیں جو ایمان لاتے ہی نہیں ہیں۔ وہ دوسرا درجہ ہے یعنی

یامومن یا کافر۔ مگر قرآن نے ایک درمیان کا راستہ بھی نکالا، اور وہ یہ کہ وہ اپنی

زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں اللہ پر اور آخرت پر ایمان ہے۔ مبدار پر اور



ہوتا ہے اور اگر اس پر آزمائش آپڑے تو اپنا منہ موڑ کر پلٹ جاتا ہے (ناشکری کرنے لگتا ہے) وہ دنیا اور آخرت کے خسارے میں ہے، یہی تو ظاہر بظاہر (سراسر) خسارہ ہے۔“

یعنی: اور انسانوں میں وہ لوگ بھی ہیں جو شرط لگا کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ (یہ کام کر دیگا ہمارا، یہ مراد پوری ہو جائے گی ہماری تو پھر ہم تیری عبادت کریں گے) اگر خیر ہی خیر پہنچتا رہے تو پھر دل مطمئن رہتا ہے اُن کا۔ اور اگر ذرا سا امتحان لیا جائے تو بے اختیار منہ موڑ کر بھاگتے ہیں۔ ”نتیجہ، خسارہ“ دنیا کا بھی خسارہ اور آخرت کا بھی خسارہ۔

ایسے بھی لوگ ہیں جو شرط لگا کر بندگی کرتے ہیں کہ خیر دے۔ اور خیر سے بھی مراد خیرِ آخرت نہیں ہے۔ خیرِ دنیا، خیرِ مادی۔ روپیہ دے تب عبادت کرینگے شرط لگا کر عبادت کرتے ہیں کہ خیر ہے تو دل مطمئن ہو، ورنہ نہیں، ویسے منقلب ہو جاتیں۔۔۔ اور اللہ کو ان کی کوئی پرواہ نہیں ہے، کوئی فکر نہیں ہے کہ ان کو مجبور کیا جائے بندگی پر۔ یہ جو چاہیں کریں۔

پھر سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا:

”وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجْبِلُ قَوْلَهُ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يَشْهَدُ اللّٰهُ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ“ ..... (سورہ بقرہ آیت ۲۰۴)

”اور انسانوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس کی دنیاوی زندگی کی گفتگو تمہیں حیرت میں ڈال دے اور اللہ کو گواہ بنائے اس بات پر جو کچھ اُس کے دل میں ہے۔“

یعنی: انسانوں میں وہ لوگ بھی ہیں کہ دنیاوی امور کے متعلق اُن کی باتیں

یہ کیوں...؟ (اس لیے کہ) پہلے بتا چکا ہے فِي قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ (بقرہ آیت) اُن کے دلوں میں بیماری ہے۔ ہماری قدرت اگر چاہتی تو ہم صحت دیتے، مگر عقل دیکر شعور دیکر، پہچاننے کی صلاحیت دیکر، انبیاء کو بھیج کر کتابوں کو نازل کر کے پھر بیماری کو صحت سے کیوں بدلیں۔ یعنی ہم مسلسل اپنی جھٹوں کو بھیج کر ختم کر دیں اور پھر اُن بیماروں کو صحت بھی دیں۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔

آیت کو آگے بڑھا کر ارشاد ہوتا ہے:

”فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝“

”پس اللہ نے اُن کے مرض کو اور زیادہ کر دیا اور اُن کے لیے عذاب ہے دردناک، اس لیے کہ وہ جھوٹے ہیں۔“

اللہ نے منہ پھیر لیا۔ ظاہر ہے کہ اُن کے مرض میں اضافہ ہو گیا۔ نسبت تو بظاہر اللہ کی طرف ہے نا۔۔۔۔۔ قدرت نے نہیں چاہا کہ اُن کا علاج کیا جائے اور جب مرض شروع ہوتا ہے تو بڑھ جاتا ہے اور بغیر علاج کے مرض رہے تو یقیناً بڑھے گا۔ ان کے لیے تو دردناک عذاب ہے اس کے بعد۔۔۔۔۔ جھوٹ بول کر بچ نہیں سکتے۔۔۔۔۔ (سورہ حج باب ۲۵ سورہ آیت ۱۱) ارشاد ہوتا ہے۔

”وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْبُدُ اللّٰهَ عَلَىٰ حَرْفٍ ۚ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ ۚ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ انْقَلَبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ ۚ تَفْ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ۚ وَكَانَ مُخْسِرًا ۝“ (سورہ حج آیت ۱۱)

”اور انسانوں میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو شرط لگا کر (غیر یقینی طور پر) اللہ کی عبادت کرتے ہیں کہ اگر اُس کو کوئی بھلائی پہنچے تو اُس سے مطمئن



یہ ہیں مدارج انسان ... میں نے نام نہیں لیا کسی کا۔ نہ اُن انسانوں میں سے کسی کا، نہ اس انسان کا۔ ”وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ“ ... اور اپنے نفس کو بیچ کر اللہ کی مرضی کو خرید لیتا ہے۔ اور اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے۔۔۔ ایسے بھی انسان ہیں۔

تو پھر: ”در حسب مراتب نہ کئی زندگی“

اگر مرتبوں کی حفاظت نہ ہو تو ظاہر ہے کہ انسان صاحب عقل نہیں ہے۔ صاحب دین نہیں ہے، وہ کسی کتاب اور قانون کا پابند نہیں ہے۔

اب اس منزل پر پہنچ کر آپ نے دیکھا کہ مراتب ہیں .... میں کہہ رہا تھا کہ انسان کے کچھ مراتب ہیں۔ یہ بحث کچھ اس عنوان سے جا رہی تھی کہ اگر میں اپنے وقت میں اس بحث کو ختم کرنے کے قابل بن سکوں تو یقیناً یہ میرے ہی لیے ایک سکون کا باعث ہوگا، ورنہ پھر بحث کو ادھورا چھوڑ دینا اور اس کو کل پر رکھنا آپ کے دل و دماغ کے لیے ایک ذرا سا بار ہوگا۔ میں کوشش کرتا ہوں اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے اور وہی توفیق کا عطا کرنے والا ہے۔۔۔۔۔ صلوات۔۔۔۔۔

انسانوں کے یہ مدارج، کیا یہ طے نہیں کرتے کہ درجات کے مطابق نعمتیں عطا ہوتی ہوں گی۔ اگر درجے الگ الگ ہیں تو کیا عطا ہونے والی نعمتیں الگ الگ نہیں ہوں گی۔ ظاہر ہے جو پست درجے کے لوگ ہیں اُن کو نعمت حیات ملی۔ نعمت وجود عطا ہوتی۔ وہ جو سانس لے رہے ہیں اس ماحول میں جی رہے ہیں اُنکا ماحول اُن کیلئے سازگار ہے۔ مگر ہر آن ”کفرانِ نعمت“۔۔۔۔۔

مگر جن کو نعمت ظاہری کے ساتھ باطنی نعمتیں مل رہی ہیں اور ایسی نعمتیں مل رہی ہیں کہ تم کو دیتے ہیں تم تقسیم کرتے چلو۔ یعنی تمہارے ہاتھوں سے ہم تقسیم کروائیں گے، تاکہ تمہارے ہاتھوں میں یہ نعمتیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے باقی رہ جائیں۔

تعب میں ڈالتی ہیں کہ جو کچھ اُن کے دل میں ہے اُس پر اللہ کو گواہ کرتے ہیں۔

لیکن اے حبیب! ”وَهُوَ الَّذِي خَصَّامٌ“ اور وہ بدترین دشمن ہیں۔ ”وَإِذَا تَوَلَّى سَعَى فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ“ (بقرہ آیت ۲۰۵)

”اور جب اس کو حاکم بنا دیا جاتا ہے تو کوشش کرتا ہے کہ زمین میں فساد برپا کرے اور کھیتی اور نسل کو تباہ کر دے۔ اور اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

یعنی: جب اس کو ذرا سا اقتدار ملتا ہے تو زمین میں فساد کرتا ہے۔ نسلوں کو تباہ کرتا ہے، زراعتوں کو تباہ کرتا ہے۔ خدا فساد کو دوست نہیں رکھتا۔

انسانوں میں ایسے لوگ بھی ہیں۔ اور انہیں مدارج میں اگر کوئی ترقی کی بھی تو صورت معلوم ہو۔۔۔ اے خدا! انسانوں میں کسی ایسے انسان سے بھی تو کچھ روشناس کرا کہ جہاں دل ہمارا بے اختیار مطمئن ہو جائے۔۔۔ یعنی ہمیں میں ایک کامل انسان بھی ہے۔۔۔ قرآن نے کہا: وہی سورہ بقرہ (مسلل ہے)

”وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ“ (سورہ بقرہ آیت ۲۰۴)

”اور انسانوں میں سے ایسا بھی ہے جس نے اپنے نفس (جان) کو اللہ کی خوشنودی کے لیے بیچ دیا۔ اور اللہ اپنے (ایسے ہی)

بندوں پر نہایت مہربان ہے۔“

یعنی: انسانوں میں ایسے انسان بھی ہیں جو اپنے نفس کو بیچ کر مرضی مولا کو خرید لیتا ہے۔ صلوات۔۔۔ نغزہ حیدری۔



جیسا کہ سورہ نحل (قرآن مجید کا سولہواں سورہ) میں ارشاد ہے :

”وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا إِنَّ اللَّهَ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ“ (سورہ نحل آیت ۱۸)

”اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو (ہرگز) ان کو گن نہیں سکتے۔ بیشک اللہ بخشنے والا رحیم ہے۔“

لیکن سچہ خود ہی قرآن نے ارشاد فرمایا : مگر جب خود مالک بیان کرے :

تو ارشاد ہوتا ہے (سورہ مدہ پانچواں سورہ، آیت ۱۱۰)

”إِذْ قَالَ اللَّهُ يُعِيسِي ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَعَلَىٰ وَالِدَتِكَ إِذْ أَبَدْتُكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ تَكَلَّمَ النَّاسُ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِأَذْنِي فَتَنفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِأَذْنِي وَتُبْرِئُ الْأَكْمَةَ وَالْأَبْرَصَ بِأَذْنِي وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ بِأَذْنِي“

”اور جب اللہ کہے گا اے عیسیٰ ابن مریم! میری اس نعمت کو یاد کرو جو تم پر اور تمہاری والدہ پر نازل ہوئی، جب میں نے روح القدس (جبریل) سے تمہاری مدد کی، کہ تم جھولے میں (پڑے ہوئے) اور ادھیڑ عمر میں (کیساں طور پر) لوگوں سے کلام کرتے تھے۔ اور میں نے تمہیں کتاب و حکمت اور توریت و انجیل کی تعلیم دی، اور جب تم میرے اذن سے مٹی کے پرندوں کی مانند (بوتے) خلق کرتے تھے اور ان میں پھونک مارتے تھے اور وہ میرے اذن سے (بچ مچ، جاندار) پرند

”مَنْ كَانَ لِلَّهِ فِي مَالٍ يَجِدِ الرَّضَاهَا لَدَّ وَامٍ وَابْقَاءً“

جب کوئی انسان قیام کرتا ہے نعمتوں کی تقسیم پر، کہ اللہ سے نعمتیں اور بندوں کو دے دے تو نعمتیں اُس کے گھرانے میں دائمی ہو جاتی ہیں ہمیشہ کے لیے باقی رہتی ہیں۔

”وَمَنْ لَمْ يَقُمْ فِي مَالٍ مَا يَجِدِ الرَّضَاهَا فِي الرِّوَالِ وَالْفَنَاءِ“

”اور جو اپنے مال کی بقا کے لیے (تقسیم نعمت نہیں کرتا اور اس پر باقی نہیں رہتا تو یہ نعمتوں کے زوال و فنا کا سبب بن جاتا ہے۔ نعمتیں اس کے گھرانے میں نہیں رہتیں، وہ نعمتوں کو ضائع کر دیتا ہے۔“

تو جن گھرانوں میں نعمتیں رہ گئیں اور جن کو نعمتیں اپنے کمال پر ملیں، وہ انسانوں میں مدارج ہیں۔ کوئی درجہ ایسا بھی ہوگا جو کامل و اکمل ہوگا، کوئی درجہ ایسا بھی ہوگا کہ جس کے ماسوا کوئی درجہ نہ ہوگا، اگر مراتب ہیں تو نعمتیں بھی ہے۔ اگر مراتب ہیں تو کوئی ناقص ہے کوئی کامل ہے۔ اگر مراتب ہیں تو کوئی اس درجہ کمال پر ہوگا کہ جس کے مافوق کوئی درجہ کمال نہیں ہوگا۔ تو جو ایسا درجہ رکھتا ہوگا، اُس کو ایسی نعمتیں ملتی ہوں گی کہ جس کا اندازہ ہم مجز اس کے کچھ نہیں کر سکتے کہ :

”إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ“

صرف یہ کہ ہم سیدھے راستے کو طلب کریں۔۔۔۔۔ بہر حال بحث طولانی ہے۔ اگر ایک ایک نعمت کو دیکھا جائے، جیسا کہ خود قرآن نے کہا :

”صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“

ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے نعمتیں فرمائیں (انعام فرمایا)

”نعمت کا تعین“ نعمت کا تعین ایک مثال ہے۔۔۔۔۔ بحث بہت پر لنی ہے۔۔۔۔۔ یعنی اگر ایک ایک نعمت کو گننے کی کوشش کی جائے تو یہ ممکن نہیں ہے



یعنی: اے عیسیٰ! یاد کرو میری نعمت کو جبکہ ہم نے اپنی نعمتوں کو تم پر مبذول کیا  
تمہاری والدہ پر مبذول کیا عَلَیْكَ وَعَلَىٰ وَالِدَتِكَ پہلی نعمت۔  
تمہاری تائیدِ کِ روح القدس سے۔ یعنی اَیَّدْتُکَ بِرُوحِ الْقُدُسِ۔  
یہ دوسری نعمت۔ تم گہوارے میں لوگوں سے باتیں کرتے تھے۔ یعنی  
تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ ”گہوارے میں اگر کوئی بچہ باتیں کرے تو  
وہ نعمت ہے۔ یہ تیسری نعمت کی منزل ہے۔ جب تم کہتے (ادھر  
عمر) کے عالم میں آئے یعنی ”وَكَهْلًا“ جب بھی تمہارے کلام  
سما ہیے عالم تھا۔ پھر نعمت۔ کتاب کی نعمت۔ یعنی عَلَّمْتُكَ الْکِتَابَ  
حکمت کی نعمت۔ یعنی۔ وَالْحِکْمَةَ۔ توریت کا علم دیا، انجیل کا  
علم دیا۔ یعنی۔ وَالتَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ، یہ نعمت۔ اور سنو!  
تم کو ایک نعمت اور بھی دی گئی تھی اور وہ یہ کہ تم اس امر کی کوشش  
کر رہے تھے، اِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ کَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِي  
جب تم مٹی سے پرندے کی شکل بنا رہے تھے میرے حکم سے۔ پھر  
جب بن گیا۔ فَتَنْفُخُ فَيَمَافَتْکُونُ طَیْرًا بِاِذْنِي۔ تو تم  
نے پھونکا وہ اڑنے لگا میرے اِذْن سے۔ یہ بھی نعمت ہے۔  
ہاں، اور ایک نعمت۔ وَتُبْرِئُ الْاَکْمَةَ وَالْاَبْرَصَ  
بِاِذْنِي۔ تم میرے اِذْن سے اندھوں کو آنکھیں دیا کرتے تھے اور  
میرے (کوڑھی) کو شفا دیتے تھے۔ (میرے اِذْن سے)۔ اور

تو جب ہم اس طرح سے اپنی نعمتوں کو مبذول کرتے ہیں کسی پر تو وہ مبروصا کو شفا دے، وہ اندھوں کو آنکھیں دے، وہ مردوں کو زندہ کرے، اور اگر کوئی اُس کو پکارے اور اس پکار کو دیکھ کر کوئی شک کرے تو یقیناً اُس کا شک صحیح نہیں ہے اِس لیے کہ یہ شرک نہیں ہے۔

آپ نے غور کیا، یعنی نعمتیں ہم دیں گے۔ بندہ ہمارا ہے۔ اگر تم اُس کو آواز دو گے، تو اُس کے معنی یہ کہ تم نے ہم کو آواز دی۔۔۔۔۔ پہلے دیکھو تو کہ مرتبہ کونسا ہے انسان کا۔ پہلے یہ تو دیکھو کہ کس انسان کو پکارا جا رہا ہے۔ وہ کس مرتبے پر ہے۔ اُس انسان کو اپنی طرح سے سمجھ کہ شرک کا فتویٰ دینا بے عقلی ہے نادانی ہے۔

آپ نے دیکھا! نعمتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر؟۔۔ نہیں ہی نہیں اور آگے۔۔۔ اور وہ وقت بھی آئے گا، جب عیسیٰ ابن مریم نے ہم سے کہا:



وَمَنْ اتَّبَعْنِي فَسُبْحَنَ اللَّهُ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ (سورہ یوسف ۱۸)

”کہدو یہ میرا راستہ ہے میں ہمارا ہوں اللہ کی طرف اُس بصیرت کے ساتھ جو مجھے حاصل ہے یا میری پیروی کرنے والوں کو حاصل ہے۔ اور اللہ پاک ہے اور میں مشرک نہیں ہوں۔“

یعنی: ایک مادہ آسمان سے نازل کر اے ہمارے رب جو پہلے اول و آخر کے لیے عید بن جائے۔ اب دیکھیے کفرانِ نعت "آواز آتی نہیں ہے تو رہا ہوں یعنی اِنِّیْ مُنْزِلُهَا عَلَیْکُمْ نازل تو کر رہا ہوں تم پر۔ اور اگر میری نعت آنے کے بعد تم میں سے کوئی کافر ہو جائے یعنی فَمَنْ یَّکْفُرْ بَعْدُ مِنْکُمْ" اُس پر ایسا عذاب نازل کروں گا یعنی۔ فَاِنِّیْ اُعَذِّبُ عَذَابًا۔ کہ عالمین میں کسی پر ایسا عذاب نازل نہ ہوا ہوگا۔ یعنی۔ لَا اُعَذِّبُہٗ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ۔۔۔ یہ کفرانِ نعت کی سزا ہے۔ یہ



اس میں اختیار ہے اذن ہے اسکا۔۔۔۔۔

میرا راستہ ہے۔ میں طے کروں گا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ میری کئی زندگی کو مدنی زندگی سے الگ نہ کرو۔ (ریڈیو پر میری تقریر شام غریباں کی) مٹی زندگی کو مدنی زندگی سے الگ نہ کرو۔

ایک کے بعد ایک جو مکی سورہ آرا تھا اتنے سخت الفاظ کو لیے ہوئے کہ معلوم ہوتا تھا کہ محمدؐ سے زیادہ جبری اور کوئی شجاع ہے ہی نہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں پیغمبرؐ اپنی شجاعت کا اعلان کر رہے ہیں۔ ضرب حیدر تو اپنے مقام پر ہے ہی:

”تَبَّتْ يَدَا ابْنِي لَهَبٍ وَتَبَّ ۚ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ  
وَمَا كَسَبَ ۚ سَيَصْلَىٰ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۚ وَامْرَأَتُهُ  
حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۚ فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّن مَّسَدٍ ۚ“

”ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ خود بھی ہلاک ہوا۔ اُس کا مال اور جو کچھ اُس نے کمایا (اولاد) اُس کے کسی کام نہ آیا۔ غریب وہ بھرکتی ہوئی آگ ہیں جہنم کی جگہ کا۔ اور اس کی عورت (بیوی۔ اُم جمیل) بھی جو ایندھن اٹھانے والی ہے۔ اس کی گردن میں کھجور کا بنا ہوا رسہ ہوگا۔“

یعنی: نام لے کے اور پھر صرف اُس کا نام نہیں پھر اُس کی بیوی کا بھی کہ وَامْرَأَتُهُ اور اُس کی عورت بھی حَمَّالَةَ الْحَطَبِ وہ جو

ایندھن اٹھانے والی ہے۔۔۔۔۔ یہ عرب ہے اور یہ زبان ہے۔ اگر آج کوئی اچھا خاصا آدمی مملکت عرب میں جا کر اس طرح سے کسی کا نام لے۔ قتل کر دیا جائے مگر اکیلا انسان ہے جو اس طرح آگے بڑھ رہا ہے۔ کون ہیں لشکر والے ساتھ؟ دور کھڑے ہوئے چچا (حضرت ابوطالب علیہ السلام) دیکھ رہے ہیں۔ یاں۔ اپنا

”قُلْ“ تم کہو۔ هٰذَا سَبِيلِي، یہ راستہ میرا ہے۔ اَدْعُوْا اِلٰی اللّٰهِ اِدْعَاؤِیْس اللّٰہ کی طرف بلارہا ہوں۔ اپنی طرف نہیں۔ راستہ میرا بلارہا ہوں اللّٰہ کی طرف۔۔۔۔۔ یہ اختیار دیے۔۔۔۔۔ نبی کا ذکر ہے۔۔۔۔۔ یہاں اللّٰہ نے اپنا تذکرہ نہیں کیا، یہاں تذکرہ ہے ختمی مرتبت کا۔

وہاں عیسیٰ کے لیے بِاِذْنِی۔ بِاِذْنِی بِاِذْنِی۔۔۔۔۔ یہاں نہیں، بس یہ فرق ہے عیسیٰ ابن مریم میں اور محمدؐ ابن عبد اللّٰہ میں۔۔۔۔۔

یہاں اذن (اجازت) نہیں ہے۔ بس ایک مرتبہ اذن دیدیا تو ہمیشہ کے لیے ہر بات کے لیے اذن دے دیا۔ ایک مرتبہ اذن دے دیا۔ ایک مرتبہ اذن دے دیا اور کہہ دیا۔ (سورہ احزاب تیتیسواں سورہ، آیت ۴۶)

”يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَذَاعِعِيًّا إِلَى اللَّهِ بِأَذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا“

”اے نبی! بلاشبہ ہم نے تمہیں ایک چشم دید گواہ اور ایک بشارت دینے والا اور ایک ڈرانے (تنبیہ) کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور اللّٰہ کی طرف اُس کی اجازت سے دعوت دینے والا اور ایک روشن چراغ (بنا کر بھیجا ہے)۔

یعنی: ہم نے شاہد بنایا، مبشر بنایا، نذیر بنا کر بھیجا، اور تم کو اللّٰہ کی طرف دعوت دینے والا بنایا۔ ”ذَاعِعِيًّا إِلَى اللَّهِ بِأَذْنِهِ“ (اذن کے ساتھ)۔۔۔۔۔ پھر ملائیے آیت کو سورہ یوسف سے

”قُلْ هٰذَا سَبِيلِي اَدْعُوْا اِلٰی اللّٰهِ“ تم کہو یہ میرا راستہ ہے میں بلارہا ہوں، اللّٰہ کی طرف۔ ”تو اذن ہے اب جس طرح سے چاہے بلائے۔ صلح حدیبیہ میں محمدؐ کے بعد لفظ رسولؐ کاٹ کر بلائے۔ خیبر میں تلواریں چلا کر بلائے







امامؑ نے فرمایا: کیا حال ہے مختار کا؟  
عرض کیا: مختار آپ کے پیر گرامی کے دشمنوں کو چن چن کر قتل کر رہے ہیں  
اور مختلف قاتلوں کے نام لیے۔

امامؑ نے پوچھا: کیا حرمؑ گرفتار ہوا؟  
اُس نے ہاتھوں کو جوڑ کر عرض کیا: فرزندِ رسولؐ! کیا بات ہے کہ آپ نے اس  
قاتل کا خاص طور پر نام لیا۔ آپ نے علی اکبرؑ کے قاتل کا نام نہیں لیا۔ آپ نے  
جناب عباسؑ کے قاتل کا نام نہیں لیا، آپ نے پیر گرامی کے قاتل کا نام نہیں لیا  
آپ نے ارشاد فرمایا: ارے حرمؑ نے جو تیر چلایا، فقط وہ بچے کے گلے  
کو نہیں، آلِ محمدؑ کے دلوں کو چیرتا ہوا گذر گیا۔

وہ واپس ہوا۔ کوفہ آیا، اور دربار میں اتفاق سے اُسی دن پہنچا جس دن  
اعلان ہوا کہ حرمؑ آگیا۔۔۔ اُس نے کہا "اللہ اکبر"۔  
مختار نے کہا: اللہ تو کبیرا بیٹی ہی کے لیے ہے۔ مگر بتا، یہ کونسا محل  
تکبیر ہے؟

اُس نے کہا: اے امیر! میں مدینے سے آ رہا ہوں، میرے امامؑ نے پوچھا تھا  
کہ کیا حرمؑ گرفتار نہیں ہوا؟ وہ آگیا۔  
یہ سننا تھا کہ مختار کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے۔ قاتل سامنے آیا۔  
آپ نے پوچھا: حرمؑ! بتلا تو نے کربلا میں کیا کیا؟  
حرمؑ نے کہا: امیر! درگزر کرو سزا تجویز کرنی ہو کر دے مگر تفصیل میں پوچھ  
کہا: نہیں، بتلا۔۔۔۔۔

اُس نے کہا: امیر! مجھے معاف کر۔ اس لیے کہ بہت بڑا ظلم ہوا ہے۔  
مختار نے کہا: ہم سننا چاہتے ہیں۔

گھرانے کو داخل کیا اور شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ گھرانہ کہیں قابلِ ذکر ہوگا یا وہ ابناء  
میں ہوگا، یا نساء میں ہوگا، یا اَنْفُس میں ہوگا۔۔۔۔۔ صلوات۔۔۔۔۔  
دُرود و سلام ختمی مرتبت کے لیے، اُن کی اولاد کے لیے۔ یعنی:  
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ

جس طرح ابراہیمؑ اور آلِ ابراہیمؑ کو قابلِ دُرود قرار دیا گیا۔ انقلاب  
زمانہ دیکھیے کہ وہی گھرانہ جس احترام کا مستحق تھا، جس احترام کا استحقاق اس گھرانے  
کو پہنچ رہا تھا، وہ احترام تو ایک طرف، جو بے حرمتی کی گئی اُس کا ذکر آج تک  
باقی ہے، اور پھر تاریخ مرتب ہوتی چلی۔

حمید ابنِ مسلمؑ نے کچھ لکھا، کوفے کے لشکریوں نے کچھ لکھا، کوفے کے لشکریوں  
قاتلوں نے کچھ بیان کیا، شام کے مورخین نے کچھ لکھا۔ مگر بہتر طریقے پر اندازہ اُسوقت  
ہوا جب حضرت مختار ایک ایک قاتل کو پکڑتے جا رہے تھے اور پوچھتے جا رہے تھے  
کہ بتا: تو نے کیا کیا؟۔۔۔۔۔ اُسوقت اندازہ ہوا کہ کیسے ظلم ہوئے۔

ایسے میں ایک خبر مشہور ہوئی کہ مختار بدلے لے رہے ہیں۔ اصل میں بدلہ تو کوئی  
کیا لے گا، وہ ذکرِ موقوف ہے۔ وقت نہیں اس پر بحث کا۔۔۔۔۔ مگر ہاں۔۔۔۔۔  
امام زمانہ علیہ السلام بدلے لیں گے۔ اُن کا انتظار ہے۔ چن چن کر خبر لیں گے:  
”وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلِيٍّ سُلْطَانًا فَلَا  
يُسْرِوْ فِي الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ مَنصُورًا“ (سورہ اسراء آیت ۳۳)  
”اور جو کوئی مظلوم قتل کیا گیا ہو۔ پس ہم نے اُس کے وارث کے لیے  
حجّت (قصاص) قرار دی ہے۔ پس چاہیے کہ وہ (وارث کی) تو  
مدد کی گئی ہے۔“

بعد واقعہ کربلا نامہ بر پہنچا مدینے سید الساجدینؑ کی خدمت میں۔



## مجلس ششم

- ۱- خدا کے اذن سے رسول خدا کے کارخانے کے مالک ہیں۔
- ۲- حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی نگاہ الہی میں ہے۔
- ۳- جو کچھ رسول اُتے وہ لے لو، جس سے رسول روکے رک جاؤ۔
- ۴- بغیر سفارش رسول مَنجشش نہیں ہوگی۔
- ۵- آباءِ پیغمبر اور اجدادِ پیغمبر سب ساحدین میں سے تھے۔
- ۶- معراجِ عبادیت کے لیے ہے۔
- ۷- حبیب! آپ کو اتنا عطا کریں گے کہ آپ راضی ہو جائیں۔
- ۸- نعمت جاری ہے جیتک رسول کی حیات ثابت ہے۔
- ۹- اگر کوئی کہے کہ یہ سبیلِ رسول ہے تو وہ شرک نہیں ہے۔
- ۱۰- یا مُحمَّد! کہنا شرک نہیں ہے۔
- ۱۱- منافق سے جہاد کا حکم قرآن نے دیا ہے، یہ جہادِ علی نے کیا۔
- ۱۲- راہب کے دیر میں سرِ امام حسین کی آمد۔

حرمہ نے کہا: امیر! میرے ترکش میں سات تیر تھے۔ چار تیر نشانے پہ نہ لگے۔ تین تیر نشانے پہ بیٹھے۔ پہلا تیر مشکِ سکیئہ پر۔ دوسرا تیر۔ حسین ابن علی کے سینے پر، جب حسین پشتِ ذوالجناح پر جھول رہے تھے۔۔۔ اور یہ کہہ کر حرمہ نے سر کو جھکا لیا۔

مختار نے کہا: تیسرا تیر۔۔۔؟

کہا:۔۔۔ امیر! معاف کر۔

مختار نے مزید اصرار کیا۔

کہا: امیر! حسین چھوٹے سے بچے کو لیکر آئے۔ اور وہ بچے کے لیے پانی مانگ رہے تھے۔ عمر بن سعد نے کہا: ان کی زبان کو قطع کر دے۔

حرمہ نے کہا: میں نے تیر مارا، بچے کو۔

مختار نے پوچھا، پھر کیا ہوا؟

کہا: امیر! بچہ باپ کے ہاتھوں پر اُلٹ گیا۔

لعنة الله على الظالمين

بارِ الہا! ملت کو متحضر نما۔

مملکتِ پاکستان کی حفاظت فرما۔

تعمیل فرما ظہورِ حجت ۲ میں۔

(آمین)

۶

اصغر کو لحد میں رکھ کے کہتے تھے حسین  
آرام کرو بس یہی گہوارہ ہے



اور لغیر اس تفریق کے کہ چھوٹا ہے یا بڑا، فقیر ہے یا غنی سب کی خدمت میں ان مسائل کو پیش کرتے ہیں، سوال صلاحیتوں کا ہے، کہ جب صلاحیت حسبِ ظرف و قابلیت سننے والے قبول کریں۔ اور اپنے آپ کو مطمئن کرنے کی کوشش کریں۔

سورہ رعد قرآن مجید کا تیرھواں سورہ آیت ۱۷۔ ارشاد ہوتا ہے:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

”أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ أُقْدِرُهَا  
فَاَخْتَمَلَ الشَّيْلُ زَبَدًا رَابِيًا وَمِمَّا يُوقِدُونَ  
عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِثْلُ  
كَذَلِكَ يُضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ فَاَمَّا الزَّبَدُ  
فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ  
فِي الْاَرْضِ ط كَذَلِكَ يُضْرِبُ اللَّهُ الْاَمْثَالَ ط“ (الرعد آیت ۱۷)

ترجمہ: اُس نے آسمان سے پانی نازل کیا پس اپنی مقدار کے مطابق نالے بہہ نکلے اور سیلاب نے پھولا ہوا جھاگ اٹھالیا اور جیسے آگ پر زلیور یا پوکی بنانے کے لیے تپایا جاتا ہے اُس میں سے بھی ایسا ہی جھاگ نکلتا ہے (اور میل کچیل الگ ہو جاتا ہے) اسی طرح اللہ حق و باطل کی مثال دیتا ہے پس وہ جو جھاگ ہے، وہ تو بیکار ہے اور وہ جو لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے، وہ زمین کی تہ میں رہ جاتا ہے۔ اللہ اسی طرح شالیں بیان کرتا ہے۔“

یعنی: اللہ نے آسمان سے پانی کو نازل کیا، فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌ اُقْدِرُهَا یعنی پھر وادیوں میں پانی حسبِ صلاحیت آیا، تو جتنی وادیوں میں طاقت تھی

## آٹھویں مجلس کفرانِ نعمت

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
”اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اَحْلَوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ“ (سورہ ابراہیم آیت ۲۸)  
”کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا کہ جنہوں نے اللہ کی نعمت کو کفران (ناشکری) سے بدل دیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر (جہنم) میں جھونک دیا۔“

”کفرانِ نعمت“ کے عنوان پر آٹھویں تقریر آپ کی سماعت کے لیے ہدیہ ہے۔ اور اس طرح سے یہاں (امام بارگاہِ رضویہ) میں اس عشرہ ۱۳۹۲ھ کی دو تقریریں باقی رہ جاتی ہیں۔ ان دو تقریروں میں ان دو حصوں پر گفتگو ہوگی کہ جن سے ہم کسی نتیجے تک پہنچنے میں مدد لیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اور مالک کا احسان ہے کہ اُس نے ہمارے نوجوان اور تعلیم یافتہ طبقہ کو یہ توفیق عطا کی ہے کہ وہ پروانہ وار اس شمع ذکرِ معصوم کے لیے جمع ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو باخبر رکھنا چاہتے ہیں، ان سے بڑی توقعات وابستہ ہیں اور وہی قوم کا سرمایہ ہیں۔

ہمارے لیے یہی ایک ایسی درس گاہ ہے کہ جہاں ہم بلا امتیازِ سن و سال



کریں اپنے اپنے نقطہ نگاہ سے سوچیں کہ کہنے والا کیا کہہ رہا ہے اور اگر بات سمجھ میں آجائے تو پھر ضد نہ کریں۔۔۔۔۔ صلوات۔۔۔ اگر بات سمجھ میں آجائے تو پھر ضد نہ کریں۔

اب اس اعتبار سے مختصر سی گفتگو آپ کے لیے ضروری تھی کہ ہم اب اپنی تقریر کے اُس اہم ترین مقام پر پہنچ چکے ہیں جہاں کل کی ساری تقریر ایک مہید بنی ہوئی تھی۔ دائرہ تکوین میں کائنات کے مرکز کی حیثیت سے مقصد لولا کہ بنسکہ ایک ہی ذات آئی اور وہ حقیقت محمدیہ ہے۔۔۔۔۔ صلوات۔۔۔۔۔

ملت میں شاید ہی کوئی وہ محروم انسان ہوگا جو اس بات کو تسلیم نہ کرے گا، ورنہ کوئی ایسی بات ہی نہیں ہے کہ جہاں چون و چرا کی گنجائش ہو۔ مرکز عالم، مرکز دائرہ تکوین، موجودات کا خلاصہ، لولا کہ حاصل، خلقت کون و مکاں کا مطلوب آدم عالم کی خلقت کا واحد مدعا، انسانیت کے کمال کی منزل آخر، وہ ایک ہی ہستی ہے وہ ایک ہی ذات گرامی ہے۔ وہ ایک ہی انسانِ کامل ہے کہ جس کی حقیقت اسلام میں اُس مرکزیت کو اختیار کرتی ہے کہ جہاں ذات واجب اختیاراتِ تمام اس بندے کو موندتا ہے۔۔۔۔۔ کل کی بحث یہ تھی کہ اس بندے کو کیا اختیارات اس بندے کو دیے گئے۔

تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نعمتیں آئی تھیں کہ: عیسیٰ! یاد کرو تم کہواریں میں بولتے تھے، میرے اذن سے۔ تم میرے اذن سے مٹی سے پرندہ بنا کر پھونکتے تھے اور وہ اڑتا تھا۔ تم میرے اذن سے نابینا کو آنکھیں دیتے تھے۔ تم مبروص کو شفا دیتے تھے میرے اذن سے۔ تم نے مردے جلانے میں میرے اذن سے۔ اور ہم نے تم پر اور تمہاری والدہ پر اپنی نعمتوں کو نازل کیا۔ یہ ہمارا اذن تھا۔

مگر جب اس ذات گرامی کو اس دنیا میں آنا پڑا اور مقصد آخر بن کر آیا۔ تو صرف

انہوں نے پانی کو لے لیا۔ فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَابِيًا۔ وہاں سے سیل رواں چلا اور پانی کے ساتھ ساتھ خس و خاشاک کو بھی لیتا چلا۔ جھاگ کو بھی لیتا چلا، کف دریا کو بھی لیتا چلا۔ وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ النَّارَ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُ طَرْدِ الْبَابِلِ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ۔ اور یہ لوگ جھاگ پر گرم کر کے اپنا زلیور بناتے ہیں، اپنے لیے آرائش کا سامان بناتے ہیں، یہ بھی اُسی طرح کا ایک کف دریا ہے یہ بھی ایک جھاگ ہے اللہ بھی حق و باطل کی مثال اُسی طرح دیتا ہے۔ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً۔ اور خس و خاشاک کو تو ایک دن ہٹ جانا ہی پڑے گا۔ بنظاہر تو ایسا معلوم ہوتا ہے خس و خاشاک سوکھ پتے سوکھ ڈالیاں پانی پر آ رہے ہیں مگر یہ ہٹ جائیں گے۔ وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ۔ مگر جو انسانیت کے لیے مفید ہے، وہ زمین میں اتر جاتا ہے۔ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ۔ اللہ اسی طرح سے مثالیں بیان کیا کرتا ہے۔

بالکل اسی طرح جو باتیں پیش کی جا رہی ہیں وہ دل میں اُسی وقت اتر سکتی ہیں جب اُن کو آپ جھاگ، خس و خاشاک سے ہٹا کر لیں۔ یہ آپ کا اپنا کام ہے ورنہ ہر جگہ ہر مقام پر سننے کے لیے کلام موجود ہے مگر آپ کا کام یہ ہے کہ جو اپنے لیے مفید ہو، وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ یعنی اُسے قبول کرے جو مفید ہو، تو اس طرح حسبِ صلاحیت اس درگاہِ جبین اور بارگاہِ جبین سے ہر ایک کو حسبِ حوصلہ مل ہی جاتا ہے۔ یہاں جیسا کہ بارِ باعرض کیا گیا، دروازے کسی کے لیے بند نہیں ہیں، کوئی قید نہیں ہے، کوئی تخصیص نہیں ہے کہ کوئی آئے اور کوئی نہ آئے۔ نہیں سب کے لیے یہ دروازے کھلے ہوئے ہیں، سب آئیں استفادہ



اتنا کہہ کہ اب اختیار سب تمہارا۔ صرف اتنا کہہ دیا، تاکہ دنیا جان لے کہ جب تم بلاؤ تو اس میں تمہاری مرضی ہے، اذن ہے، ارشاد ہوتا ہے:

”إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَذَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِآذِنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا“ (سورہ احزاب آیت ۴۶)

”یقیناً ہم نے تم کو شاہد بنایا، مبشر بنایا، نذیر بنایا۔ (رسول بنا کر) بھیجا، اور اللہ کی طرف دعوت دینے والا بنا کر اپنے اذن سے۔۔۔

بِآذِنِهِ۔ ہم نے اذن دیا۔ اور روشن چراغ (بنادیا)۔۔۔ ہم نے اپنا اذن دے دیا۔

اب اذن کے بعد یہ تفصیل نہیں ہے کہ تم مردے زندہ کرو گے، یا بیمار کو شفا دو گے، یا نابینا کو آنکھیں دو گے، یا مبرص کو اچھا کر دو گے۔ اس ساری تفصیل کی ضرورت نہیں۔ صاحب اذن تم ہو، میرے کارخانے کے مختار تم ہو۔ اذن تم کو دے دیا گیا ہے اب تمہاری مرضی جس سے چاہو جیسا سلوک کرو۔ نزدیک بلاؤ۔ ہم راضی۔ پاس بٹھلاؤ، ہم راضی، دور کر دو۔ ہم راضی۔۔۔ اب اس اختیار کُل کے کیفیت کو دیکھتے جائیے۔

سورہ طہ کے آخر میں ارشاد ہوا۔ باونواں سورہ قرآن مجید کا:

”وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا“ (سورہ طہ آیت ۵۴)

”اور اپنے پروردگار کے حکم کے لیے صبر کرو اس لیے کہ

آپ میری نگاہ کے سامنے ہیں۔“

حکم رب مسلسل پہنچ رہا ہے۔ حکم رب کا انتظار رہے اس لیے کہ

تم میری نگاہوں کے سامنے ہو۔ آپ واحد کے لیے بھی تم اوجھل نہیں ہو

تم پر ہماری نگاہیں جمی ہوئی ہیں۔“ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا۔

وہاں حضرت نوح علیہ السلام کے لیے کہا گیا تھا: (دو مقامات پر)

(۱) ”فَاَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنْ اصْنَعْ الْفُلَ بِأَعْيُنِنَا“

”پس ہم نے وحی کی اُس کی طرف کہ کشتی بناؤ ہماری نگاہوں

کے سامنے۔ (یا ہماری نگرانی میں) (سورہ مومنون آیت ۱۷)

(۲) اور سورہ ہود میں ارشاد ہوا

”وَاصْنَعْ الْفُلَ بِأَعْيُنِنَا“ (سورہ ہود آیت ۳۷)

”اور کشتی بناؤ ہماری نظروں کے سامنے“

فقط کشتی بنانے کی حد تک نوح کا عمل نگاہ الہی میں تھا۔ یہاں حجر کی

پوری زندگی نگاہ الہی میں ہے: فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا: اے حبیب! تم ہماری

نگاہوں کے سامنے ہو۔

اختیارات پیغمبر دیکھیے!

”وَالضُّحَىٰ ۚ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ ۚ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ

وَمَا قَلَىٰ ۖ“ (سورہ الضحیٰ آیت ۳)

”قسم ہے دھوپ چڑھتے وقت کی اور قسم ہے رات کی جبکہ وہ سکوت

طاری کر دے کہ تیرا پروردگار تجھ سے دستبردار نہیں ہوا اور

نہ ناراض ہوا۔“ (بالفاظ دیگر)۔۔۔۔۔

یعنی: نورگاہ ہے، روشنی گواہ ہے جب رات چھا جائے اندھیر گواہ

ہیں۔ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ، تیرے رب نے

تجھ کو کبھی اکیلے نہیں چھوڑا۔“

اور اس کے بعد اسی سلسلے کی آیت جس پر میں آپ کی فکر کو پہنچانا

چاہتا ہوں، مگر ذرا سا رک کر۔ یہ وہی سورہ ہے جس کی آخری آیت: ”وَمَا

بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ“ ہے۔



تنہائی پیغمبر کے لیے نہیں ہے، کوئی اُسے اکیلا نہ جائے۔ وہ ہجرت میں اکیلا نہیں ہے۔ سورہ حشر میں۔ دیکھو ایسا اختیار دیا ہے کہ ہم نہیں کہتے کہ ہم کہہ رہے ہیں۔ نہیں:

”وَمَا أَتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا“ (سورہ حشر آیت ۷)

”اور جو کچھ بھی رسول تمہیں دے پس وہ لے لو۔ اور جس سے وہ تمہیں روکے اُس سے رُک جاؤ۔۔۔“

یعنی جو تمہارا رسول لاتے وہ لے لو جس سے رسول روکے، رُک جاؤ۔ ہمارا ذکر نہیں ہے۔ ہمارے رسول کا ذکر ہے۔ لاتے، لے لو۔ روکے، رُک جاؤ۔ رسول کے اختیار کو بتایا۔ حج کے لیے بہت مسلمان جاتے ہیں اور آج کل بڑی سہولتیں ہیں اس فریضے کو ادا کرنے والوں کے لیے۔ تو جو مکہ جائے اور مدینے نہ جائے، تو پیغمبر فرماتے ہیں فَقَدْ جَفَانِي۔ اُس نے مجھ پر ظلم کیا، جفا کی۔ اس نے مدینے جانا بھی ضروری ہے۔ مدینے میں رسول ہیں۔ اب کس طرح سے ہیں، یہ میرے حدود تصور سے باہر ہے۔ گفتگو۔ اس لیے کہ دنیا سمجھ رہی ہے کہ قبر ہے۔ مگر قرآن کچھ اور کہتا ہے:

”وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ

فَاَسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ

لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا“ (سورہ نسا آیت ۶۴)

”اور اگر وہ لوگ جنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے، تیرے پاس آئیں، اور اللہ سے طلبِ مغفرت کریں اور اُن کے لیے اگر رسول بھی طلبِ مغفرت کرے تو وہ خداوندِ علیٰ اعلیٰ کو توبہ کا قبول کرنیوالا اور رحیم پائیں گے۔“

آج یہ عالم ہے کہ جب مدینے جاتا ہے کوئی مسلمان ہو، قبر کے پاس کھڑے ہو کر پہلے یہ کہتا ہے: الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ۔ اور اس کے بعد اس آیت کی تلاوت کرتا ہے۔ سورہ نسا کی اسی آیت کی تلاوت کرے، جب اُن کے لیے رسول طلبِ مغفرت کرے پھر توبہ قبول ہوگی مسلمان کی۔ ورنہ نہیں۔

اُن کے لیے رسول طلبِ مغفرت کرے تو، توبہ قبول ہوگی۔ اب رسول کی زندگی کو مانتے ہو کہ نہیں۔ حیاتِ رسول کے قائل ہو کہ نہیں۔ اس لیے کہ وہاں اس طرح سے کہنا پڑتا ہے۔ اگر ہم طلبِ مغفرت کریں تو کچھ نہیں جب تک کہ رسول طلبِ مغفرت نہ کرے۔ خداوند! ہمارے گناہوں کو بخش دے، ہمارے کیسے کو معاف کر۔ خداوند! ہماری کوتاہیوں کو معاف کر دے۔۔۔ تو یہ ساری گفتگو بے سود ہے جب تک نبی درمیان نہ ہو، یا اُس کا واسطہ نہ دیا جائے، یا نبی خود تمہاری سفارش کرے کہ ہاں مالک میں اس کو جانتا ہوں، اس کی خطائیں معاف ہوں۔ یہ ساری دنیا (کے مسلمانوں) کا طرزِ عمل ہے کہ سورہ نسا کی اس آیت کو پڑھنا پڑتا ہے۔۔۔ تو اختیارِ رسول آج بھی یہ ہے کہ اگر وہ سفارش کرے تو بخشش ہے ورنہ نہیں۔ اختیاراتِ رسول کی ایک منزل اور:

”وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ مَّنْ أَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ

وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ“ ۱۵۶

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي

يَجِدُ ذُنُوبَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحُجُوتُ

لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ



عَنْهُمْ اَصْرُهُمْ وَالْاَغْلَالُ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ  
فَالَّذِينَ اٰمَنُوْا بِهِ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا  
النُّوْرَ الَّذِيْ اُنْزِلَ مَعَهُ ۚ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۱۵۰  
(سورۃ النور آیت ۱۵۶-۱۵۷)

”اور میری رحمت سب کو گھیر کر ہوئے ہیں، میں اُس کو واجب کرتا ہوں صاحبانِ تقویٰ کے لیے، (میں اپنی رحمت کو واجب کرتا ہوں متقین کے لیے) اور اُن کے لیے جو زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نبی اُمّی کی پیروی کرتے ہیں (رسول کی پیروی کرتے ہیں)، کہ جس کا تذکرہ اُن کے پاس تورات میں بھی ہے، انجیل میں بھی ہے، وہ انھیں نیکی کا حکم دے رہا ہے، بُرائی سے روک رہا ہے، اور اُن کے لیے طیب و پاکیزہ چیزوں کو حلال کر رہا ہے اور اُن پر خبیث چیزوں کو حرام (کافری دے رہا) کر رہا ہے اور اُن (کے کاندھوں) پر سے اُن کے بوجھ اور وہ طوق جو اُن کے اوپر پڑے ہوئے ہیں، اتار رہا ہے۔ پس وہ لوگ جو اُس (رسول) پر ایمان لائے اور اُس کا وقار و تعظیم (جانیں) کریں۔ اور اُس کی مدد کریں۔ ”وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْ اُنْزِلَ مَعَهُ ۚ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ“ اور اُس نور کی پیروی کریں جو اُس کے ساتھ ساتھ نازل ہوا ہے، وہی تو وہ ہیں جو فلاح و نجات پانے والے ہیں۔

اک مرتبہ سرسری نظر آیت پر: جو معروف کا حکم دے، منکر سے روکے طیب کو حلال کر دے، خبیث کی حرمت کا حکم دے۔ اذن کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں

اذن ایک ہی مرتبہ لیا گیا، ہمہ گیر اذن دیا۔۔۔۔۔ وہاں حضرت عیسیٰ کے لیے ایک منزل پر اذن ہے: ”فَتَنْفَخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ (ماۃ ۱۱۰)۔۔۔۔۔ یہاں ایک مرتبہ اذن دیا اور اختیار کُل دیا۔ کہ اب جاؤ۔ اب جو حکم دو گے وہ ہمارا حکم ہے۔

”مَنْ يُطِيعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اطَاعَ اللّٰهَ“ (سورۃ نسا آیت ۸۰)  
”جس نے رسول کی اطاعت کی یقیناً اُس نے اللہ کی اطاعت کی“

اب تم آگے بڑھو۔ تمہارا ماضی یہ ہے۔  
”وَتَوَكَّلْ عَلٰى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ الَّذِيْ يَرٰكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۝ وَتَقْلُبُكَ فِى السُّجُوْدِ“ (سورۃ شعرا آیت ۲۱، ۲۲)  
”اور تو بھروسہ کر (اپنے) غلبے والے (خدا) رحیم پر، جو تجھے دیکھتا ہے جہاں بھی تو کھڑا ہوتا ہے۔ اور سجدہ کرنیوالوں میں تیری نقل حرکت کو بھی (دیکھتا ہے)“

یعنی: تو بھروسہ کر اپنے رحیم خدا پر جو تجھ کو دیکھتا ہے جب تو سجدہ کرتا ہے جب تو قیام کرتا ہے تو تجھ کو دیکھتا ہے جب تو کروٹ بدل بدل کر سجدہ کرنے والوں میں آ رہا تھا۔

تو کبھی نوح کی پیشانی میں، کبھی ابراہیم کی پیشانی میں، کبھی اسماعیل کی پیشانی میں۔ وہ تیرا آغاز ہے۔

امام فخر الدین رازی نے اس آیت کی تفسیر میں بتلایا ہے کہ آیت پیغمبر اعدا پیغمبر سب ساجدین میں سے تھے۔ جہاں جہاں یہ نور گزرا وہ سب سجدہ کرنے والے تھے۔



ظاہر ہے کہ خلقِ اول ہے، مقصدِ اول، مگر صرف اور بنا کر رکھا تھا پیشانیوں میں منتقل کرتے ہوئے اُس منزل پہ پہنچایا، جہاں ضرورت تھی اس امر کی کہ اب مبعوث ہو۔ تو جس دن مبعوث ہوا اُس دن ہم نے اُس اعلان کے ساتھ کہ دیکھو وہ آیا کہ جس کی اطاعت میری اطاعت ہے۔

”إِنَّ الَّذِينَ يَبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ ۖ  
يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ“ (سورۃ فتح آیت ۱۰)  
”یقیناً وہ لوگ جنہوں نے تیری بیعت کی، انہوں نے اللہ  
کی بیعت کی۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے۔“  
(یعنی اے حبیبؐ، جو تیرے ہاتھ پہ بیعت کرتے ہیں وہ (در اصل)  
اللہ کے ہاتھ پہ بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے  
ہاتھ پر ہے۔۔۔)

پھر ارشاد ہوا (سورۃ انفال آٹھواں سورہ آیت ۱۷)  
 ”وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ“  
 ”اور تو نے وہ (کنکریاں) نہیں پھینکی تھیں جبکہ تو نے  
 پھینکی تھیں، بلکہ وہ تو اللہ نے پھینکی تھیں۔

تیرا عمل ہمارا عمل ہے، تیرا منشاء ہمارا منشاء ہے۔ تیرا ارادہ ہمارا ارادہ ہے  
تیری مرضی ہماری مرضی ہے۔ اتنی یگانگت کی منزل پر اب جو معبود آئے تو:  
لَا شَرِيكَ لَهُ — اور یہ بھی ایسا ایک عبد کہ جس کا  
نظیر اور جواب نہیں۔ یعنی ایسا عبد کہ رسالت سے پہلے عبدیت کا ذکر  
کرے۔ "سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ" (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۱)  
"پاک ہے وہ ذات جو اپنے عبد کو لے گیا۔"

معراجِ عبدیت کے لیے ہے۔ ا:  
 ”أَشْهَدُ أَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ“  
 میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک محمدؐ اُس کے عبد ہیں اور اُس کے  
 رسول ہیں۔

تو مقامِ عیدیت پر واحد و یکتا۔ آغاز وہ کہ انبیاء سے مسلسل منتقل  
ہوتا ہوا چلا اور اب انجام یہ کہ جب تک دنیا باقی ہے تو واسطہ ہے درمیانِ  
خالق و مخلوق۔۔ یہ دُعا کریں تو قبول نہیں، جب تک تو سفارش نہ کرے۔  
یہ سلسلہ خاتمیت ہے۔۔۔ (سورۃ الضحیٰ)

”وَلِلْآخِرَةِ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَى“ (الضحى آیت ۴)

"اور تیرا انجام تیرے آغاز سے بہتر ہے"

یعنی اب نعمتیں بڑھتی چلیں محشر تک جتنے دن آئیں گے ہر آن نعمت میں اضافہ، ہر وقت نعمت میں اضافہ، ہر سانس نعمت میں اضافہ، جہاں جہاں روئے زمین پر مسلمان ہوں گے، جہاں جہاں آفتاب طلوع اور جہاں جہاں آفتاب غروب ہوتا ہوگا، جہاں جہاں سے چاند نکلتا ہوگا اور جہاں جہاں پہ چاند ڈوبتا ہوگا، جب وہ یہ کہتے ہوں گے:

” اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ “

۱۱) اے اللہ درود بھیج (رحمتیں نازل فرما) محمدؐ و آل محمدؐ پر

تو ہماری نعمتیں مسلسل نازل ہوتی رہیں گی۔ ۔۔۔۔۔ صلوات۔۔۔۔۔  
اگر حیات ہے تو نعمتیں ہیں۔ اگر حیاتِ روحانی، حیاتِ وجدانی۔ اور  
حیاتِ عقلانی ہے تو یقیناً ہماری نعمت مسلسل تم پر نازل ہوتی رہے گی۔ ہمارے دین  
(عطا و بخشش) میں کمی نہیں ہے۔ اور یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ جتنی نعمتیں دیں گے



تو انجام پر نظر ہے۔ اور یہ جان رہے ہیں کہ آغاز سے انجام بہتر ہے۔

اب ایسے موقع پر — ”إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ“ —

یہاں استدلال کے لیے سارے علماء نے اس کو مان لیا کہ ایک تو صورتِ دعا ہے

ایک تمنا ہے — ایک تو یہ کہ ہدایت کا راستہ دکھلا، دعا قبول ہوگئی۔

تو دوسری دعا یہ ہے کہ ہم کو راستے پر باقی رکھ صِرَاطِ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

ہم نے بھی یہی کہا، رسولؐ نے بھی یہی کہا۔ ہماری نگاہوں میں حقیقتِ محمدیہ — اور

حقیقتِ محمدیہ کی نگاہوں میں انجام — یعنی پروردگار کی نعمتیں تو سب پر تھیں،

آدمؑ پر بھی تھیں، نوحؑ پر بھی تھیں، ابراہیمؑ پر بھی تھیں، اسمعیلؑ پر بھی تھیں، موسیٰؑ

پر بھی تھیں، عیسیٰؑ پر بھی تھیں، مگر سب کا مجموعہ تو محمدؐ پر ہے نا۔ مگر میں بھی آغاز

میں ہوں، اور آخرت آغاز سے بہتر ہے۔ لہذا میری نظر آخرت پر ہے۔۔۔۔۔

پروردگار! ہم کو باقی رکھ اُس راستے پر جہاں نعمتیں آخرت تک ملنے والی ہیں۔ یہ

دعاے معصوم ہے۔ ہماری دعا اور دعاے معصوم میں اتنا فرق ہے کہ ہماری نگاہ

میں معصوم ہے۔ معصوم کی نگاہ میں خود معصوم۔ مگر فرق اتنا کہ آغاز کی منزل پر معصوم

کی نگاہ انجام پر ہے کہ مالک! وہاں تک نعمتیں۔۔۔۔۔ چنانچہ اب جو اختیار ملا

تو ایسا معلوم ہوا کہ واقعی ساری نعمتیں دے ڈالیں۔ اور کیا اس سے بڑھ کر کوئی

نعمت ہے؟ کہ اپنا نام لیا۔ تو آپؐ نے کوئی سند پوچھی اس کی کہ قرآن میں کلمہ

کہاں ہے؟۔۔۔ ارے چھوڑیے شہادتِ ولایت کو۔ شہادتِ رسالت کی سند

بتائیے کہ آپؐ نے یہ کلمہ کہاں سے لیا۔ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ“

اس لیے ناکہ اُس نے کہہ دیا، تو یہ اُس کو اختیار تھا کہ معبود کے نام کے ساتھ

اپنا نام لے۔ تو ان اختیارات کا صرف کرنے والا جانتا ہے کہ میری ہی ذات ہے

جس پر نعمتیں درجہ کمال پر پہنچنے والی ہیں۔ میرے راستے کو دوام عطا کر۔ اور یہی

استعداد کو دیکھ کر دیں گے۔ اے میرے بندے! ہر ایک کی استعداد کا علم ہم کو

ہے۔ ہم کو یہ بھی معلوم ہے کہ تیری استعداد کیا ہے، کہاں تک نعمتیں دیں مگر سن!

”وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى“ (سورہ والفجہ آیت ۵)

”اور عنقریب تیرا پروردگار تجھے (اتنا) عطا فرمائے گا کہ

تو خوش اور راضی ہو جائے گا۔“

اتنا دیں گے، اتنا دیں گے کہ تو راضی ہو جائے۔۔۔ معیار کیا ہوگا

..... میری خوشی نہیں، تیری خوشی۔ میری رضا نہیں، تیری رضا۔ وَلَسَوْفَ

يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى۔

اب یہ نہیں معلوم کہ یہ بندہ کس منزل پر جا کے راضی ہونے والا ہے۔

خدا کو علم ہوگا، مگر ہم کو علم نہیں ہے۔ خدا کو علم ہوگا کہ یہ کہاں جا کر راضی ہوں گے

اِس لیے کہ چودہ سو برس ہونے کو آ رہے ہیں اور رحمتیں نعمتوں کی صورت میں برابر

نازل ہو رہی ہیں، مگر رضائے پیغمبرؐ کا کوئی علم ہم کو نہیں ہے کہ راضی ہو گئے یا نہیں

جہاں راضی ہوں گے وہاں نعمتیں ختم ہوں گی۔ یعنی نعمتیں مسلسل ہیں۔ عجیب

منزل ہے رضائے رب ”یہاں“ رضائے عبد ”ہے۔ بندے کی خوشی۔ اتنا عطا

کریں گے، اتنا عطا کریں گے کہ تو راضی ہو جائے۔۔۔ تو انجام پر نظر ہے۔ پیغمبرؐ منبر

سے ارشاد فرما رہے ہیں۔۔۔ صحیح بخاری میں دو مقامات پر ہے: فرمایا۔۔۔

”أَنَا وَسَاعَةُ هَاتَيْنِ“۔۔۔ (اپنی دونوں انگلیوں کو ملا کر فرمایا) دیکھو

”میں اور قیامت یوں ساتھ ساتھ جا رہے ہیں۔“

اپنی دونوں انگلیوں کو ملایا اور فرمایا، میں اور قیامت یوں ساتھ ساتھ جا رہے ہیں

میں قیامت سے جدا نہیں، قیامت مجھ سے جدا نہیں۔ مجھ میں اور قیامت میں کوئی

فصل نہیں۔ مجھ میں اور قیامت میں کوئی اور نبی نہیں آسکتا۔ تو انجام پر نظر ہے۔







یعنی ان اجزاء کو اس کل میں دیکھو (یعنی علی ابن ابی طالب کو دیکھو) نفس نبیؐ میں دیکھو  
تمام کتب جامع میں یہ حدیث موجود ہے۔ جب اپنے نفس کو اس طرح پہنچایا  
تو مقام خاتم کا کیا کہنا۔ سب اجزاء ہیں، یہ کل بن کر آیا۔ جب کل بن کر آیا تو اس کل کو  
قیامت تک کل ہی رہنا ہے:۔ لفظ کل کے لیے یہ آیتیں پڑھتا ہوں۔ سورہ صفت  
کی آیتیں ہیں۔ یہ اسٹھواں سورہ ہے جس کے بعد سورہ جمعہ ہے۔

”يُرِيدُونَ لِيُطْفَؤُا نُورُ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ  
مُبْتَدِئُ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ“ ۝ هُوَ الَّذِي  
أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى  
الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ“ ۝ (سورہ صفت آیت ۸-۹)  
”یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی چھوٹوں سے بجھا دیں، مگر  
اللہ تو اپنے نور کو پایہ تکمیل تک پہنچا کر رہے گا اگرچہ کافروں کو یہ  
ناگوار ہی (کیوں نہ) ہو۔ وہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو  
ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا، تاکہ وہ اُسے تمام ادیان کے  
اوپر غالب کر دے۔ اگرچہ مشرکین اس بات سے کراہت ہی کریں۔“

یہاں کفر کا ذکر کیا، یہاں شرک کا ذکر کیا۔ نور خدا کی ضد پر کفر کا ذکر  
کیا، اور پیغمبر کے دین کے سلسلے میں شرک کا ذکر کیا۔۔۔ ذرا کچھ سمجھنے کی کوشش  
کیجیے۔ اور یہاں دنیا کہتی ہے پیغمبر کا نام کیوں لے لیا۔ یہ شرک ہے۔  
بہر حال، ختمی مرتبت کو بحیثیت اُس منزل کے، کہ جہاں کمال ہی کمال  
ہے، دیکھو۔ حکمت مشرق و مغرب کا خلاصہ یہ تھا کہ اقبال کو کہنا پڑا:

مسلم از ستر نبی بیگانه شد ۝ بعد ایں بیت الحرم بت خانہ شد  
مسلمان ستر نبی (نبی کے راز) سے بیگانه ہو گیا، بیت الحرم (کعبہ) پھر بت خانہ ہو گیا۔

بِسْمِ اللَّهِ عِبَادِي الصَّالِحُونَ“ (سورہ انبیاء آیت ۱۰۵)  
”اور بیشک ہم نے لکھ دیا زبور میں ذکر کے بعد کہ تحقیق زمین کے  
وارث ہمارے صالحین بندے ہوں گے۔“

”إِنَّ فِي هَذَا لَبَلَاغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِينَ“ (انبیاء آیت ۱۰۶)  
”بلاشبہ (تحقیق) اس میں عبادت گزاروں کے لیے تبلیغ ہے“  
”وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِينَ“ (انبیاء آیت ۱۰۷)  
”اور ہم نے تو بس تجھے عالمین کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔“  
تو اس لیے نگاہ ختمی مرتبت میں سورہ حمد پڑھتے ہوئے:  
”إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ“ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ  
اپنی ہی منزل پیش نظر ہے۔ اور اگر انبیاء کا تصور ہے، اور اگر کسی کے دل میں یہ  
خیال ہے، تو غلط نہیں وہ سب ان کے پر تو ہیں، وہ اجزاء ہیں یہ کل ہے۔  
حدیث رسولؐ ہے۔ مختلف کتابوں میں موجود ہے یہاں تک کہ مفتی اعظم  
قسطنطنیہ (ترکی) حنفی المذہب علامہ سلیمان قندوزی نے اپنی کتاب ”تایید المودۃ“  
میں اس کو لکھا ہے:

”مَنْ أَرَادَ أَنْ يَنْظُرَ إِلَىٰ أَدَمَ فِي عِلْمِهِ وَإِلَىٰ نُوحٍ فِي  
عِزِّهِ وَإِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ فِي خُلَّتِهِ وَإِلَىٰ دَاوُدَ فِي قُوَّتِهِ  
وَإِلَىٰ سُلَيْمَانَ فِي حُكْمَتِهِ وَإِلَىٰ مُوسَىٰ فِي هَيْبَتِهِ وَ  
إِلَىٰ عِيسَىٰ فِي زُهْدِهِ فَلْيَنْظُرْ إِلَىٰ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ“  
”اگر کوئی دیکھنا چاہے آدم کو ان کے علم میں، اور نوح کو ان کے عزم  
میں اور ابراہیم کو ان کی خلعت میں اور داؤد کو ان کی قوت میں اور سلیمان  
کو ان کی حکومت میں اور موسیٰ کو ان کی ہیبت میں اور عیسیٰ کو ان کے زہد میں، تو وہ  
علیٰ ابن ابی طالب کو دیکھے



وہ دین نبی کو غالب کرنا چاہتا ہے چاہے مشرکین کراہت کریں —  
 تو اس طرح سے اگر عبدیت سے ہی ہم واقف نہ ہوں اور عبدیت کا جلال  
 ہی اگر ہمارے پیش نظر نہ ہو تو پھر ہم ربوبیت تک کیسے پہنچ سکتے ہیں۔  
 یہ عبدیت ہی زیر بحث ہے کہ عیسیٰ کی منزل پر تو ایسے گزرے پڑتے ہوئے  
 آیتوں کو، کہ مٹی سے پرندہ بنائیں گے، اندھے کو آنکھیں دیں گے، مبروص کو شفا  
 دیں گے اور پھر اپنی آیتوں کو قائم کریں گے، اپنی نشانوں کو برقرار کریں گے  
 "اَمَّا وَصَدَّقْنَا" اور جب رسولؐ عربی کا ذکر آیا، اور کسی معجزے کی گفتگو  
 آئی، تو لکھنے والوں نے لکھا کہ معجزہ اس طرح سے کیسے ثابت ہوگا۔

"نَشَقُّ الْقَمَرَ" کو مانا، نہ پھیلے پر سنگرینے کے بولنے کو مانا، نہ انہی  
 تسبیح کو مانا۔ کہا معجزے کو نہیں مانتے۔۔ پیغمبر کے لیے معجزے کو نہیں مانتے۔  
 وہ جس کے ہاتھوں میں ماورائے کائنات ہو، اُس سے معجزے کی توقع —  
 نہیں ہے۔ خیر وہ پرانی باتیں ہیں۔ اگر اب بھی دل مردہ ہے تو ایک دفعہ  
 معجزہ مان کر دیکھو اور ان کا نام لیکر دیکھو۔ کہو، ہمارے مردہ دل کو جلا دو۔  
 اس مردہ دل کو وہی زندگی عطا کرے گا، لیکن مانگ کے دیکھو۔ اور اسی کیلئے  
 حکم ملا کہ مقام جمال یہ ہے کہ اطاعت میں تم تنہا، اور مقام جلال یہ ہے کہ جنگ  
 میں تم تنہا کسی اور نبی کے لیے بھی کہا گیا تھا یہ، سولے ختمی مرتبت کے:  
 "يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ" (توبہ آیت)

"اے نبی! جہاد کر کافروں سے اور منافقین سے"

بدر، اُحد، خیبر، خندق، حنین۔ یہ سب کافروں سے جہاد ہیں  
 اب منافقین کہاں آنے والے ہیں، اور یہاں حکم جہاد ہے اس لیے ارشاد ہوا  
 "فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلِّفُ إِلَّا نَفْسَكَ" (سورہ نساء آیت ۸۴)

اور آپ کو یہ معلوم ہے کہ ستر نبی کیا ہے۔ اقبال کہتے ہیں:  
 در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰ است  
 آبروئے ما ز نامِ مصطفیٰ است  
 ہماری آبرو ہے نامِ مصطفیٰ۔

بور یہ ممنونِ خوابِ راحتش  
 تاجِ کسرے زیرِ پائے امتش  
 بور یہ تو ممنونِ احسان ہے اُس کے خواب کا اور کسلی کا تاج اس کی  
 امت کے پیروں تلے ہے۔۔ (رازِ نبی)  
 اور اب پھر یہ خانہ کعبہ بُت خانہ بن رہا ہے مسلم ستر نبی سے بیگانہ  
 ہوتا جا رہا ہے۔

ازلات و منات و عزّی و مہل  
 ہر کہ بُت دارد اندر بغل  
 لات و منات و عزّی اور مہل جو مکے میں توڑ دیے گئے تھے وہ اب مسلمانوں  
 کے بغلوں میں ہیں۔

تو کیوں بس یہ ذرا سی بات، پیغمبر کا نام لے لیا شرک ہو گیا "یا محمد کہ یا  
 شرک ہو گیا۔ ختمی مرتبت کو واسطہ بنایا، شرک ہو گیا۔ تو اس مقام پر ختمی مرتبت  
 کے لیے ہی تو یہ آیتیں آئی ہیں:

"يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ  
 مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ" ۵

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْمُدَيِّ وَدِينِ الْحَقِّ  
 لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۶

(سورہ صف آیت ۸-۹)



## مجلسِ نہم

- ۱- شجرہ طیبہ کی جڑیں محکم ہیں، شجرہ خبیثہ کو قرار ہی نہیں ہے۔
- ۲- کفرانِ نعمت کرنے والوں نے اپنی قوم کو جہنم تک پہنچا دیا۔
- ۳- محشر میں ظالم کہے گا کاش میں فلاں کو اپنا دوست نہ بناتا۔
- ۴- اعوان کی بندویں پر مردانِ خدا ہوں گے۔
- ۵- محشر میں نعمت کا سوال ہوگا۔
- ۶- کوثر پر قمرِ قرآن اور اہلِ بیت کی آمد۔
- ۷- محشر میں قرآن مجید پوچھے گا دشمنِ رسول کا عقب و نسب کیا ہے۔
- ۸- جنت اور جہنم کی تقسیم۔
- ۹- جنت اور جہنم کے درمیان ایک مؤذن اذان دے گا۔ کہ ظالموں پر خدا کی لعنت ہے۔
- ۱۰- ملکِ شام میں اہلِ حرم کا داخلہ۔
- ۱۱- بازارِ شام کی آئینہ بندی۔
- ۱۲- تین دن تک اہلِ حرم کو آئینہ بندی کے انتظار میں بیرونِ شہر کھڑا رہنا پڑا۔

ترجمہ: ”اللہ کی راہ میں لڑو (تہا لڑو) سوائے اپنے نفس کے کسی کو تکلیف نہیں دینا۔“  
تو یہ نفس پر لازم ہے کہ اگر کوئی خدمت رہ گئی ہے تو اس کی تکمیل ہو۔

یہ حقیقتِ محمدیہ ہے۔ وہ مدینہ ہو کہ مکہ، وہ حجاز ہو کہ کربلا، یہ سب حقیقتِ محمدی کے پرتو ہیں۔ جہاں ہر مجلس میں جہن کا ذکر ہوتا ہے وہاں یہ سمجھو کہ جہن کوئی اور ہستی ہے۔ جہن کمالِ محمدی کا ایک پرتو ہے۔ جہن جلالِ محمدی کا ایک پرتو ہے۔ جہن دینِ محمدی کا باقی رکھنے والا ہے۔ جہن بنائے لا الہ ہے۔ جہن دینِ محمدی کا جلال ہے۔ جہن وہ ہے کہ جس کا سب سے بڑا نانا کے کاندھے پر رہتا تھا کبھی نانا کے زانوئے مبارک پر۔ اور جنابِ ستیہ بیان فرماتی ہیں کہ جب بابا چھوٹے نواسے کو پیار کرتے تو دونوں ہاتھوں سے سر کو تھامتے اور اپنا دھن اقدس دھن جہن پر رکھ دیتے۔ اس سر کی اتنی قدر تھی۔ مگر اس کے بعد یہ سرنیے پر آتا۔ یہ سرتنور میں رکھا گیا، یہ سردختوں کی شاخوں سے باندھا گیا، یہ سرفصلی کوہ سے لٹکا یا گیا، یہ سردیرِ راہب میں رکھا گیا۔ صندوق میں بند کر کے۔ راہب قم کھا کر بیان کرتا ہے کہ رات پُر خطر تھی اور شکرِ یزدی نے یہ سمجھا کہ کوئی حکم کر کے شبِ خون مار کے ان سروں کو چھین لیجا بیگا، اس لیے ہمارے دیر میں لاکڑاٹھوں نے صندوقوں میں یہ سر رکھ دیے اور قید یوں کو باہر رکھا۔ راہب کہتا ہے، کچھ دیر نہ گزری ہمیں نے دیر کے دروازے کو بند کیا دیکھا آسمان سے عماریاں اتریں اور ایک بی بی کو دیکھا سر کے بال کھلے ہوئے تھے۔ اور پکاری ہوئی آئیں۔ میرا حسین، میرا حسین — میرا حسین۔ تمام شد

کیا مومن مسلمانوں کے پیارے ہیں جہن، چرخِ نوعِ بشر کے تارے ہیں جہن انسان کو بیدار تو ہو لینے دو (چوٹ) ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں جہن

شاہ است حسین بادشاہ است حسین : دین است حسین دین پناہ است حسین  
سرداد نہ داد دست در دست یزد : حقا کہ بنائے لا الہ است حسین



## نویں مجلس کفرانِ نعمت

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ..  
”الَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا وَ  
أَحْلَوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ“ (سورہ ابراہیم آیت ۲۸)  
”کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کے بدلے  
کفران کیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر جہنم میں جھونک دیا۔“

”کفرانِ نعمت“ کے عنوان پر آپ نویں تقریر سماعت فرما رہے ہیں اور مجھے  
اس اعتبار سے کسی اختتام اور کسی نتیجے پر پہنچنے کے لیے یہی تقریر اہم ہے۔ اور  
ظاہر ہے کہ کل کی تقریر میں تو ہم اپنی ساری تقریروں کو یکجا کریں گے اور خلاصہ کلام  
پیش کریں گے۔ مگر آج اس سچی میں کہ ہم اپنے سلسلہ کلام کو اتمام پر پہنچائیں۔  
میں نے اس سلسلے کی اُن آیتوں کو تلاوت کرنے کی کوشش کی جو اپنے مفہوم  
کے اعتبار سے آپ کے لیے انتہائی ضروری ہیں اور جو عنوان ہے اُس کے لیے ان آیتوں  
کو بھی سمجھنا انتہائی ضروری ہے۔ یہ سورہ ابراہیم کی آیتیں ہیں۔ سورہ ابراہیم قرآن مجید  
کا چودھواں سورہ ہے۔ ارشاد ہوا:

”الَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ  
طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ“ (ابراہیم آیت ۲۴)

ترجمہ ”کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ کلمہ طیبہ کی مثال کس طرح شجرہ طیبہ  
سے دیتا ہے، اُس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان  
میں پھیلی ہوئی ہیں۔“  
ارشاد ہوا کہ تم نے دیکھا کہ کیسے اللہ نے کلمہ طیبہ کی مثال دی ہے شجرہ  
طیبہ سے۔

کلمہ طیبہ کی مثال کس طرح سے دی شجرہ طیبہ سے۔ شجرہ طیبہ کو پہنچایا  
”أَصْلُهَا ثَابِتٌ“۔ اُس کی جڑیں محکم ہیں، ثابت ہیں، مرکز میں گڑی ہوئی  
ہیں۔

”وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ“ اور اُس کی ڈالیاں آسمان میں ہیں۔  
”تُوْقِيْ اْكُلْمَا كُلِّ حَيٍّ بِاِذْنِ رَبِّهَا“ (یہی وہ درخت ہے جو)  
”ہر موسم میں اپنا پھل دیتا ہے اپنے رب کے اذن سے۔“ اپنے رب کے حکم سے۔  
”وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْاُمَثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ“ (ابراہیم ۲۵)  
”اور خدا انسانوں کے لیے مثالیں دیتا ہے، تاکہ وہ مقامِ تذکرہ پر آئیں۔“

تاکہ وہ ہمارا ذکر کریں۔ ہم کو سمجھیں، اپنی حقیقت کو جانیں، مثال اس لیے دیتے ہیں۔  
لیکن ابھی مثال ختم نہیں ہوئی۔ اگر کلمہ طیبہ کی مثال سمجھ میں ابھی نہیں آئی۔ کہ  
شجرہ طیبہ کی مثال ہے کہ اُس کی جڑیں زمین میں مضبوط ہیں، ڈالیاں آسمان میں ہیں،  
بلندیوں پر ہیں، ہر زمانے میں یہ درخت پھل دیتا ہے، اپنے رب کے اذن سے۔ اگر  
یہ مثال ابھی سمجھ میں نہیں آتی تو پھر ضد کو سمجھو۔ اور کلمہ خبیثہ کی مثال یہ ہے۔ ارشاد ہوا۔

”وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ  
مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ“ (ابراہیم ۲۶)

”اور کلمہ خبیثہ کی مثال شجرہ خبیثہ کی سی ہے جو زمین کے اوپر سے ہی اکھاڑ لیا  
گیا ہو۔ اُسے قرار نہیں، ثابت نہیں، مضبوط نہیں۔“



سے ہر دور میں باثر ہے۔ یعنی ہر موسم میں پھل دیتا ہے۔“

شجرہ خبیثہ کی جڑیں ثابت نہیں ہیں، مگر صاحبانِ ایمان کو خدا ثبات دیتا ہے،



مقام کو قرآن نے کہا:

”عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا“ (بخاری ایت ۹)

”قرب ہے کہ تیرا رب تجھ کو مقام محمود پر فائز کر دے۔“

محمدؐ اور مقام محمود پر جائے۔ تو نگاہ ختمی مرتبت میں مقام محمود ہے کہ یہاں تعریف ہی تعریف کی جائے گی بندے کی۔ اُس کمال کو پیش نظر رکھ کر جو خود اُس کی ذات کو تیسرے ہونے والا ہے۔ اب بار بار یہی دعا ہے کہ پروردگار مجھ کو میرے اس راستے پر قائم رکھے۔ اب صراطِ مستقیم، صراطِ محمدؐ ہے جس کے لیے پیغمبر کہیں۔

”قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي“ (سورۃ یوسف آیت ۱۰۸)

”کہدو۔ یہ میرا راستہ ہے“

”ادْعُوا إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي“ (۱۰۸)

”میں بلا رہا ہوں اللہ کی طرف، اُس بصیرت کے ساتھ جو مجھے حاصل ہے اور

میری پیروی کرنے والوں کو حاصل ہے۔۔۔۔۔“ جو سبحان ہے۔ آیت کا آخری جزو

”وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ“

”اور اللہ پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔“

اور یہ جو کہہ رہا ہوں کہ یہ میرا راستہ ہے:

”وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ“

”اور میں مشرک نہیں ہوں۔“

یہ کمال مقام محمود پر عزت افزائی ہے کہ خدا بندے کے راستے کو اپنا

راستہ کہہ رہا ہے۔۔۔۔۔ اس لیے کہ راستہ واضح چاہیے، نشان قدم چاہیے۔

آنے والوں کے لیے منزلیں چاہئیں۔ راستہ مجرد نہ ہو، کوئی چل پھر کر بتلائے کہ یہ

راستہ ہے۔ بلکہ وہ راستہ محسوس ہو جائے کہ یہ راستہ ہے اور ہم کو چلنا ہے اس پر۔

گذشتہ تقریر اس منزل تک پہنچی تھی کہ ایک ذاتِ کامل و اکمل ہے سرمایہ موجودات ایک ہستی کامل ہے مقصدِ کمال۔ ”دائرة کُنْ فِکَان“ میں ایک مرکز ہے اور عالمِ تکوین کی نظر ایک ہی انسان پر جمی ہوئی ہے کہ جس کا آغاز صبحِ اول اور عقلِ اول کی اصطلاحوں کے ساتھ ہو۔ اور اُس کے بعد جب وہ مقامِ ظہور پر آئے سجدہ کرنے والوں میں منقلب ہوتے ہوئے۔ تو اُس سے یہ وعدہ کیا جائے۔

”وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ ۖ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ

رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۖ“ (سورۃ الضحیٰ پارہ ۳۰۔ آیت ۴۔ ۵)

”اور تیرا انجام (آخرت) تیرے آغاز (دنیا) سے کہیں بہتر ہے۔“

”وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ“

”اور عنقریب تیرا پروردگار تجھے اتنا عطا کرے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔“

تو نگاہِ عبد اور رضائے عبد، منظورِ مولا ہے، ورنہ ساری انسانیت کے لیے تو

رضائے رب، منظورِ عبد ہے۔ مگر یہ وہ انسانِ کامل و اکمل ہے کہ رضائے عبد

منظورِ مولا ہے۔ اتنا عطا کریں گے، اتنا عطا کریں گے کہ تم راضی ہو جاؤ۔ اور اس

طرح سے اُس انجام کو دیکھو جس انجام تک تمہیں جانا ہے۔

تو اب گفتگو شروع ہو رہی ہے، ذرا محفوظ رکھنے کی کوشش کریں جو کچھ عرض کیا جا رہا

ہے۔ اس لیے کہ اتنی کاوشوں کے بعد ہم اس فکر تک آپ کو پہنچا رہے ہیں۔۔۔۔۔

نگاہِ ختمی مرتبت میں خود اپنا کمال، خود اپنی انتہا جلوہ گر ہے کہ مجھے اس مقام تک پہنچنا

ہے، نگاہِ خاتم میں خود اپنا کمال محفوظ ہے کہ مجھے یہاں تک جانا ہے۔ یہ نہیں کہ پیغمبر کو

علم نہیں ہے کہ کہاں تک جانا ہے، بلکہ زمان و مکان کی بندشوں کو توڑ کر اک رات

کو اوپر بلایا (معراج پر) اور حدودِ زمان و مکان کو توڑ کر بتلایا کہ یہ دُنیا ہے، یہ

آخرت ہے، یہ محشر ہے، یہ قیامت ہے، یہ تمہارا مقام ہے، اب تم سمجھ لو، اور اسی



”هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي“

۔۔۔۔۔ میں اللہ کی طرف بلا رہا ہوں ۔۔۔۔۔

تو دعوت میں دے رہا ہوں۔۔۔۔۔ سورۃ احزاب کی آیت آپس چکے ہیں ارشاد ہوا:

”يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا“

وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِأَذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا“ (احزاب ۴۶-۴۷)

”اے نبی! بلاشبہ ہم نے تجھے شاہد اور بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے

اور اللہ کی طرف دعوت دینے والا اُس کی اجازت سے اور ایک

روشن چراغ (بنا کر بھیجا ہے)۔

یعنی:- اللہ کی طرف دعوت دینے والا بنا کر بھیجا ہے تجھ کو اے بشیر و نذیر!

اُس کے اذن کے ساتھ۔۔۔۔۔ تو اذن پایا ہوا ہے یہ۔۔۔۔۔ تو ثباتِ قول کا

یہ عالم ہے کہ جو کہدے، کہدے کہ پھر اُس سے برگشتگی نہیں ہے۔ جو کئے میں کہیادی

مدینے میں کہا۔ جو کئے میں زندگی ہے، وہی مدینے میں زندگی ہے۔ کئے میں جو احساسات

ہیں وہی مدینے میں احساسات ہیں۔۔۔۔۔ ختمی مرتبت کی زندگی Departmental

(ڈیپارٹمنٹل) نہیں ہے کہ اُس کو آپ مختلف خانوں میں تقسیم کر دیں، کہ یہ گھر کی

زندگی ہے، یہ مسجد کی زندگی ہے، یہ ازواج کے ساتھ زندگی ہے۔ یہ اصحاب کے ساتھ

زندگی ہے، یہ اہل بیت کے ساتھ زندگی ہے، یہ نواسوں کے ساتھ زندگی ہے۔ یہ

جنگ کی زندگی ہے۔ ہر جگہ محمدؐ ہے۔ ایسی منزل پر ثباتِ قدم ختمی مرتبت سے

زیادہ کسی کو حاصل نہیں ہے۔ جب صاحبانِ ایمان کے قول کو خدا ثابت کہتا ہے

”يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ

الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ“ (ابراہیم آیت ۲۷)

”دنیا و آخرت میں اللہ کے نزدیک صاحبانِ ایمان کے لیے ثباتِ قول ہے۔“

ظاہر ہے کہ اس ثباتِ قول کو عطا کرنے والا، ایمان کی دولت دینے والا اُس

لیے کتنا ثبات لازم ہے؟ اتنا ثبات، اتنا ثبات کہ:

”أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ“

جسکی، اصل ثبات، اور شاخیں آسمان میں ہیں

وہ انجام ہے۔ ”وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ“

ابھی تو لوگوں کی نگاہیں زمین ہی پر لگی ہوتی ہیں کہ یہ مکہ ہے، یہ مدینہ ہے۔

ابھی تو آسمانوں کی بندلیوں پر نہیں دیکھا مقامِ خاتم کو ”تَوَقَّى أَوَّلَهَا كُلَّ

حَيْنٍ بِأُذُنٍ رَّبِّهَا“ ہر زمانے میں بائیں، ہر زمانے میں یہ درخت پھل

دیتا ہے اپنے رب کے اذن سے۔

نعمتوں کو دیکھا کہ آج اگر ہے وہ شجر تو بے ثمر نہیں۔۔۔۔۔ صلوات۔۔۔۔۔

آج اگر ہے وہ شجر، اور یقیناً ہے، کلمہ طیبہ ہے، شجرہ طیبہ ہے، بے ثمر نہیں ہے

اور اگر بے ثمر نہیں ہے تو ثمر کا انکار، نعمت کا انکار ہے، کفرانِ نعمت ہے اُس

ثمر شجرہ طیبہ کا انکار، نعمتِ الہی کا انکار ہے اور کفرانِ نعمت ہے۔

اور پوچھا جانے والا ہے، کہاں۔ اُس دن جس دن کوئی مقامِ محمود پر فائز

ہوگا۔ اور مقامِ محمود پر آنے والا کس شان سے آئے گا کہ اُس کو کئے اور مدینے میں

دیکھنے والے، جو یہ سمجھتے تھے:

”وَقَالُوا أَمْ آتَى هَذَا الرَّسُولُ يَا كُلُّ الطَّعَامِ وَيَمْشِي فِي

الْأَسْوَاقِ ط...“ (سورۃ فرقان آیت ۷)

”اور وہ یہ کہنے لگے کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں

میں چلتا پھرتا ہے۔۔۔۔۔“

کیا یہ رسول ہے؟ یہ تو ہماری طرح روٹی کھاتا ہے، بازاروں میں چلتا ہے۔



کاش میں فلاں کو دوست نہ بناتا۔ یُوئِلْتٰی لَیْسَتْنِیْ لَمْ  
اَتَّخِذْ فَلًا نَّاحِلِیْلًا۔۔۔

اور جب وہ میرے نزدیک آیا تو اُس نے مجھے ذکر سے ہٹا دیا۔۔۔۔۔  
سلسلہ آیت ختم نہیں ہوا:

”لَقَدْ اَصْلَحْنٰی عَنِ الذِّکْرِ بَعْدَ اِذْ جَاۤءَنِیْ ط وَ  
كَانَ الشَّیْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خٰذِلًا“ (فرقان آیت ۲۹)  
”یقیناً اُس نے مجھے ذکر سے بھٹکا دیا، اُس ذکر سے جو میرے پاس  
آچکا تھا اور شیطان تو انسان کو (گمراہ کر کے) چھوڑ جانے والا ہے۔“

یعنی: وہ شیطان تھا جو انسان کو بہرے جارہا تھا۔ کاش میں اُس کے راستے پر  
نہ چلتا۔ کاش میں رسول کے راستے پر چلتا۔ وہ شیطان تھا جس نے مجھ کو

بہرے کیا۔۔۔۔۔ اور پھر رسول محشر میں آواز دیں گے۔۔۔ (آیتیں مسلسل ہیں)  
”وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ اَتَّخَذُوْا هٰذَا  
الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا“ (سورہ فرقان۔ آیت ۳۰)

”اور رسول کہیں گے، اے میرے پروردگار بیشک میری قوم نے اس  
قرآن کو پکڑا، مگر چھوڑتے ہوئے۔ (پڑھا تو سہی مگر عمل نہ کیا)

یعنی: پروردگار! یہ میری قوم ہے جو قرآن سے دور ہو چکی تھی۔ محشر میں نبی بھی  
ہونگے، قرآن بھی ہوگا۔ یہ دونوں ساتھ ساتھ جارہے ہیں۔ شجرہ طیبہ اور قرآن۔  
تو رسول کہیں گے۔ پروردگار! یہ میری قوم ہے جو قرآن سے دوری اختیار  
کر چکی تھی۔۔۔

یہودیوں کا ذکر نہیں کیا، نصرانیوں کا ذکر نہیں کیا، مجوسیوں کا ذکر نہیں کیا  
بلکہ فرمایا: اِنَّ قَوْمِیْ۔۔۔ بیشک میری قوم۔

یہ بھی کوئی رسول ہے، ہماری طرح باتیں کرتا، ہماری طرح زندگی بسر کرتا ہے۔؟  
تو اس طرح سے اپنے نفس پر قیاس کرنے والے جب محشر میں اُس کو مقام محمود  
پر دیکھیں گے۔۔۔۔۔ تو کہیں گے۔۔۔۔۔

”وَ یَوْمَ رَیْعَضُ الظَّالِمُ عَلٰی یَدِیْهِ یَقُوْلُ لَیْسَتْنِیْ  
اَتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا“ (فرقان آیت ۲۷)  
”اور ظالم اُس دن اپنے ہاتھوں کو کاٹ کاٹ کھائے گا اور کہے  
گا۔ کاش (ہائے افسوس) میں رسول کے ساتھ (بتائے ہوئے)  
راستے پر چلتا۔ (میں رسول کے ساتھ رہتا)

سورہ یوسف: هٰذِهِ سَبِیْلِیْ ”یہ میرا راستہ ہے۔“ دنیا نے اعتنا  
نہ کی۔ مگر جب محشر میں اُس کو مقام محمود پر دیکھا:

”لَیْسَتْنِیْ اَتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا“  
”اے کاش میں رسول کے بتائے ہوئے راستے پر چلتا۔“

میں رسول کے ساتھ رہتا۔ (کاش میں رسول کی معیت میں ہوتا)  
ایک معیت کی بحث چھڑ رہی ہے اس میں۔

کاش میں رسول کی معیت میں اس راستے پر رہتا۔ (آیت مسلسل ہے)  
”یُوئِلْتٰی لَیْسَتْنِیْ لَمْ اَتَّخِذْ فَلًا نَّاحِلِیْلًا“ (فرقان ۲۸)

”ہائے افسوس، کاش میں فلاں کو اپنا دوست نہ بناتا۔“

یہ فلاں کیا ہے؟ قرآن دیکھیے۔ پورے قرآن میں قدرت کو بھی منظور یہ ہے  
کہ اک اشارے میں مطلب ادا ہو۔

”لَیْسَتْنِیْ اَتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا“  
”کاش میں رسول کے بتائے ہوئے راستے پر رہتا۔“



بِهِم فِي النَّاسِ - - - (سوره النعام آیت ۱۴۲)

نہ ہونے دے گا۔



(سورہ اعراف آیت ۴۶)

اسی سوئے میں آئے چکر بھر رُحل۔۔۔ بھروہ اس طرف والوں کی

تو اس طرح وہ نبی مقام محمود پر آئے گا، صاحبانِ ایمان اُسکے ساتھ ہوں گے



میں روٹی قابلِ ذکر ہے، اناج قابلِ ذکر ہے، اچھا مکان قابلِ ذکر ہے، دنیاوی نعمتیں قابلِ ذکر ہیں؟۔۔ کیا چیز قابلِ ذکر ہے کہ جن کو تو نے اپنی نعمتوں سے سرفراز کیا، اُن کا راستہ بتلا۔ تو اگر یہ طے پا جائے تو اب جب سب کے سب محشر میں آئے، تو ایک مرتبہ آواز آئی۔۔۔ (سورہ صافات)

”وَقِفُّهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ“ (سورہ صافات آیت ۲۲)  
 ”ان کو روک لو ان سے سوال کیا جائے گا۔“

ٹھہراؤ ابھی ایک سوال باقی ہے۔۔۔  
 اور پھر قرآن نے کہا: (تیسواں پارہ) (التکاثیر)  
 ”ثُمَّ لَنَسْأَلَنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ“ (سورہ آیت ۸)  
 ”پھر اُس دن تم سے نعمتوں کے بارے میں بھی ضرور سوال کیا جائے گا۔“

اُس وقت پوچھا جائے گا، بتاؤ نعمتوں کے متعلق اب کیا کہتے ہو یعنی آخر تک نعمت۔۔۔ تو آپ کیا سمجھتے ہیں کہ اُس وقت پوچھا جائے گا کہ دنیا میں کیا کھاتے تھے، کیا پیتے تھے، کس دن کی غذا کیا تھی، جس کو آپ نعمت سمجھ رہے ہیں، نہیں، یہ تو اُس کی عطا ہے۔ کریم اپنے خوانِ نعمت پر فرعون کو کھلا کر نہیں پوچھتا۔ رحمن اپنے خوانِ کرم پر عمرو کو سیر کر کے نہیں پوچھتا، کہ ہم نے کیا نعمت دی تھی کھانے کو۔ نہیں، یہ رحمانیت سے بلند ہے۔ وہ نعمت اور ہے جس کے متعلق پوچھا جائے گا، اُسی نعمت کے متعلق سوال ہوگا۔۔۔ بتاؤ تمہارا ردِ عمل کیا ہے؟ تم نے سمجھا کلمہ طیبہ کو؟ تم نے جانا شجرہ طیبہ کو، کہ کس طرح سے جڑیں مضبوط ہیں۔ اور کس طرح سے ڈالیاں آسمان میں ہیں؟ تم نے دیکھا اُس شجر کو۔ اور اگر اُس شجر کو دیکھا تو صاحبانِ نعمت کو بھی

طوف اشارہ کر کے، دیکھ کر کہیں گے:  
 ”أَهَؤْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الَّذِي آتَيْنَا لَهُمُ اللَّهُ بِرَحْمَةٍ  
 أَدْخَلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ“

(اعراف ۴۹)

”کیا یہ (اہلِ جنت) وہی لوگ نہیں ہیں جن کے متعلق تم قسمیں کھاتے تھے کہ اُن تک اللہ کی رحمت نہیں پہنچے گی۔ داخل ہو جاؤ جنت میں، تم پر نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ تمہیں حزن و ملال ہوگا۔“  
 یعنی: تم ان کے لیے دنیا میں قسم کھا کھا کر کہہ رہے تھے کہ ان کو کبھی جنت نہیں ملے گی۔ جاؤ جنت میں۔ کس کا حکم ہے، یہ کون ہیں؟ کیا فرشتے ہیں؟۔۔۔ بات کچھ نہیں، بس ایک مرتبہ اِذن مل گیا۔۔۔ یہ عیسیٰ کو ملا ہوا اِذن نہیں ہے کہ مُردے جی جائیں یا مٹی سے پرندہ بن جائے اور اُڑنے لگے۔ اندھوں کو کوڑھیوں کو شفا ملے۔ نہیں۔ یہ اِذن کا مقام آخر ہے کہ تمہاری پسند تمہارا انتخاب، تمہارا فیصلہ، تمہاری مرضی۔ تو فیصلہ کس نے دیا؟ نبی کا نام آیا نہیں، وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ کچھ مردانِ خدا ہوں گے۔ جو کہیں گے۔ تم جاؤ جنت میں۔۔۔ تو اس مقام محمود پر پیغمبر پہنچ رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ خود اس کے متعلق علم تھا شبِ معراج، کہ میرے لیے یہ مقام مقرر ہے، اتنی نعمتیں مجھے میسر ہونے والی ہیں قیامت تک، اور یہ مقام مجھے ملنے والا ہے۔۔۔۔۔ اب ختمی مرتبت کی گفتگو ختم ہوئی، ہماری گفتگو  
 ”إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“

اُن کا راستہ جن پر تو نے اپنی نعمتوں کو نازل کیا۔۔۔۔۔ تو اب نعمتوں



دیکھا، شجرِ بائمر کو بھی دیکھا، بے ثمر نہیں ہے وہ درخت۔ یہ اور بات ہے کہ دسترس انسان سے باہر ہے، یہ اور بات ہے کہ اب انسان کی رسائی وہاں نہ ہو۔ یہ اس لیے کہ یہاں انسانیت اپنے منزلِ کمال پر جا رہی ہے۔

اور لے حبیب! وہ دن ہوگا جب ہم اُس کمال کو تیرے لیے تیار کر رہے ہیں جو مقامِ محمود پر تجھ کو میسر آئے گا، نیا عالم ہوگا۔۔۔ سنئے سورۃ النساء

میں ارشاد ہوتا ہے۔

”فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا“ (سورۃ نساء آیت ۴۱)

”وہ کیسا وقت ہوگا (لے حبیب!) جبکہ ہم ہر امت پر ایک گواہ لائیں گے، اور تم کو ان سب کے اوپر گواہ بنا کر لائیں گے۔“

شہید! گواہ۔ تم گواہ سب پر گواہ۔ گواہ بے علم نہیں ہوتا، علم نہ ہو تو گواہی غلط۔ اگر مسلسل بھولنے والا ہو، تو اُس کی گواہی غلط۔ سہو کر جانے گواہی غلط۔ تغیرات کا اسیر ہو جانے، کبھی کبھی رہے، کبھی کبھی رہے۔ حالتِ انقباض کچھ اور ہو۔ حالتِ انبساط کچھ اور ہو۔ حالتِ صحت کچھ اور ہو۔ حالتِ مرض کچھ اور ہو، تو شہادت غلط: فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ۔۔

اب وہ دن ہوگا کہ ارشاد ہوتا۔

”لَا يَحْزَنُهُمُ الْفَرَعُ الْكَبِيرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَذَا يَوْمُكُمْ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ“ (سورۃ انبیاء آیت ۱۰۳)

وہ ان کو سب سے بڑی دہشت (قیامت بھی) طول ورنجیدہ نہ کرے گی اور فرشتے ان سے ملاقات کریں گے (اور کہیں گے) کہ یہ تمہارا دن جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

”ملا کہ جا کر ادب سے ملاقات کریں گے اور کہیں گے، یہ دن آج

تمہارا ہے جس کا وعدہ کیا گیا تھا۔“

یہ قرآن مجید کی آیت پڑھ رہا ہوں، سورۃ انبیاء کی، اکیسواں سورہ۔ اور آپ نماز میں مسلسل پڑھ رہے ہیں کہ ”وہ جو یومِ دین کا مالک ہے، رب العالمین رحمٰن ورحیم یومِ دین کا مالک۔۔۔ اور ادھر ارشاد ہوا، ”یہ دن آج کا آپ کا ہی دن ہے۔“۔ یہ دن آپ ہی کے لیے سجایا گیا ہے۔

”هَذَا يَوْمُكُمْ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ“

یہ آپ ہی کا دن ہے جس کا آپ سے وعدہ کیا گیا تھا۔

یہ دن آپ ہی کے لیے سنوارا گیا ہے۔۔۔ اس دن کا اجلاس آپ ہی کے لیے طلب کیا گیا ہے۔۔۔ اس بزم کی صدارت آج آپ کو مبارک ہو۔ یہ دن تمہارا ہے۔

اسی سورے میں ذرا آگے چل کر ایک دوسرا رخ۔۔۔

”وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ“ (انبیاء آیت)

”اور نہیں بھیجا ہم نے تم کو مگر عالمین کے لیے رحمت (بنا کر)“

عالمِ دنیا میں بھی رحمت ہے۔ عالمِ آخرت میں بھی رحمت ہے۔ ثواب یہ وہ مقام ہے کہ ایک منزل پر تو پہنچ چکے ہیں، صاحبانِ ایمان ہوں گے جو ساتھ ہوں گے

ایک منزل پر یہ پہنچ چکے کہ قرآن بھی ساتھ ہوگا: دیکھئے (سورۃ فرقان آیت ۳۰)

”يَا رَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا“

”اے میرے پروردگار! بیشک میری قوم نے اس قرآن کو پکڑ کر چھوڑ دیا۔“

اس کے معنی یہ کہ اس کمال کی گواہی کے لیے ختمی مرتبت کی گواہی کے لیے

دنیا نے اپنی اصناف سے پیغمبر کو دیکھا تھا۔ دنیا نے اپنی نسبت سے پیغمبر کو دیکھا تھا



تو انھیں دو چیزوں سے گواہی مانگو، انھیں دونوں کو شہید جانو، وہ نعمتیں جو مجھ پر نازل ہو رہی ہیں، وہ اتمامِ نعمت جس کام میں نے دعویٰ کیا ہے، وہ اکمالِ دین جس کا قرآن نے دعویٰ کیا ہے، اس کو سمجھنا چاہتے ہو تو ان دونوں کو سمجھو۔ اور دیکھو! ”اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمْ التَّغْلِیْنِ کِتَابَ اللّٰهِ وَعِثْرَتِیْ اَهْلَ بَیْتِیْ مَا اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِهَٰمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَیْ اِنَّهَٰمَا لَنْ یَفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ“

یقیناً میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑ رہا ہوں، کتاب اللہ اور اپنی عترت اپنے اہل بیت، اگر تم ان سے وابستہ و متمسک رہے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے میرے بعد یقیناً یہ دونوں آپس میں جدا نہ ہوں گے یہاں تک یہ وارد ہوں گے میرے پاس حوض (کوثر) پر۔

یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے، میں حوض کوثر پر رہوں اور یہ دونوں آئیں گے۔ (پھر محشر)۔ یہ مقام محمود ہے۔ اب کتاب بھی ہے اور عالم کتاب بھی ہے۔ اور پھر کتاب آواز دے رہی ہے:

”اَنَا اَعْطِیْتُكَ الْکُوْثَرَ“

یقیناً ہم نے آپ کو کوثر عطا کیا۔

اب پوچھو کہ تیرے دشمن کا سلسلہ کیا ہے۔ (دیکھیے! کتنی عجیب اور مشکل منزل سے گذر رہا ہوں)۔ اب ان کا عقب کیا ہے، اُن کا نسب کیا ہے۔

”اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ“

بیشک، تیرا دشمن دُم بُریدہ ہے۔

اس لیے اس کی بشریت سے دھوکا کھا گئے، کبھی کبھی اُس کی انسانیت سے دھوکا کھا گئے اور بار بار یہ کہتے رہے۔ (سورۃ رعد آیت ۴۳۔ یہ آخری آیت ہے اس سورے کی) ”وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا قُلْ کُفِّ بِاللّٰهِ شَهِیْدًا اَبِیْنِیْ وَبَیْنِکُمْ وَمَنْ عِنْدَہٗ عَلِمَ الْکِتٰبَ“ ”اور وہ لوگ جنھوں نے کفر اختیار کیا، کہتے ہیں کہ تو مرسل (اللہ کا رسول) نہیں ہے۔ (اے رسول!) کہہ دیجیے، میرے اور تمھارے درمیان اللہ کی گواہی کافی ہے اور وہ بھی (گواہ ہے) جس کے پاس علم الکتاب ہے۔“ کہتے ہیں کہ لَسْتَ مُرْسَلًا۔ تو رسول نہیں ہے۔

تم میرے لیے گواہ چاہتے ہو۔ میں تو سب پر گواہ ہوں۔ مگر میرے لیے بھی دو گواہ۔ ایک اللہ گواہ اور ایک وہ جس کے پاس علم کتاب ہے، وہ گواہ۔ میں گواہ ”فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّةٍ بِشَہِیْدٍ وَ جِئْنَا بِکَ عَلٰی هٰؤُلَاءِ شَہِیْدًا“ (سورۃ النساء)

اور مجھ پر دو گواہ۔ اللہ گواہ اور عالم کتاب گواہ۔۔۔ تو اللہ جس و محسوس میں نہیں، اللہ دل و دماغ میں نہیں، اللہ ہم و فکر میں نہیں، عقل و شعور میں نہیں وہ گواہی کیسے دے۔

اب آپ نے دیکھا، یہ ہے ثقلین۔ ایک کتاب ہے، ایک عالم کتاب۔

اس لیے چھوڑ رہا ہوں کہ مجھ پر گواہ رہیں۔۔۔ کافر کہہ رہے ہیں:

”قَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا“

کافر کہہ رہے ہیں کہ تو مرسل نہیں ہے۔

مگر کافر کی زبان ہمیشہ کٹتی رہے گی، جب تک کہ کتاب اور عالم کتاب باقی ہیں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔ اپنے لیے چھوڑ رہا ہوں۔ جب حیران ہو جاؤ







## مجلس دہم

- ۱- عبدیت کے کمال پر ہر آن نعمتوں کا نزول ہوتا ہے۔
- ۲- منزل طلب اور منزل یقین۔
- ۳- آفتاب کے نکلنے پر چراغ بجھا دیے جاتے ہیں۔
- ۴- حقیقت کیا ہے ؟
- ۵- جس دعا کے اول و آخر درود ہوتا ہے وہ منزل قبولیت پاتی ہے۔
- ۶- میر تقی میر کے ایک شعر کی بہترین مثال۔
- ۷- ایسے کا دامن تھا مو جہاں جمود نہیں ہے۔
- ۸- اللہ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔
- ۹- عزت صرف اللہ اور اُس کے رسول اور مومنین کے لیے ہے۔
- ۱۰- ”آمد آمد حرم شاہ کی دربار میں ہے۔“
- ۱۱- دربارِ یزید میں شہزادی زینب (علیہا السلام) کا معرکہ الاراء خطبہ۔
- ۱۲- مصائبِ حضرت سکینہ بنت الحسین علیہا السلام۔

میں اپنی عادت کے مطابق کل شہزادی زینب کے خطبے کو پیش کروں گا اور اس سے عزت پاؤں گا۔ شاید اسی خطبے کے وسیلے سے نجات ہو جائے۔

تبیس منزلیں ہیں کوفے سے شام تک۔ سولہ دن میں طے ہوا یہ سفر۔ دو، دو منزلیں ایک ایک دن میں۔ جلدی چلو، جلدی چلو حاکم کی خوشی ہے کہیں راستے میں کوئی شب خون نہ مارے۔ جلدی چلو کہیں راستے میں کوئی حملہ نہ کر دے۔ جلدی چلو کہیں راستے میں کو سر حشین نہ چھین لے۔ بڑھاؤ ناقوں کو، ناقوں پر بیسیاں اپنے اپنے دودھ پیتے بچوں کو سینے سے لگائے یا علی۔ یا علی کہتے ہوئے صہل رہی ہیں اور بچے ماؤں کی گودوں سے اچھل اچھل کر گر رہے ہیں۔ کوفے سے شام تک کے راستے میں چالیس چھوٹی چھوٹی قبریں بن گئیں۔ قافلہ تیزی سے چلتا، بچہ اچھل کر گرتا، اور وہیں اُس کا دم نکل جاتا۔ ماں کو اجازت نہ تھی کہ رُکے۔ ماں کو اجازت نہ تھی کہ دفن کرے۔۔۔۔۔ قافلہ گزر گیا اور کلیجوں کے ٹکڑے جنگل میں رہ گئے۔

اٹھائیسویں کی شام تھی کہ اہل بیتِ سوادِ شام میں پہنچے جہاں سے ملک شام کی عمارتیں نظر آرہی تھیں۔۔۔ جا کر ایک نامہ بر نے کہا: امیر! قیدی آگئے۔۔۔۔۔ سر حشین آگیا۔۔۔۔۔ اُس نے وزراء سے مشورہ لیا کہ کیا چاہیے۔۔۔ لوگوں نے کہا: یزید! جب بڑے گھر کے قیدی آتے ہیں تو دربار سجایا جاتا ہے، شہر سجایا جاتا ہے ملک میں آئینہ بندی ہوتی ہے، عید منائی جاتی ہے۔ اتنا موقع دیا جاتا ہے کہ لوگ لباسِ فاخرہ بنالیں۔ اور جب ایسے مشہور گھرانے کے قیدی آئیں جسے مشہور کوئی گھرانہ نہیں تو یقیناً ہم کو اے امیر حوہ دن دے۔ جواب دیا نا ممکن، درباریوں نے کہا سات دن، کہا یہ بھی نام ممکن، کسی نے کہا اچھا تین دن کی اجازت دے۔ کہا منظور۔ چنانچہ تین دن تک بازار سجتا رہا، شہر کی آئینہ بندی ہوتی رہی، لوگوں کے لباس بدلتے رہے اور رسول کی بیسیاں شہر سے باہر کھڑی رہیں۔۔۔۔۔ اللعنة الله على الظالمين۔۔۔۔۔



کہا جا رہا ہے۔ ان تقاریر سے مدعا منوانا نہیں ہے بلکہ مسائل کو پیش کر کے آپ کو اپنی مرضی پر چھوڑ دینا ہے۔ اگر محفوظ کرنے کے قابل جانا تو محفوظ کیجیے۔

قوموں کی زندگی اور قوموں کا انحصار یہی ہے کہ مسلسل افکار تازہ ملتے رہیں

اور جہاں افکار تازہ میسر نہیں آتے وہاں ایک جمود پیدا ہو جاتا ہے۔ جمود حیات

کی نشانی نہیں ہے، حیات مسلسل حرکت چاہتی ہے، حرکت ہر آن فکر نو میں ہے

اور اس اعتبار سے کوشش اس امر کی چاہیے کہ آپ جہاں کہیں بھی جاتیں کسی کو نہیں

لپٹنے لے لے ایک راہ خود نکالیں، ممکن ہے کہ میں نے آپ کے معلومات میں کچھ بھی اضافہ

نہ کیا ہو، لیکن "کفرانِ نعمت" کے عنوان پر جو بحث ہوئی، آپ نے کچھ سوچا سوچا

اور اپنے فکر میں، ذہن میں اور شعور میں کچھ چیزوں کو ٹوٹا لاہوگا۔ اس اعتبار سے آپ کی

وہ کوشش، وہ آپ کی فکر، وہ آپ کی سعی تمام خود آپ کو ایسی منزل پر پہنچائیگی جہاں

آپ یہ سمجھیں گے کہ ایک مجلس کے بعد دوسری کچھ زیادہ فائدہ پہنچائیگی، اور آج کی

مجلس سے آئیو لے کل کی مجلس اس سے اور کچھ زیادہ فائدہ پہنچائے گی۔ اور آج

بھی ماضی پر اگر گذرنا ہو اکل ہی چھایا رہا، اور آج بھی اُسی مقام پر فکر رہی، اور آج بھی

نرمی نہ ہو سکی، تو وہ محرومیت ہی محرومیت ہے اور اگر آنے والے کل میں آج سے زیادہ

بہتری نہ تو ظاہر ہے وہاں انسان اپنے آپ کو مایوس جانے کہ ترقی کا امکان نہیں ہے

اور اگر یہ ترقی رک جاتے تو محرومیت ہے۔ انسان اپنے آپ کو مایوس جانے کا

نعمت پانے والی ہستیاں ہر آن یہی دیکھتی ہیں کہ گذشتہ سانس پر کیا نعمت نازل

ہوئی، آنے والے نفس پر کیا نعمت نازل ہوگی اور ہر آن یہ ترقی جاری رہے تو اس

انسان کے مارچ کا کیا کہنا جس کی زندگی کا حساب روزِ محشر تک۔

یہ تمہید تھی۔ تقریر شروع ہو گئی۔

ذاتِ واجب لا حمد و دے۔ اس لیے اُس کی معرفت بھی لا حمد و دے اُس کا

## دسویں مجلس

### کفرانِ نعمت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”اَلَمْ تَرَ اِلٰی الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اَکَلُوْا اَمْوَالَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ“ (سورہ ابراہیم آیت ۲۸)

”کیا تو نے نہیں دیکھا اُن لوگوں کو جنہوں نے اللہ کی نعمت کے

بدلے کفران اختیار کیا، اور اُنہوں نے اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر

(جہنم) میں جھونک دیا۔“

،

”کفرانِ نعمت“ کے عنوان پر یہ دسویں اور آخری تقریر ہے۔

قبل اس کے، کہ میں اپنی تقریر کا آغاز کروں، میں اپنے سامعین کا شکریہ

ادا کرنا چاہتا ہوں کہ اُنہوں نے بڑی پابندیِ وقت سے، بڑے انہماک سے، بڑے تعلق

خاطر سے ان مجلسوں میں شرکت کی اور مجھے یقین ہے کہ جو کچھ وہ محسوس کر سکتے تھے

اُنہوں نے محفوظ کیا ہوگا۔ میں کارکنانِ ادارہ کا بھی شکریہ گزار ہوں کہ اُنہوں نے اپنے

تعاون اور انتظامات کی خوش اسلوبی سے ہکو اور سامعین کو مل بیٹھنے کا موقع فراہم کیا

کہ کچھ گفتگو ہو اور فکر آگے بڑھے۔

یہ تقریریں ہوں یا کہیں بھی کسی کی تقریر ہو بانہگِ خاطر آپ نہیں اس

بات کی عادت ڈالیں اور اپنی صلاحیت کے مطابق قبول کرنے کی کوشش کریں جو کچھ



ترقی کا نفس ہے اور یہ وہ مقام ہے جہاں آواز آئے مَّا عَرَفْنَاكَ حَقًّا  
 مَعْرِفَتِكَ "نہیں پہچانا ہم نے تجھے جو حق تجھے پہچاننے کا تھا۔"  
 ہر آن جس پر نعمتوں کا نزول ہوتا رہتا ہے وہ گزرے ہوئے نفس کو کوتاہی  
 سمجھتا ہے۔ مالک بخش دے، ورنہ یہ گھرا نا بخشش کس بات کی مانگ رہا ہے۔  
 جہاں آیہ تطہیر اترے، وہاں بخشش و مغفرت کس بات کی استغفار  
 کس بات پر جس کے لیے یہ حیرانی ہے یہ پریشانی ہے کہ:  
 "لِيُغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ  
 وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ" (سورہ فتح آیت ۲)  
 "تاکہ اللہ تیری اگلی پچھلی خطائیں معاف کر دے اور اپنی نعمت تجھ  
 پر تمام کر دے۔۔۔۔۔"

یہ معصیت نہیں ہے، بلکہ خود رہ معرفت حق میں ہر اگلی منزل کے لیے پچھلی  
 منزل میں کوتاہی نظر آتی ہے۔ تو جب پچھلی منزل پر نظر جاتی ہے تو پکار کر کہا جاتا ہے  
 "رَبِّ اغْفِرْ لِي" رَبِّ اغْفِرْ لِي۔ "میرے رب میری مغفرت فرما، میرے  
 رب میری مغفرت فرما۔۔۔" اور جب آگے نظر جاتی ہے تو آواز یہ آتی ہے:  
 کہ پروردگار! فتح قریب ہو، فتح مبین ہو۔ ابواب معرفت کھل جائیں اور مجھ کو  
 وہ تقرب کمال نصیب ہو کہ جہاں میں یہ کہہ سکوں کہ: پروردگار! مجھے وہ طاقت  
 عطا کر کہ میں ساری دنیا سے کٹ کر تیرا ہو جاؤں۔ (صحیفہ علویہ)۔۔۔۔۔  
 پروردگار! میرے دل کی آنکھوں کو وہ قوت دے کہ تیرے نور پر نظر  
 جاسکے، میں اتنی نزدیکی چاہتا ہوں کہ دل کی آنکھیں نور کے پردوں کو چاک کرتی  
 ہوئی نکل جائیں، یہاں تک کہ میں متصل ہو جاؤں معدن رحمت سے۔۔۔ یہ اُنکی  
 دعا ہے جنہوں نے ہم کو شعورِ دعا عطا کیا ہے۔ یہ آپ کے آقا اور مولا نیر شعبان

علم لامحدود ہے، اُس کی راہ میں آگے بڑھنے کے لیے بھی لامحدود ذرائع کی  
 ضرورت ہے، معرفت حق کے بحرِ ذخار میں جو غواہی کے لیے آگے بڑھ جاتا ہے وہ  
 ہر آن چاہتا ہے کہ ایک نیا مقام ملے۔ ایک نئی منزل ملے، اور اس طرح سے وہ ہر  
 آن آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اس لیے کہ وہ بحر معرفت ناپید اکنا ہے، اس کے لیے  
 کوئی انتہا نہیں ہے۔

رہ نور دان رہ معرفت حق کے لیے  
 گر قدم اٹھ کے نہ بڑھ جائیں یہی ہے تفسیر  
 بحرِ ذخارِ محبت کے شناور کے لیے  
 گر نکل جائیں نہ آگے تو یہ موجیں زنجیر  
 مَّا عَرَفْنَاكَ کی آواز، یہ ماضی، حَقِّ مَعْرِفَتِكَ، مستقبل، آگے  
 بڑھنے کی تمنا۔ ماضی کو حقیر جان کر اور مستقبل کو روشن دیکھ کر دوہی آوازیں بلند  
 ہو سکتی ہیں۔ ایک آواز تو یہ:  
 "إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا" (سورہ فتح آیت ۱)  
 "بیشک ہم نے تیرے لیے فتح (کے دروازے) واضح طور  
 پر کھول دیے۔

"یہ فتح مبین ہے، ہم معرفت کے دروازوں کو کھول رہے ہیں۔"  
 آؤ ادھر آؤ۔ ہر آن آگے بڑھو، مستقبل پر نظر ہے تو یہی آواز ہے۔۔۔  
 "یہ فتح مبین ہے" اور جب ماضی کی کوتاہیوں پر نظر جائے تو.....  
 "وَاسْتَغْفِرْ لِدُنْيِكَ" (سورہ غافر آیت ۵۵)  
 "اور استغفار کر اپنے گناہ کے لیے"  
 گناہ نہیں ہوا لیکن ماضی میں جو کوتاہی ہوئی۔ اس لیے اب جو نفس ہے وہ



سوائے مولائے کائنات کے اور کسی کی زبان سے یہ جملے ادا ہو ہی نہیں سکتے اور نہ کوئی دوسرا گھرانہ ہی ہے جس میں قبولیتِ نعمت کی اتنی صلاحیتیں موجود ہوں تو پھر یہ طے کیا جائے کہ یہی وہ گھرانہ ہے جس پر ہر آن نعمت کا نزول ہو رہا ہے، اور اس لیے ہر آن نعمت کا نزول ہو رہا ہے کہ وہ ہر آن عبدیت کی راہ پر بڑھتا جا رہا ہے بظاہر نہیں ہے آنکھوں سے نہاں ہے حقیقتِ محمدیہ، مگر عبدیت کے کمال پر ہر آن عطا ہی عطا ہے۔ نعمت ہی نعمت ہے۔ امتحان و آزمائش کے بعد یہی طے کیا گیا کہ اب اسی گھرانے کو سرفراز کرتے جائیں گے، اسی گھرانے کو عطا کرتے جائیں گے اتنا عطا کریں گے، اتنا عطا کریں گے کہ یہ بندہ ہم سے راضی ہو جائے۔

”وَلَسَوْتُ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى“ (سورۃ والضحیٰ آیت ۵)

”اور عنقریب تیرا رب تجھے اتنا عطا کر دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا“

اتنا عطا کریں گے کہ تو مجھ سے راضی ہو جائے۔ (تو خوش ہو جائے)

قرآن مجید میں ختمی مرتبت کے تعلقِ خاطر سے جہاں جہاں کسی کو تاہی کا ذکر ہے وہ معرفتِ منزل گذشتہ ہے، اور جہاں جہاں فتح باب کا ذکر ہے وہاں آنے والی منزلیں ہیں۔ ہر آن ترقی ہے، مگر ایک نبی ہے، ایک نفسِ نبی ہے۔ نبی کی منزل وہ ہے کہ اعتراف ہی اعتراف ہے کہ مَا عَزَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ، نہیں پہچانا ہم نے تجھ کو جو حقِ حقارتی معرفت کا۔ اور اُدھر نفسِ نبی کو اجازت ہے کہ تم آواز دو کہ کُوْكَشِفَ الْغِطَاءَ لَمْزَدَتْ يَقِينًا ”میرے سامنے اگر سائے حجاب ہٹا دیے جائیں تو میرا یقین ذرہ برابر آگے نہیں بڑھے گا۔ (یقین میں زیادتی و اضافہ نہیں ہوگا) دو تون رُخ بتلائے۔ ایک ”منزلِ طلب“، ایک ”منزلِ یقین“۔ نفسِ نبی کی دو کیفیتیں ہیں۔ ایک خالقِ عقل ہے، ایک خالقِ نفس، عقل ہر آن ترقی کے لیے بے چین، نفس ہر آن حصولِ مارج کے بعد اپنے یقین کا اعلان کرے کہ مجھے یہ یقین

میں پڑھا کرتے تھے۔ (صحیفہ علویہ دعا، ۲۴ آخری حصہ)

”إِلَهِي هَبْ لِي كَمَالَ الْإِنْقِطَاعِ إِلَيْكَ وَأَنْزِلْ أَبْصَارَ قُلُوبِنَا بِضِيَاءِ نَظَرِهَا إِلَيْكَ حَتَّى تَخْرِقَ أَبْصَارُ الْقُلُوبِ حُجُبَ الشُّورِ فَتَصِلَ إِلَى مَعْدِنِ الْعُظْمَى“

”اے میرے معبود! مجھے وہ کمال عطا فرما کہ سب کے کٹ کر تیرا ہو جاؤ اور میرے قلب کی بصارت میں وہ ضیاء عطا فرما کہ جس سے تجھ تک نظر پہنچ سکے، یہاں تک کہ یہ دل کی آنکھیں (ابصارِ قلب) نور کے حجاب کو چاک کر دیں۔ اور متصل ہو جائیں معدنِ رحمت سے، معدنِ عظمت سے۔“

اور پھر بارگاہِ رب العزت میں عرض کر رہے ہیں انہیں نعمتوں کی فراوانی کو دیکھتے ہوئے کس طرح مسلسل نعمتیں نازل ہوتی رہتی ہیں ہر آن، ہر ساعت، ہر گھڑی، ہر نفس:

”إِلَهِي نَوِّرْ ظَاهِرِي بِطَاعَتِكَ:

پروردگار! میرے ظاہر کو منور کر دے اپنی اطاعت سے۔

”إِلَهِي نَوِّرْ بَاطِنِي بِمُشَاهَدَتِكَ:

پروردگار! میرے معبود! میرے باطن کو نورانی کر دے تاکہ تیرا شاہدہ کروں ”وَنَوِّرْ قَلْبِي بِمَحَبَّتِكَ“ ا۔

اور میرے دل کو نور عطا کر، تاکہ اس میں تیری محبت آ سکے۔ (اضافہ ہو سکے)

”وَنَوِّرْ سِرِّي وَبِدْوَامِ اتِّصَالِ خَضِرَتِكَ“

اور میرے رازِ سیرتِ حیات کو نورانی کر دے تاکہ میں تیری بارگاہِ دوامی طور پر متصل رہوں



حاصل ہے، "سَلَوْنِي"۔۔۔ (سَلَوْنِي - سَلَوْنِي) قَبْلَ أَنْ تَفْقِدُونِي  
 "پوچھو مجھ سے (جو پوچھنا ہے) قبل اسکے کہ تم مجھے مفقود کرو۔"

یہ وہ منزل ہے جہاں فقہاء، مؤرخین، تدبرین، علماء، عرفاء، صوفیاء کرام،  
 مولانا روم، فرید الدین عطار، شتاتی، سمجھوں نے اس بحث پر بیٹھ گفتگو کی ہے کہ  
 ترقی پیہم کیا ہے انسانِ کامل کے لیے۔ اک مثال اور۔۔۔ میں اس سے قبل  
 بھی یہ مثال بیان کر چکا ہوں اور یہ مثال اپنے استدلال کے لیے میں نے دی تھی کہ،  
 ہمارے آباء و اجداد کا جب دور تھا تو اُس وقت روشنیوں کے لیے وسائل  
 نہیں تھے۔ دیے جلتے تھے اور انھیں دیلوں کی روشنی میں ہمارے آباء و اجداد  
 لکھتے تھے، پڑھتے تھے۔ اُس وقت کی ضرورت کی تکمیل اُس دیے سے ہو جاتی تھی،  
 یعنی اُس دیے میں اُس وقت نقص نہیں تھا۔ وہ وقت گذرا، کروسیں کے چراغ  
 آئے۔ جب وہ چراغ روشن ہوئے تو دیے ٹپٹا گئے۔ کروسیں کی روشنی کے عادی  
 ہوئے تو پتہ چلا وہ دیا اب آنکھوں کے لیے مفید نہیں ہوگا۔ ایسے میں الیکٹرک لائٹ  
 آئی اور اک چھوٹا سا بلب آپ کے گھر میں آگیا۔ اگر وہ بلب بج جائے تو آنکھیں پریشان  
 ہو کر اُسی روشنی کو تلاش کریں۔ اب پھلی روشنیاں ناکافی ہو گئیں، حالانکہ ضرورت کی تکمیل  
 وہ روشنی بھی کر رہی تھی۔ اُس میں نقص نہیں تھا، وہ بھی روشنی تھی، اُس کے بعد آپ نے  
 تنو کینڈل یا در کا بلب جلایا، اب آنکھیں اس روشنی کی عادی ہوئیں، اب چھوٹے پاور کا  
 بلب ناکافی ہو گیا، حالانکہ اُس میں کمزوری نہیں تھی۔ اک مرتبہ ہزار پاور کا بلب جلا، اب  
 تو اندھیرا رہا نہیں، اب آپ دیے کو بھول گئے، کروسیں چراغ کو بھول گئے، تنو یا در کے  
 بلب کو بھول گئے۔ اب آپ کی نگاہ زیادہ روشنی کی عادی ہو گئی۔ ایسے میں صبح ہوئے  
 آفتاب نکلا۔ ہزار پاور کا وہ گولہ بھی زرد ہو گیا۔ تو اس طرح سے کسی نبی کے لیے  
 ہمارے عقیدے میں کمزوری نہیں ہے۔ بس آپ سے یہ غلطی ہوئی کہ آپ نے آفتاب

نکلنے کے بعد چراغوں کو دیکھا۔ آفتاب رسالت کے بعد آپ نے کبھی چراغ آدم کو دیکھا  
 کبھی چراغ نوح کو دیکھا، کبھی چراغ ابراہیم کو دیکھا، کبھی چراغ موسیٰ کو دیکھا، کبھی چراغ  
 عیسیٰ کو دیکھا تو کبھی ترکِ اولیٰ نظر آیا، کہیں کوئی غلطی نظر آتی، کہیں کوئی کوتاہی نظر آتی  
 ہر دور میں اُس اُمت کے لیے وہ روشنی کافی تھی اور جب کبھی میں نے یہ مثال دی ہے  
 تو میں نے میری میر کا یہ شعر بھی پڑھا ہے:

وہ آئے بزم میں اتنا تو سیر نے دیکھا  
 پھر اُس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

یہ منزل ارتقاء ہے، اگر اس وقت اندھیرا ہو جائے اور دیے روشن کر دیے  
 جائیں تو آپ انتہائی بے چینی کا اظہار کریں گے۔ اس لیے کہ آنکھیں عادی ہو گئی ہیں  
 کمیل ابن زیاد نخعی نے امیر المومنین سے پوچھا: مَا الْحَقِيقَةُ؟  
 امیر المومنین نے ارشاد فرمایا: مَا لَكَ الْحَقِيقَةُ: تجھ کو حقیقت کس کا کام؟  
 کمیل نے کہا: اَوَلَسْتُ صَاحِبَ سِرِّكَ؟ کیا میں آپ کے راز کا حامل نہیں ہوں؟  
 فرمایا: ہاں، جب جام چمکتا ہے تو تجھے خود بخود فیض پہنچ جاتا ہے۔  
 اُسے! الْحَقِيقَةُ نُوْرٌ يَشْرِقُ مِنْ صُبْحِ الْاَزَلِ يَلُوْهُ حَيَاتِ التَّوْحِيدِ  
 بِاَشْرَافِ: "حقیقت اک نور ہے جو صبحِ ازل سے طالع ہوتا ہے  
 جس سے توحید کی ہر یک جگہ کا اٹھتی ہیں۔

کمیل نے کہا: مَوْلَا! زِدْنِي بَيَانًا

(کمیل کا دل ہے، یہ ہم نہیں ہیں، ہم ابھی پہلا جملہ نہیں سمجھ سکے)

امیر المومنین نے ارشاد فرمایا: كَشَفَتْ صَبْحَاتِ الْجَلَالِ مِنْ غَيْرِ اِسَارَةِ  
 فَيَحْيَى الْحَقِيقَةُ: جلال کے پردوں کا خود بخود  
 ہٹ جانا، یہ حقیقت ہے۔







اگر ترقی اُس ذات گرامی کے لیے ہے تو اُن رُوحوں کے لیے بھی ہے۔  
 ”سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ“  
 ”سلام ہو تم سب پر اس لیے کہ آپ نے صبر سے کام لیا۔ پس کیا اچھا  
 انجام ہے تمہارا۔“ (سورہ رعد آیت ۲۴)

انجام آغاز سے بہتر ہے۔ جہاں بڑی نعمت یہی ہے کہ ایسے کے دامن سے  
 لیٹو جہاں جو ذہنیں کسی ایسے کا دامن تھا جو ہر آن بڑھتا جا رہا ہے تاکہ تم  
 بھی ہر آن اُسی کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے چلو۔  
 کل سورہ تحریم کی آیت پر گفتگو تھی۔ (وہی آیت ۵۱۔)  
 ”يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ“  
 ”اُس دن اللہ نبی کو اُن صاحبانِ ایمان کو جو اُس کے ساتھ ہیں  
 رُسوانہ ہونے دے گا۔“ (رُسوانہ کرے گا۔)

اور وہ صاحبانِ ایمان اُس کے ساتھ ہیں۔ نُوْرُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ  
 وَبِأَيْمَانِهِمْ اُن کا نور کبھی سامنے اور کبھی داہنی جانب دوڑتا ہوا ہوگا  
 يَقُولُونَ رَبَّنَا اتِّمِّمْ لَنَا نُورَنَا۔ (تحریم آیت ۸)  
 وہ کہتے ہوں گے اے ہمارے پروردگار! ہمارے لیے ہمارے نور کو درجہ کمال  
 عطا کر۔“

آپ یہ کہتے ہوں گے۔ وہ ذکرِ فضیلت ہو کہ ذکرِ مصائب، دونوں منزلیں  
 ہمارے لیے یہی ہیں کہ ہم ہر آن اُن کی ترقی کو دیکھ رہے ہیں۔  
 ظاہر ہے کہ ایک تازہ وارد اجنبی محفلوں سے نا آشنا ممکن ہے ان مقامات  
 کو نہ سمجھ سکے، لیکن جن نگاہوں کو اس معرفت کی ضو سے روشنی ملتی ہے اُن کو معلوم  
 کہ یہ نعمتِ محبت کا تقاضہ تھا کہ اُن کا ہر طریقے سے ذکر ہو، اس لیے کہ اس ذکر

میں کچھ اپنا ہی بھلا ہے۔ یہ نہیں کہ ہم تو روچکے جو ہونا تھا ہو چکا، لکھا ہوا تھا، مقدر  
 میں جو تھا وہ مل چکا اور انتہائی صفائی کے ساتھ آخر کتنا ثواب، ایک بار، دو بار،  
 کتنی بار درود۔

حضرت سید الساجدین علیہ السلام کی خدمت میں آکر ایک شخص نے کہا  
 عموماً صبح و شام میں متعدد بار ”سُبْحَانَ اللَّهِ“ چلتے پھرتے کہتا رہتا ہوں  
 اور کبھی لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ بھی کہتا ہوں۔  
 امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: جیسے ہی زبان سے سُبْحَانَ اللَّهِ کہا،  
 جنت میں ایک شجر ملتا ہے۔

اُس نے کہا: فرزندِ رسول! میرے پاس تو ہزاروں شجر ہوں گے۔  
 ارشاد فرمایا: بہت سے جل بھی گئے ہوں گے۔

اُس نے کہا: مولا! یہ جنت میں بھی شجر جل جاتے ہیں؟  
 آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں! اس طرح سے کہ: (سورہ محمد آیت ۳۳) میں ہے  
 ”أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ“  
 ”اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی، اور اپنے اعمال  
 (نافرمانی سے) باطل نہ کرو۔“

آنے والی سانس میں اگر اطاعت نہ ہو سکی تو گزشتہ عمل باطل ہیں۔  
 ہر آنے والے نفس پر اگر اطاعت اللہ اور رسول نہ ہو سکی تو گزشتہ اعمال  
 بیکار۔ لَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ اپنے اعمال کو باطل نہ کرو۔“  
 حضرت سید الساجدین نے اُس شخص سے کہا: ناز کرتا ہے کہ اتنی مرتبہ  
 ”سُبْحَانَ اللَّهِ“ کہا، اے رسول کی اطاعت بھی کی، یا نہیں۔  
 قرآن مجید میں شروع سے آخر تک ستاسی مقامات پر نعمت کا تذکرہ ہے



اور ہر آیت میں ایک عجیب طرح سے نعمت پر گفتگو ہے۔ جب انسان شتعلت گفتگو آئی تو ارشاد ہوا:

”وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ وَنَأَىٰ بِجَانِبِهِ  
وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يُكُفِّرًا“ (سورہ بنی اسرائیل آیت ۸۳)

”اور جب اس انسان پر ہم نے نعمت کو نازل کیا، اکر گیا (روگردان ہو گیا) پہلو تہی کرنے لگا اور جب اُس کو ضرر پہنچا تو مایوس ہو بیٹھا“  
یعنی: جب اس انسان پر ہم نے اپنی نعمتوں کو نازل کیا تو اکر گیا، مغرور ہو گیا، جب ہم نے نعمتوں کو روک لیا، ناامید ہو گیا۔۔۔ یہ فطرت ہے کہ نعمتوں پر یاد نہیں کرتا اور نعمت کے چلے جانے کے بعد زوالِ نعمت کی بات کرتا، ہائے یہ نعمت چھین گئی۔ اور کبھی کبھی انسان کے پاس نعمت کا تصور بدل جاتا ہے۔  
سورہ منافقون۔ عموماً وہ حضرات جو نماز جمعہ ادا کرتے ہیں انھوں نے اس سورے کو سنا ہوگا اور یہ آیت یاد بھی ہوگی: ارشاد ہوتا ہے:

”يَقُولُونَ لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ  
الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ  
وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ“ (منافقون آیت)

”وہ (منافق) یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ لوٹ کر گئے تو معزز ترین ذلیل ترین کو ضرور وہاں سے نکال دیں گے۔ حالانکہ عزت تو اللہ اور اُس کے رسول اور صاحبانِ ایمان کے لیے ہی ہے، لیکن منافقین یہ سمجھتے ہی نہیں ہیں۔“

یعنی: منافق یہ کہتے ہیں کہ جب ہم مدینہ جائیں گے تو ہمارے عزیز وہاں کے ذلیلوں کو باہر نکال دیں گے۔ کس کو کہہ رہا ہے عزت دار

اور کس کو کہہ رہا ہے ذلیل۔ ارشاد ہوا۔ عزت اللہ کے لیے ہے رسول کے لیے ہے اور صاحبانِ ایمان کے لیے ہے۔ لیکن منافق یقیناً اس پر ایمان نہیں رکھتا۔  
منافق نہیں جان سکتا کہ عزت کا تصور کیا ہے جھوٹی نعمتیں جن کو میسر ہیں، دو روزہ نعمتوں کو وہ عزت سمجھتے ہیں۔

اس لیے آج یکم صفر کو پہلی مرتبہ اسلامی سلطنت کے ایک تاجدار کی زبان پر یہ آیت جاری ہوئی:

”وَلَعَزُّ مِّنْ تَشَاءُ وَتَذِلُّ مِّنْ تَشَاءُ“ (سورہ آل عمران آیت ۲۷)

”اور تو جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔“

یعنی: اللہ جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔

یہ اس وقت کہا جب حشرین آیا۔ عزت کا یہ جھوٹا تصور، بحث پوری طرح سے سمجھ لیجیے: وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ

اور یزید نے جو آیت پڑھی اس میں یزید پیش کر رہا تھا، اس کو بھی اچھی طرح سے سمجھ لیجیے۔ پہلی آیت میں ہے ”اللہ کے لیے عزت ہے رسول کے لیے ہے اور مومنین کے لیے عزت ہے۔“

اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ رسول کو عزت دیکر چھین لیگا، مومن کو عزت دیکر لے لیگا۔ درحقیقت عزت کے تصور میں غلطی ہوئی ہے۔ اور یزید جو آیت غلط صرف کر رہا تھا اس میں یہ ہے اللہ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے







رحمت الہی سے وہ دور ہے جس نے میرے بابا کو قتل کیا۔۔۔۔۔ یزید نے کہا: تم کو اس کی فکر نہیں کہ تم کو قتل کر دیا جائے گا۔۔۔۔۔

اک مرتبہ سیدانوں میں سے ایک بی بی کا ہاتھ آگے بڑھا، بھتیجے کو اپنے سے قریب کیا اور پکار کر (عبدالآوازمین) کہا: یزید! تیری مجال ہے کہ تو اس طرح سے میرے بیٹے باتیں کرے۔۔۔۔۔ کینز کے حلقے کے ساتھ شہزادی آگے بڑھیں تو یزید نے پوچھا۔۔۔۔۔  
 ”مَنْ هَذِهِ الْمَتَكَبْرَةُ“ یہ مغرور عورت کون ہے؟

لوگوں نے کہا: امیر! یہی تو ہے علی کی بیٹی۔ یہی تو ہے محمد کی نواسی۔ بے اختیار شہزادی کو دیکھ کر یزید نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی:

”وَتَعَزُّ مِنْ نِّسَاءٍ وَتَذِلُّ مِنْ نِّسَاءٍ بِسِدِّكِ الْخَيْرِ“ (زالہ آیت)  
 شہزادی نے بے اختیار (رجستہ)۔۔۔۔۔ جواب میں سورۃ روم کی یہ آیت پڑھی:

”ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ آسَاءُوا وَالسُّوْءِ أَنْ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَكَانُوا بِهَا يَسْتَحْزِرُونَ“ (سورۃ روم آیت ۱۰)

”پھر جنہوں نے بُرا عمل کیا اُن کا انجام (بھی) بُرا ہی ہوا کیونکہ اُنہوں نے اللہ کی آیتوں کی تکذیب کی اور وہ اُن کی ہنسی و مذاق اڑایا کرتے تھے۔“  
 ”بدترین انجام ہے یزید! اُس کا جو اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے اور اللہ کی آیتوں کا مذاق اڑائے۔۔۔۔۔ پھر شہزادی نے یوں خطبہ شروع کیا:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
 الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى جَدِّي  
 سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ صَدَقَ اللَّهُ:

تعریف اللہ ہی کے لیے ہے اور درود و سلام میرے جد کے لیے ہے جو  
 مرسلین کا سید و سردار ہے۔ اللہ سچا ہے۔

دروازوں سے بی بی گزرتی اور دربار قریب آتا گیا، شہزادی کی بے چینی بڑھتی گئی، اب آخری دروازہ جب آیا تو اس مقام پر پہنچ کر بیٹھ گئیں۔ عابد بیمار نے ہاتھوں کو جوڑ کر کہا پھولی اماں دربار میں نہیں جائیں گی؟ فرمایا: بیٹا! چلوں گی، مگر اکیس رمضان کو جب بابا دنیا سے جا رہے تھے تو مجھ کو نزدیک بلا کر کہا تھا، ”زینب! دربار میں جانا تو مجھے یکا دلینا۔۔۔۔۔ (یہ پُر سے کی مجلس ہے میرے نزدیک یہ آج کا دن روزِ عاشور سے کم نہیں)“  
 ”آمدِ محرم شاہ کی دربار میں ہے۔“ (میرنہیں)

شہزادی نے بابا کو پکارا۔ یا علی! یا علی!۔۔۔۔۔ عجب نہیں کہ مدد آئی ہو۔۔۔۔۔ علیؑ نے کہا ہو بیٹی! چلو ہم ساتھ ہیں، نبی زادیاں آئیں،..... زہیرا بی بی تیں نے سر کو پیش کیا۔ یزید نے سر کو دیکھا اور کہا

لیت اشیاخی بیدر شہدوا

جزع الخزرج من وقع الاصل

”بد میں مارے جانے والے میرے بزرگ زندہ ہوتے تو دیکھتے میں نے کیسا بدلہ لیا۔“

اک مرتبہ یزید نے اشارہ کر کے ایک ایک بی بی کو پوچھنا شروع کیا۔ من ہذہ

مَنْ هَذِهِ، مَنْ هَذِهِ۔۔۔۔۔ یہ کون ہے؟ یہ کون ہے؟۔۔۔۔۔ قیس نے ایک ایک بی بی اور ایک ایک قیدی کا نام لیا۔۔۔۔۔ یزید نے اک مرتبہ عابد بیمار کی طرف دیکھا اور کہا: یہ کون ہے؟۔۔۔۔۔ کہا: یہ علیؑ ہے۔۔۔۔۔ یزید نے کہا وہ تو قتل ہو گئے۔۔۔۔۔ سید الساجدین نے فرمایا: وہ میرا بھائی تھا، وہ بھی علیؑ تھا بے اختیار یزید کی زبان سے نکلا: ابنِ مرجانہ نے حسین کو قتل کیا۔۔۔۔۔

سید الساجدین نے بے اختیار کہا: خدا لعنت کرے اُس پر جس نے حسین کو قتل کیا۔۔۔۔۔ اب قیدیوں کا جلال دیکھو!۔۔۔۔۔ یزید گھبرا گیا اور کہا: تم لعنت کرتے ہو۔ امام نے فرمایا ہاں



”اَلَهَنْتَ يَا يَزِيدُ حَيْثُ اخَذْتَ عَلَيْنَا اَقْطَارَ الْاَرْضِ  
وَافَاقَ السَّمَاءُ“

اے یزید! کیا تو اب اس بات پر گمان کرنے لگا کہ تو ہم کو در بدر، شہر و شہر  
زمین پر پھرا کر۔ اور آسمان کے کناروں میں گھما کر۔ کہ

اِنَّ عَلَيْنَكَ مِنَ اللّٰهِ لَطَافًا وَّامِتًا نَّا وَّعَلَيْنَا هَوَانًا  
فَاَصْبَحْنَا سَاقِیَ الْاَسَادِیْ اِنَّ بِنَا عَلٰی اللّٰهِ هَوَانًا وَّوَبِکَ  
عَلَيْهِ کِرَامَةً، وَاِنَّ ذٰلِکَ لِعَظْمِ خَطَرٍکَ عِنْدَهُ؟  
”کیا تو سمجھتا ہے کہ اللہ ہم سے ناراض ہو گیا، اور اللہ تجھ سے خوش ہو گیا۔  
نہیں، نہیں یہ تیرا گمان باطل ہے، یہ تیرا گمان فاسد ہے، اللہ نے ہم کو امتحان  
میں کامیاب کیا۔ اللہ نے ہم کو صبر کی منزل پر فائز کیا۔ یزید! تو یہ سمجھ رہا ہے  
ہم در بدر پھر کر رہا ہو گئے، نہیں۔ (بڑی عجیب منزل ہے، مٹنیے)  
”وَكَيْفَ يَزِيحُیْ مُرَافَقَةً مِّنْ لَّفَظٍ فُوهُ الْكِبَادُ الْاَزْكَیَا وَبَنَتْ  
لَحْمُهُ مِنْ دِمَآءِ الشُّهَدَآءِ“

”میں اور کیا امید کر سکتی تھی اس کی اولاد سے جس کی دلدی نے میرے بزرگوں  
کا کھلب چبایا تھا۔ . . . . (کس جلال کا جملہ ہے)  
(بادشاہ وقت یزید کے سامنے زینب علیا جو مقید ہیں گفتگو فرما رہی ہیں)  
”اور ہاں، اے یزید! اب بس لے میں بتلاتی ہوں۔“

”وَلَا تَرْحَضُ عَنْكَ عَارُهَا وَهَلْ رَأَيْتَ الْاَفْئِدُو  
اَيَّامُکَ الْاَعْدَدُ وَجَمْعُکَ الْاَبَدُ يَوْمَ يُنَادِی  
الْمُنَادِیْ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلٰی الظَّالِمِیْنَ“

”اب تیرے دن گنتی کے رہ گئے، اب تیری رائے میں فتور آچکا، اب تیرا

یہ مجمع بکھر نے والا ہے، اب تیری جمیعت پریشان (دو پرگانہ) ہونیوالی  
ہے، اور یہ توجان لے کہ جو مہلت تجھے ملی ہے جس کو تو نعمت سمجھ رہا ہے  
یہ مہلت ہی ہے (نعمت نہیں)

یہ کبکھ شہزادی نے ”سورۃ آل عمران“ سے یہ آیت تلاوت کی:  
”وَلَا يَحْسِبَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا اَنَّمَا نُمَلِّیْ لَهُمْ خَيْرًا  
لَّا نَفْسِهِمْ اِنَّمَا نُمَلِّیْ لَهُمْ لِيَزِدَّ اَدُوًّا اِثْمًا وَّلَهُمْ  
عَذَابٌ مُّهِیْنٌ“۔۔۔ (سورۃ آل عمران آیت ۱۷۸)

”اور کافر یہ نہ سمجھیں کہ ہم نے ان کو جو مہلت دی ہے تو ان کی باتیں ہم  
کو پسند آتی ہیں، (نہیں) بلکہ مہلت اس لیے دی ہے تاکہ وہ گناہ  
پر گناہ کرتے جائیں اور ہم عذاب پر عذاب تیز کرتے جائیں۔“  
(اور خطبہ اس شان سے آگے بڑھ رہا تھا۔)

اور اب شہزادی فرماتی ہیں:-  
”اَلَا فَالْعَجَبُ كُلُّ الْعَجَبِ لِقَتْلِ حِزْبِ اللّٰهِ الْجَبَّارِ  
يَحِزِبُ الشَّيْطَانِ الطَّلَقَاءُ فَهَذِهِ الْاَيْدِیْ تَنْطِفُ مِنْ  
دِمَآئِنَا وَاَلْفَوَاہُ“

”پس تعجب بالائے تعجب کا مقام ہے کہ گروہ خداوندی کے بزرگ  
(سادات) ان لوگوں کے ہاتھوں سے قتل ہوں جو گروہ شیطان اور  
آزاد کردہ رسول کی اولاد ہو

(ظاہر ہے دربار میں کون کون لوگ تھے۔ سات سو کرسی نشین سے زیادہ  
تھے، نصرانی اور یہودیوں کے علماء موجود تھے۔ روم اور دیگر ملکوں کے سفراء  
موجود تھے، ایسے موقع پر شہزادی زینب علیا کا خطبہ ہو رہا تھا۔)



”أَمِنَ الْعَدْلُ؟ يَا بَنَ الطَّلَقَاءِ تَخَذُوا نِيْلَكُمْ حَوَائِرِكُمْ  
وَأَمَانَكُمْ وَسَوْفَ تَكُنْ بَنَاتُ رَسُولِ اللَّهِ سَيِّئَاتٍ - وَتَدْ  
هَتَكُتْ سَتُورَهُنَّ وَأَبْدَيْتِ وَجُوهَهُنَّ  
(حکومت کے تحت پر بیٹھنے کا دعویٰ کرتے ہوئے) کیا یہ عدل ہے کہ اے  
آزاد کردہ رسول کی اولاد! تیری محذرات، بیٹیاں اور تیری کنیزیں تو پردے  
میں بیٹھیں اور نبی زادیاں بازاروں اور درباروں میں بے پردہ پھرائی  
جائیں مجمع عام میں انکی بہتک کی جائے۔

(دوچار چلے اور - تقریر کو میں نے ختم کیا۔)

”أَمِنَ الْعَدْلُ يَا بَنَ الطَّلَقَاءِ - دیکھیے! یہ جملہ محمد کی نواسی ہی کہہ سکتی  
تھی۔ مکہ فتح ہوا تھا تو رسول نے خطبہ دیا تھا۔ زینب نے شام کو فتح کر کے خطبہ دیا ہے  
مکے کے خطبے میں رسول نے کہا تھا ”لَا تَشْرِيْبَ عَلَيْكُمْ الْيَوْمَ فَادْهَبُوا  
اَنْتُمْ الطَّلَقَاءُ“ جاؤ آج تم کو ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے اب تم سب  
کو (اللہ کا رسول) آزاد کرتا ہے۔

اور شام کی فتح کے بعد ثنائی زہرا نے خطبہ دیا اور یہ کہا:

”أَمِنَ الْعَدْلُ يَا بَنَ الطَّلَقَاءِ“

”اے آزاد کردہ رسول کی اولاد! کیا یہ تیرا ”عدل“ ہے؟“

شہزادی نے خطبے کو ختم کیا، آلِ عمران کی اس مشہور آیت پر:

دیکھیے! اس آیت میں پھر نعمت کا ذکر ہے:

”إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ  
إِيْمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ۝ ۱۷۳  
فَانْقَبُوا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ لَّدِيْهِمْ سَمْعُهُمْ

(ایسا معلوم ہو رہا تھا صاحبِ منبر سلونی کوفے کے منبر پر خطبہ دے رہے ہیں)

اس کے بعد برجستہ زینب علیا نے ارشاد فرمایا:

”اے زینب! یہ گمان نہ کر۔ کہ مجھے جو مہلت دی گئی ہے تو تیری نیکیاں پسند کی گئی

ہیں۔۔۔ نہیں تو گناہ پر گناہ کر، تاکہ عذاب بھی اسی اعتبار زیادہ کیا جائے اور

ہاں یہ جو کہہ رہا ہے تو، کہ میرے بزرگ جو بدر میں مارے گئے اگر زندہ ہوتے تو

وہ دیکھتے۔۔۔ تو یہ بات مسلمان کی حیثیت سے کہہ رہا ہے، کلمہ گو کی حیثیت

سے کہہ رہا ہے، نبی کے کلمہ پڑھنے والے کی حیثیت سے کہہ رہا ہے (یا تو اس کو

اپنے کافر و مشرک بزرگوں کا کلمہ پڑھ رہا ہے)۔۔۔۔۔ اچھا، او زینب اب تو مجھے

ڈرا نہیں سکتا، تو سمجھتا ہے کہ علی کی بیٹی زینب ڈر جائے گی،

(شہزادی زینب علیا کی توجہ ہٹانے کے لیے اس نے سر حین کے ساتھ چھری

بے ادبی شروع کر دی تو شہزادی نے یہ کہہ کر ٹوکا)

یہ چھری ہٹالے بھائی کے سر کے پاس سے، بے ادبی کرتا ہے سر حین کے

ساتھ، مجھے ڈرا رہا ہے۔

(اس کے بعد شہزادی نے سورہ کہف کی آیت پڑھی، پھر سورہ مریم سے

آیت پڑھی، سورہ مادہ سے آیت پڑھی، آیت پر آیت قرآن مجید کی شہزادی کی زبان

پر تھی۔ پھر شہزادی نے ارشاد فرمایا: (آیت)۔۔۔۔۔

”يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا اَمْرَ الْمُشْرِكِيْنَ“ (سورہ کہف آیت ۵۰)

”بہترین انجام (بدلہ) ظالموں کو ملنے والا ہے۔“

پھر فرمایا: ”وَ اَتَيْكُمْ شَرٌّ مِّمَّا نَا وَ اَضَعُفُ جُنْدًا“

(اور یہ دنیا جان لیگی کہ تمہارے لیے ”بہترین“ مقام کہاں ہے

اور تیرا، لشکر کتنا کمزور ہے۔“ ابھی تجھے پتہ چل جائے گا۔



# عَشْرَةُ مُحَرَّمِ الْحَرَامِ

۱۹۷۲ء مطابق ۱۳۹۲ھ

(عنوان)

## حیاتِ طیبہ

یکم محرم الحرام تا ۹ محرم الحرام

خالقِ دینا ہال

کراچی

علامہ رشید ترابی

سَوُّوْا لَّا تَتَّبِعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ

عَظِيْمٍ — (سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ - آیت ۷۳-۷۴)

”تحقیق تمھارے (مقابلے کے) لیے بہت سے (دشمن) لوگ جمع ہو گئے ہیں، پس اُن سے ڈرو۔ تو (اس بات سے) اُن کا ایمان اور بڑھ گیا، اور اُنھوں نے کہا، ہمارے لیے اللہ کافی ہے، اور

وہی بہترین کار ساز ہے۔ (آل عمران - ۱۷۳)

پس وہ اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ واپس پلٹ آئے، انھیں کوئی تکلیف چھو بھی نہ گئی اور اُنھوں نے اللہ کی خوشنودی کی پیروی کی اور اللہ تو بڑا ہی صاحبِ فضل ہے۔“ (آل عمران - ۱۷۴)

اللہ کی نعمتوں نے اُن کو گھیر لیا، جب بندوں نے یہ کہا: حَبِئْنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ”شہزادی کا خطبہ اس آیت پر ختم ہوا ہے۔ دربار میں رونے کا غل اٹھا۔ ہر ایک دوسرے کہہ رہا تھا: سُنّا، محمدؐ کی نوا سی کیا کہہ رہی ہے، سُنّا، فاطمہؑ کی بیٹی کیا کہہ رہی ہے، سُنّا، علیؑ مرتضیٰ کی بیٹی کیا کہہ رہی تھی۔ دربار میں جو رونے کا غل ہوا تو یزیدؓ کو جھکا کر خاموش بیٹھ گیا۔۔۔ ایسے میں ایک چھوٹی بچی نے آگے بڑھ کر کہا: چھوٹی اماں، یزیدؓ چپ ہے۔ بابا کا سر مانگ لوں، بابا کا سر مانگ لوں؟ پھر اک مرتبہ سکیٹھنے لگا: یزیدؓ! بہت دن ہو گئے بابا مجھ سے جدا ہیں۔ میرے بابا کا سر مجھے دے دے۔۔۔۔۔ یزیدؓ نے کہا، اگر تمھارے بلانے سے آجائیں تو پکارو جین کو یہ سنتے ہی سکیٹھنے دامن پھیلا کر کہا: بابا! یزیدؓ میری محبت کا امتحان لے رہا ہے۔ آ جاؤ بابا۔ آ جاؤ بابا۔ سر جین بلند ہوا اور سکیٹھنے کی گود میں آیا۔ سکیٹھنے نے بابا کے منہ پر منہ رکھ دیا۔ آواز دی۔ بابا! آگئے۔ بابا میرے آگئے۔



## مجلسِ اول

یکم محرم ۱۳۹۲ ہجری مطابق ۱۷ فروری ۱۹۷۲ء عیسوی

۱۔ حیاتِ طیبہ کے لیے طیبین کی صحبت ضروری ہے۔

۲۔ جب انسان خباثت کو چھوڑ دے، حیاتِ طیبہ کا آغاز ہوتا ہے۔

۳۔ تنزیل میں تعارف نہیں ہوتا بلکہ رفعت میں ہے۔

۴۔ اُچی کا مفہوم، آنحضرتؐ اور ان کی آل کو کس نے پڑھایا۔

۵۔ حیاتِ طیبہ کلمہ طیبہ سے اور کلمہ طیبہ، شجرہ طیبہ سے ہے

۶۔ عملِ رسولؐ طابعِ حکمِ خدا ہے۔

۷۔ میرٹنس کے مرثیے سے رخصتِ امام حسین علیہ السلام

۸۔ نانا کی قبر سے حُنین کی رخصت

## سرمائہ کلام کی آیت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلَا تَشْرَوْا بِعَدْلِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيلًا اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ  
اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ  
وَلَنَجْزِيَنَ الَّذِيْنَ صَابَرُوْا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا  
يَعْمَلُوْنَ ۝ مَنْ عَمِلْ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْتِى وَهُوَ مُؤْمِنٌ  
فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ  
مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

ترجمہ: اور تم خدا کے عہد پر ایمان کے بدلے تھوڑی قیمت (دنوی نفع) نہ لو۔ سمجھ لو کہ جو کچھ خدا کے پاس ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے کیونکہ مال دنیا سے جو کچھ تمہارے پاس ہے ایک نہ ایک من ختم ہو جائے گا اور جو اجر خدا کے پاس ہے وہ ہمیشہ باقی رہے گا اور جن لوگوں نے دنیا میں صبر کیا تھا ان کو ان کے کاموں کے ہم اچھے سے اچھا اجر و ثواب عطا کریں گے۔ مرد ہو یا عورت جو بھی نیک کام کرے گا اور وہ ایمان دار بھی ہو تو ہم اسے دنیا میں بھی پاک و پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور آخرت میں بھی جو کچھ وہ کرتے تھے اس کا اچھے سے اچھا اجر و ثواب عطا کریں گے (سورہ النحل آیت ۹۵ تا ۹۷)



جن کو ہے اُن کا تجسّر اُن کی رہبری کرتا ہے کہ :  
یہ منفہ فصل گل ولالہ کا نہیں پابند  
بہار ہو کہ خزاں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ  
اقبال

یہاں مومنوں کی پابندیاں یا سرد سواؤں کی زحمیں دوستوں کو حیران نہیں کرتیں۔ بلکہ اُن میں تجسّر پر عہد وفا و ولا کی وجہ سے اک ایسی حرکت، اک ایسی قوت اور اک ایسی اچھ پید ہو جاتی ہے کہ جس کی ذمے داری ہماری ہے۔ حفاظت غم شہ ہمارا کام ہے۔ اگر ہم آگے نہیں بڑھیں گے تو کون آگے بڑھے گا۔ ان ذمے داروں کو محسوس کر کے یہ سارا مجمع یہاں اور جہاں جہاں رہے پہنچ رہا ہے وہاں جو سب کی تمنا ہے جمع ہیں کہ بہر حال ہم اپنی ذمے داری سے سبکدوش ہو جائیں۔

بہر حال محسّم کے چاند سے اگر آپ خطاب کر کے پوچھیں کہ اے ہلالِ محرم! ستلا زہرا کا چاند کہاں چھپ گیا، تو شاید اُس چاند کی بھی منزل کا پتہ چلے کہ آج کس منزل پر ہے۔ ہمارے لیے یہ آغاز ہے، یہ ابتداء ہے تجسّر پر عہد کی ابتدا ہے ہم نے جو وعدہ کیا ہے اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔ ہم سے جو وعدہ کیا گیا ہے وہ بھی نظر میں ہے۔ دوست وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ خاتونِ جنت اُس دن بہت عالم یاس میں پوچھ رہی تھیں ”بابا! اگر یہ میسر! بچہ شہید ہو جائے گا تو اس بچے کو یاد کرنے والا بھی کوئی ہوگا؟ بابا اس بچے کا بھی کوئی ماتم دار ہوگا؟“

تو باپ نے بیٹی سے ایک وعدہ کیا تھا اور وہ دن اور آج کا دن، وہ وعدہ جاری ہے اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ زندگی کو اسی عنوان سے لے چلیں اور دنیا ہم کو اسی تعلق سے پہچانے۔ یعنی میری باتوں کو آپ سمجھ رہے ہیں نا؟ ”وہ لوگ بھی یہ جانتے ہیں کہ ماتم دار جمع ہوئے ہیں۔ ہم نے اپنی انفرادیت چھپانے کی کوشش نہیں کی ہے۔ دنیا

## پہلی مجلس ”حیاتِ طیبہ“

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
”مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْشَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ  
فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ  
مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ“ (سورة النحل آیت ۹۷)

(مرد ہو یا عورت جو شخص نیک کام کرے گا اور وہ ایماندار بھی ہو تو ہم اُسے (دنیا میں بھی) پاک و پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور (آخرت میں بھی) جو کچھ وہ کرتے تھے اس کا اچھے سے اچھا اجر و ثواب عطا فرمائیں گے)

۱

سالِ ہجری کے آغاز پر ایک بار پھر آپ کے اس اجتماع نے یہ ثابت کر دیا کہ کوئی فصل ہو، کوئی موسم ہو، کوئی وقت ہو، کوئی دور ہو، دوست، دوست کو فراموش نہیں کر سکتا۔ خصوصیت سے اُس وقت جب یہ ہدایت پہنچ جائے:

”خبردار! ہم کو نہ بھولنا“

محسّم کا چاند آپ نے بھی دیکھا، احباب نے بھی دیکھا، عزیزوں نے بھی دیکھا، ظاہر ہے جس کو جتنا ربط اس گھرانے سے ہے اتنا ہی اس کے تعلق (رہنج) میں تازگی پائی جاتی ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سالِ ہجری کا غم سالِ ہجری کے آغاز پر بھی اُسی طرح تازہ ہے جیسا کہ وقوع واقعہ کے وقت تھا۔ حیرت اور تعجب



کی تعریف یہ بیان کی گئی :

”الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ  
مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ  
بِالْعُرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ  
الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ  
إَصْرَهُمْ وَالْأَعْلَالِ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ“ (الاعراف ۱۵۷)

ترجمہ: (وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں رسول کی جو نبی بھی ہے اور اُمی بھی  
جس کا ذکر توریت میں بھی ہے اور انجیل میں بھی، وہ نیکی کا حکم دے  
رہا ہے اور وہ معروف کا حکم دیتا ہے (جو چاہے حکم نہیں دیتا۔)  
اور منکر سے روکتا ہے، وہ طیب چیزوں کو حلال کرتا ہے خبیث  
چیزوں کی حرمت کا فتویٰ دیتا ہے اور اُن پر سے اُن کے بوجھ اور  
وہ طوق جو اُن (کی گردنوں) پر پڑے ہیں اُتارتا ہے۔)

و۔

آغاز نبوت میں جن چیزوں کو حلال قرار دیا، آج تک دنیا کی کوئی سائنس اس  
نقص نہیں نکال سکی، اور جس کو حرمت کا حکم ملا اور بتلایا کہ یہ حرام ہے، خبیث ہے  
تو ساری ایجادات عمری نے اُس خبیث کو پاک کرنے کی کوشش میں اپنی ناکامی کا  
اعلان کر دیا اور کہا، اب یہ خبیث پاک نہیں ہو سکتا۔ حلال محمد قیامت تک  
حلال رہ گیا، حرام محمد قیامت تک حرام رہ گیا۔

اس اعتبار سے شارع کے حکم پر جب زندگی چلی تو حیات تشریعی ہوئی  
حیات حیوانی سے نکل کے حیات تشریعی میں آئے اور شرع کے راستے پر آئے  
اور جب عقل صحیح راستے پر چلی تو عقل نے پکار کر کہا، نبی کے حکم پر چلنا عقل ہے

کو معلوم ہے کہ مجلس ہو رہی ہے اور مجلس کے ساتھ لفظ ”عزا“ بھی ہے مجلس عزا کا  
اعلان ظاہر ہے کہ ہم نے چھپایا نہیں ہے۔ اس مجلس عزا میں اور اس غم میں ہماری فوری  
حیات بھی ہے اور اجتماعی حیات بھی ہے اور اگر یہ حیات اسی دھارے پر جائے جو دھارا  
محبت کا دھارا ہے تو آگے بڑھ کر یہی حیات، ”حیوة طیبہ“ بن جاتی ہے۔

ذرا سا اگر انسان اپنے آپ کو غور و فکر کا عادی بنائے تو پتہ چلے گا کہ انسان کی  
زندگی پر بڑا اثر ہوتا ہے صحبت کا۔ کوئی ہے اس کا منکر، وہ لوگ جو اپنے آپ کو ”جبریہ“  
کہتے ہیں، کیونز کے قائل ہیں، جو کہتے ہیں سب کچھ پہلے سے طے ہو چکا، جو کچھ لکھا  
جانا تھا بس لکھا جا چکا، اس کے باوجود انہیں میں کے باپ اپنے بچوں کو بُری صحبتوں  
سے بچاتے ہیں۔ اب اُن سے کوئی پوچھے کہ وہاں تو لکھا جا چکا ہے۔ آپ کیوں بچا رہے  
ہیں، جو ہونا ہے وہ تو ہو چکا، مگر نہیں۔ نہیں، لڑائی تو کسی اور بات پر ہے، لیکن دل  
تو اُن کا یہی چاہتا ہے کہ بچہ اُن کا اچھی صحبت میں بیٹھے تاکہ زندگی اچھی ہو، حیات طیبہ  
پر نظر ڈالنے والے اگر طیبین کی صحبت میں رہیں، اگر طاہرین کی محبت کو اپنا شعار  
بنائیں، اگر پاک و پاکیزہ انسانوں کی زندگی پر نظر رکھیں اور اُن سے سبق لیں، تو یہ زندگی  
حیات طبعی سے گذر کے حیات تشریعی تک پہنچے۔ حیات تشریعی سے گذر کے حیات  
عقلانی تک پہنچے، حیات عقلانی سے گذر کے حیات طیبہ تک پہنچے۔ صلوٰۃ  
حیات طبعی، یعنی انسانوں کا حیوانوں کی طرح زندگی گزارنا۔ کھانا، پینا،  
چلنا، پھرنا، سونا، جاگنا، اٹھنا بیٹھنا، اور پھر تینہ و تغذیہ اور توالد و تناسل۔  
یہی وہ چند چیزیں ہیں جو انسان اور حیوان میں مشترک ہیں۔ انسان کی بھی یہی زندگی  
ہے اور حیوان کی بھی یہی زندگی ہے۔ اور اسی کو ”حیات طبعی“ کہتے ہیں۔ مگر جب  
انسان شرع کا پابند ہوا اور نگرانی ہوئی کہ طیب کیا ہے؟ اور خبیث کیا ہے جب  
بتلایا کہ پاک کیا ہے؟ اور ناپاک کیا ہے، اور جب صاحب شرع آیا اور صاحب شرع



نبی کے پیغام کو ماننا عقل ہے اور نبی کے حکم پر جان دینا بھی عقل ہے اور اس طرح سے یہ حیات، حیات تشرعی ہو کر عقلانی بن گئی، اور اس کے بعد جب یہ پتہ چلا کہ انسان جانتا تو کوچھوڑ چکا، اب انسان بُرائیوں کو چھوڑ چکا، اب انسان جا رہا ہے طہارت کی طرف، تو وہاں سے آغاز ہوتا ہے اُس کا جس کو "حیاتِ طیبہ" کہتے ہیں جس کے لیے سورہ نحل کی اس آیت کو عنوان بنایا گیا۔ اور یہاں کی تقریروں کے لیے "حیاتِ طیبہ" عنوان قرار پایا۔ ارشاد ہوتا ہے:

"مَنْ عَمِلْ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْشَىٰ، جَوْعِلْ صَالِحًا كَرَمٍ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَهُوَ مُؤْمِنٌ، اور وہ صاحبِ ایمان بھی ہو: "صلوٰۃ" صرف عمل نہیں، ایمان بھی ہو، فَلَنْحَبِّبَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً" ہم اُس کو حیاتِ طیبہ عطا کرتے ہیں، ہم اُس کو پاک اور طابِ زندگی دیتے ہیں۔  
 "وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ"  
 "اور ہم جزا دیتے ہیں اُن کے کیے کی، جو انھوں نے کیا اُس سے بہتر بدلہ عطا کرتے ہیں۔"

تو ایمان اور عمل بنیاد ہے "حیاتِ طیبہ" کے لیے "Belief and Action" یقین اور منزلِ عمل۔ یہ ہے "حیاتِ طیبہ" کی بنیاد۔ اس سے پہلے.....  
 "اس سے پہلے کہ ایمان اور عمل پر گفتگو ہو ایک مسئلے پر تمہید میں بنیادی طور پر ہم غور کریں اور پھر اس کے بعد اس موضوع پر تفصیلی گفتگو ہو۔ سب سے پہلے جو چیز آپ کو یاد رکھنی ہے وہ یہ کہ قرآن مجید میں ۵ مقامات پر لفظ "حیوة" کو استعمال کیا گیا ہے۔

"حٰی" علیحدہ ہے، اس کے بعد مَحْيَاہُمْ، يُحْيِيْکُمْ۔ سب کا مادہ ایک ہی ہے لیکن ان الفاظ کا استعمال الگ الگ ہے، صرف لفظ "حیوة" ۵

مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ اس طرح اگر ۵ آیتوں کو استدلال میں ان تعابیر میں پیش کیا جائے مختلف عناوین کے ساتھ تو پتہ چلے گا کہ صحیح معنی میں قرآن نے ہماری رہبری کی ہے، جو نعمتِ حیات ہم کو عطا ہوئی ہے وہ دے کر دینے والا غافل نہیں ہو گیا۔ "صلوٰۃ"

حیات دینے والے نے آپ کو حیات دیکر آزاد نہیں چھوڑ دیا کہ حیات دیدی، اب جو چاہے کرو۔ نہیں، یہ تو تفویض ہے، یہ مفوضہ کا کام ہے دیکھنا کہ پیدا کر کے کیا وہ چھوڑ دیا گیا کہ جیو اور جو چاہو کرو۔ نہیں۔ حیات دی اور حیات کی راہ میں راہبر دیے، راہبر وہ دیے جنکی حیات کو سامنے رکھ کر کہا، اگر اپنی حیات میں شک ہو تو ان کی حیات کو دیکھو.... "نعرہ حیدری"

ملتِ اسلامیہ! اگر ایک جملہ عرض کروں تو اُمید ہے کسی طرف سے مزاحمت نہیں ہوگی، اور نہیں ہونی چاہیے۔ اس لیے کہ ہماری رہ حیات میں حیاتِ طیبہ کی کامل واکل مثال، حیاتِ ختمی مرتبت حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے، تو کسی کو انکار ہے، کہیں سے کوئی شک ہے۔ کہیں سے کیا کوئی مزاحمت ہے کہ گفتگو صحیح نہیں۔ دیکھیے! مرکز کی طرف میں جا رہا ہوں، ظاہر ہے وہ دائرہ اسلام کا مرکز واحد، اس لیے اس پر اعتراض نہیں ہوگا کہ وہ ایک حیاتِ طیبہ ہے "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" (سورہ احزاب آیت ۲۱) یعنی "تمہارے لیے رسول اللہ کی ذات میں اُسوۂ حسنہ ہے۔"

اُن کی زندگی کو دیکھو، حیاتِ طیبہ کو دیکھو اور اس کے بعد اپنی زندگی کو ڈھالو۔ اور اسی آیت پڑھی جا چکی ہے۔

"الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ"  
 "جو لوگ پیروی کرتے ہیں رسول کی، نبی اُمی کی"



”الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأَوْحَىٰ“

نہیں .... انھوں نے صرف اپنے لیے یہ خصوصیت نہیں رکھی بلکہ اپنے گھرانے کے لیے بھی یہ خصوصیت مختص کر دی، کہ بعد میں ان کے وارثوں سے کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہم نے تم کو پڑھایا تھا۔ ”صلوات“

کسی نے پڑھایا نہیں، کسی نے لکھایا نہیں، مگر پڑھے لکھے تھے۔ کتنا فرق ہے کسی نے پڑھایا لکھایا نہیں۔ دونوں باتوں میں بہت فرق ہے۔ اس طرح کہ پڑھے لکھے تھے کہ جن کو پڑھانے لکھانے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ جن کو قدرت نے پڑھایا تھا، جن کو قدرت نے لکھایا تھا۔ اُن کو لکھنے کی ضرورت نہ تھی، وہ اُمّی تھے، ایسے اُمّی، کہ جو کائنات کے ذرے ذرے کو دیکھ کر بتائے کہ حلال کیا ہے اور حرام کیا ہے۔ اُس دور میں معلومات کا کوئی طریقہ ایسا نہیں تھا کہ جو پہچانے کہ طیب کیا ہے اور خبیث کیا ہے۔۔۔ اور اب آل عمران ”سے آیت۔ ارشاد ہوا:

”مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ

عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ“ (آل عمران آیت ۱۷۱)  
ترجمہ (خداوند عالم صاحبانِ ایمان کو کبھی اس حال پر نہیں چھوڑے گا جب تک کہ خبیث کو طیب سے پہچنوا نہ دے۔“

صاحبانِ ایمان کبھی اس جہالت میں نہیں رکھے جاتے۔ اسی آیت میں آگے چل کر ارشاد ہوا:

”وَمَا كَانَ لِيُطْلِعَكُمُ عَلَى الْغَيْبِ“ (آل عمران ۱۷۲)

(اور اللہ تمہیں غیب سے مطلع کرنے والا نہیں)

اور ایسا بھی نہیں کہ مومنوں کو غیب کا علم دیکر یہ اُن پر چھوڑ دے کہ وہ خود پتہ لگائیں کہ خبیث کیا ہے اور طیب کیا ہے۔ ذرا فکر کیجیے: صاحبانِ ایمان کو تاریکی

کبھی کہا جا چکا ہے کہ جب ہم کسی عزیز کی تعلیم اور قابلیت بیان کریں گے تو کیا ابتداء سے آخر تک بتائیں گے؟ نہیں، یہ ایم، اے ہے اور یہ فلسفی ہے، کبھی اس طرح نہیں کہیں گے کہ یہ ایم، اے ہے اور میٹرک ہے۔ کیا خیال ہے۔ آپ تنزل میں تعارف نہیں کروائیں گے آپ ترقی میں تعارف کروائیں گے، رفعتوں میں تعارف کرائیں گے۔

”الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأَوْحَىٰ“

پہلے رسول کہا، پھر نبی کہا، پھر اُوحیٰ کہا۔ رسالت سے اُمتیت افضل، اور نبوت سے اُمتیت افضل۔ اب دنیا اُس کو جہالت سمجھے تو حیرانی، اب دنیا اُسکو اُن پڑھکے تو پریشانی۔ دنیا جو چاہے فیصلہ کر لے لیکن اُمتیت وہ مقام ہے جو مرکزیتِ عالم ہے جو مرکزیتِ کائنات ہے۔۔۔ ”صلوات“  
جو مرکزیتِ عقلِ انسانی ہے۔ مرکزیتِ ادراک کی دار ہے، جو اُمّ ارواح ہے۔ ”اُمّ“ یعنی مرکز، ”اُمّ“ یعنی لشکر کا علم، لشکر کہیں رہے لیکن دیکھ لے مڑے کہ کس مرکز سے وابستگی ہے۔ لشکر کے علم کو عرب میں اُمّ کہتے ہیں۔ مرکزی دریا کو اُمّ کہتے ہیں، دار الخلافہ کو اُمّ کہتے ہیں۔

اب یہاں پہلے رسول کہا، پھر نبی۔ یہ ادبِ قرآن ہے۔ پہلے رسول کہا، پھر نبی کہا، پھر اُمّی کہا، اور اس کے بعد کہا کہ طیب کو حلال کرتا ہے اور خبیث کو حرام کرتا ہے۔ حیرت ہے! ایسا اُن پڑھ؟ (یعنی اُمّی)

لکھنے والوں نے صحیح لکھا کہ لکھنا اور پڑھنا انھوں نے کسی سے سیکھا ہی نہیں، دیکھیے، بڑا فرق ہے دونوں میں۔ یعنی کسی کے سامنے زانوئے ادب انھوں نے طے نہیں کیا، کسی نے بعد میں یہ نہیں کہا کہ محمدؐ کو تو ہم پڑھاتے تھے۔ آپ نے دیکھا، بڑا عجیب جملہ ہے۔ ساری دنیا کی زبانوں کو قطع کر دیا۔ کوئی یہ نہ کہے کہ ہم نے آپؐ کو پڑھایا



... یعنی اے اولوالعزم ہستیو! جب ہم تم پر درود بھیجتے ہیں تو ہماری خلقت پاک ہوتی ہے، ہمارے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے، ہماری ولادت پاک ہوتی ہے، اس طہارتِ خلقی اور طہارتِ خلقی کے ساتھ حیاتِ طیبہ کی راہوں میں آگے بڑھنا چاہتے ہیں، تاکہ معلوم ہو کہ جس راہ پر ہم چل رہے ہیں وہ راہ محبوب کو پسند ہو جو ہمارا رہبر ہے، ہمارا قائد ہے، جو ہم کو اس راہ پر لیے جا رہا ہے۔

عزیزانِ گرامی!

یہی وہ منزل ہے کہ جہاں کبھی کبھی انسان محسوس کرتا ہے کہ ہم نے عمل کیا، ہم نے عبادتیں کیں، اللہ کی بندگی میں ہمیشہ اپنے آپ کو مشغول رکھا، ایسا نہ ہو کہ یہ دعویٰ بے دلیل ہو جائے، عمل پر یہ ناز بے حجت نہ رہ جائے، ایسا نہ ہو کہ یہ احتجاج، جو حکم دیا ہم نے بجالانے کی کوشش کی یہی چیز ہماری رسوائی کا باعث نہ بن جائے۔ اس لیے صرف عمل پر گفتگو نہیں ہے، بلکہ:

"مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْشَىٰ"

ایمان بھی چاہیے، عمل بھی چاہیے، عمل ارکان اور جوارح سے ہو، ایمان دل سے ہو، یہاں خدمت ہو، وہاں محبت ہو، ایسی منزل پر جا کر آپ کے لیے ایک مقام ایک موقف عطا ہوتا ہے کہ جہاں انسان یہ کہتا ہے کہ ہم نے کچھ حاصل کیا، ورنہ ذرا سا عمل پر ناز کرنا عجیب منزل تھی۔۔۔

یگانہ چنگیزی کہتے تھے: ۷

دلِ نامحرم و سرِ خدا کی مار ہو تجھ پر

ابھی سے نشہِ حسنِ عمل میں چور ہو جانا

یہ شعر تو قابلِ اعتراض نہیں ہے لیکن یگانہ کا دوسرا شعر دیکھیے کسی کو پسند

آئے کسی کو نہ پسند آئے۔ انھوں نے کہا: ۷

میں نہیں چھوڑتا، جہالت میں نہیں چھوڑتا، کہ وہ نہ پہچانیں کہ خبیث کیا ہے، اور طیب کیا ہے۔ اور یہ بھی نہیں کرتا کہ صاحبانِ ایمان کو غیب کا علم دیدے کہ تم اپنی طرف سے کہہ دو کہ یہ پاک ہے، یہ ناپاک ہے، لیکن نہیں پھر وہی آیت مسلسل ہے:

"وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهِ مَنْ يَّشَاءُ"

(مگر اللہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے مجتبیٰ کرتا ہے)

جسے چاہتا ہے مجتبیٰ بنا لیتا ہے۔ چُن لیتا ہے۔ اور اُس کے ذریعے سے پیغام پہنچاتا ہے۔ اُس کے ذریعے سے خبیث اور طیب کی پہچان کرواتا ہے خود تو جانتا ہی ہے، دنیا کو بھی پہنچواتا ہے۔ یہ پاک ہے، یہ ناپاک ہے۔ یہ ناپاک ہے، بچو! یہ پاک ہے آگے بڑھو۔ ناپاکی اور پاکیزگی جسم کے اعتبار سے بھی ہے اور روح کے اعتبار سے بھی ہے جسم کی نجاستیں آپ کو دنیات میں پڑھائی جاتی ہیں، روح کی نجاستیں آپ کو اخلاقیات میں بتائی جاتی ہیں۔

طیب زندگی وہ ہے کہ جہاں نہ جسم نجس ہو، نہ روح نجس ہو۔ ظاہر ہے ایسی منزل پر انسان بچنے کی کوشش کرتا ہے، کسی صورت سے ہم نجاست سے بچیں تو ایسے موقع پر آج شربِ جمعہ میں ایک نسخہ، کہ کس طرح انسان طہارت کی طرف پہنچے (جس کا ابھی میں نے نشر پاک میں ذکر کیا تھا۔)

سورة الاحزاب کی آیت ۵۶ آتی:

"إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا"

(بشیک اللہ اور اُس کے ملائکہ درود بھیجتے ہیں رسول پر اے

صاحبانِ ایمان تم بھی درود بھیجو) (صلوات)

اس درود کی تعریف یہ ہے "... وَطَهَارَةً لِّأَنفُسِنَا وَنَزَلَتْ لَنَا لِقَاءُ رَبِّنَا"



جو زمینی ہو گیا اس میں پستی آئی، جو مادے سے ہٹا اور نورانیت کی طرف آیا  
اُس میں بلندی آئی اور جہاں بلندی آئی . . . . . ارشاد ہوا:  
”إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ“  
(سورۃ ناطر آیت ۱۰)

(اُسی کی بارگاہ میں کلماتِ طیب صعود کرتے ہیں اور وہی نیک اعمال  
کو رفعت و بلندی عطا کرتا ہے۔)

طیب کلمہ زبان سے نکلے تو پستی میں نہیں جاتا۔ پاک وہی ہے جس میں بلندی  
ہو، اُٹھے تو بلند، بیٹھے تو بلند، جنگ میں جائے تو بلند، گہوارے میں بلند، خیر میں بلند  
خندق میں بلند، حنین میں بلند۔ (صلوات)  
ابن ابی الحدید معتزلی کہتا ہے کہ:

”علیٰ ہر جگہ بلند تھے لیکن کس لیے، اس وجہ سے کہ بلندی خود چاہتی  
تھی کہ وہاں تک پہنچے۔“

یعنی بلندی خود چاہتی تھی کہ میں علیٰ کے قدم چوموں، کیونکہ کل کی طرف  
مضاف ہونا چاہتا تھا۔ کل کی طرف کل نسبت چاہتا تھا۔  
طیب کلمہ صعود کرتا ہے بلندی پر جاتا ہے۔ صعود اور نزول کو سمجھے صعود  
بلندی پر چڑھنا، نزول پستی میں جانا

”إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ“  
(اُسی کی بارگاہ میں طیب کلماتِ صعود کرتے ہیں اور وہی عملِ صالح کو  
بلندی عطا کرتا ہے۔)

”حیاتِ طیبہ“ مرلوط ہے کلمہ طیبہ سے، ”اور کلمہ طیبہ“ مرلوط ہے  
”شجرہ طیبہ“ سے۔ یعنی حیاتِ طیبہ نہیں جتنک کلمہ طیبہ نہیں۔۔۔ اور

علیٰ کا بندہ ہو کر بندگی کی آبرورکھ لی  
یگانہ کے لیے کیا دُور تھا منصور ہو جانا

مقامِ عمل پر ایک منزل ہے جہاں انسان اس حد تک پہنچ جائے جہاں دارورسن  
اور یہ منزل دارورسن پر گفتگو نہیں ہے، ”حیاتِ طیبہ“ کا کوئی مقام ایسا نہیں ہے  
جہاں انسان حدوں کو توڑ کر آگے جائے۔ حدیں ہیں، حدوں میں زندگی ہے۔  
یہ طہارت ہے، یہ نجاست ہے۔ یہ حلال ہے، یہ حرام ہے۔ یہ جائز ہے،  
یہ ناجائز ہے۔ یہ نجس ہے، یہ طیب ہے۔ ان حدود پر نظر ہے۔  
چند جملے اسی سلسلے میں، وہ یہ کہ حلال ہے تو کیوں؟ حرام ہے، تو کیوں؟  
کیا اس لیے کہ میری عقل کا خلاصہ ہے، کیا اس لیے کہ میرے علم کا خلاصہ ہے  
کیا اس لیے کہ میرے باپ دادا کا طریقہ ہے، کیا اس لیے کہ فلسفہ یہ بتلاتا ہے  
کیا اس لیے کہ دنیا کے مفکرین اس نتیجے پر پہنچے؟ جو اس نتیجے پر پہنچا کہ مفکرین  
عالم نے یہ طے کیا ہے کہ یہ حلال ہے، اور یہ حرام ہے، تو یہ اسلام نہیں ہے۔  
اطمینان سے سن لیں آپ کہ یہ اسلام نہیں ہے۔ اسلام کی منزل وہاں سے ہے  
جہاں سے رسولؐ نے کہا ہے کہ یہ نجس ہے اور یہ طہر ہے۔ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے  
یہ جائز ہے اور یہ ناجائز ہے۔ یہ نجس ہے یہ طیب ہے۔ اُس کے علاوہ کسی اور  
کو یہ حق پہنچتا ہی نہیں۔ بس وہ جو رسولؐ اُتھی ہے۔

دنیا کسی راہ پر چلے، مگر ہم کو تو اُسی مرکز کی طرف دیکھنا ہے کہ اُس کا حکم کیا  
ہے، حیات کو طیب بنانے کے لیے۔ اور پھر یاد رکھیے، نجاستوں میں پستیاں  
ہیں، طہارتوں میں بلندیاں ہیں۔ ارشاد ہوا: (سورۃ اعراف آیت ۱۷۶) میں  
”وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ“  
(ہم نے چاہا کہ اُسے رفعت عطا کریں، لیکن وہ تو خود زمین سے چمٹ گیا۔)



بخدا در پردہ گویم باتو گویم آشکار

یا رسول اللہ! او پنہان و تو پیدائے من

”خدا سے میں چھپا کر کہوں گا اور تم سے کھلم کھلا، کیونکہ اے رسول اللہ!

وہ ذات باری تعالیٰ پنہاں ہے اور اس نے اے حبیب خدا! آپ کو

ہمارے لیے ظاہر و پیدایا کیا ہے۔

یعنی: اللہ تو مجھ کو نظر نہیں آیا، یا رسول اللہ! ہم نے تو آپ کو دیکھا، میں

در پردہ بھی کہوں گا اور آشکار کہوں گا۔

بحث تو یہیں سے شروع ہوتی ہے کہ رسول اللہ کو یا رسول اللہ کیوں

کہا اقبال نے۔ میں نے شعر کو نراعی اسی لیے کہا۔

ایک بندے کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ چھپے ہوئے کی طرف سے نیابت

کرتے ہوئے جو چاہے کہے۔ کسی کی یہ ہمت نہیں ہوتی کہ دلیل کیا ہے، کسی نے کبھی

نہیں کہا، اور اگر کسی نے کہا کہ آپ رسول نہیں ہیں تو آیت آئی۔

”يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا سَتَمُولُ قُلُوبًا قُلْ

بِاللّٰهِ شَهِيدٌ اَبَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمٌ

الْكِتَابِ •“ (سورة الوعد آیت ۲۳)

”کافر کہتے ہیں کہ تو مریسل نہیں ہے۔ کہہ دو! میری رسالت پر

(دو گواہ ہیں) ایک اللہ ہے دوسرا وہ جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔“

میں دو گواہوں کو میکرا آیا ہوں۔ پھر بھی ایک ظاہر ہے اور دوسرا چھپا ہوا ہے

دیکھیے! دو گواہ ایک اللہ دوسرا جس کے پاس علم کتاب ہے۔ علم کتاب

جس کے پاس ہے وہ ظاہر ہے۔ اللہ پھر بھی چھپا ہوا ہے۔ اس کی شہادت کیسے

ظاہر ہو؟ اس لیے کہا گیا کہ:

کلمہ طیبہ نہیں جب تک شجرہ طیبہ نہیں اور شجرہ طیبہ کیا ہے۔ سورہ ابراہیم کی

آیت ۲۴ میں ارشاد ہوتا ہے:

”اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً

كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي

السَّمَاءِ •“ (سورة ابراہیم آیت ۲۴)

ترجمہ (کیا تو غور نہیں کہ اللہ کلمہ طیبہ کی مثال کس طرح دیتا ہے

اس کی مثال ایک پاکیزہ شجر کی سی ہے جس کی جڑ مضبوط ہے

اور اس کی شاخیں آسمان میں پھیلی ہوئی ہیں۔)

آگے آیت مسلسل ہے:

”وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ

اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ •“

ترجمہ (اور کلمہ خبیثہ کی مثال اس شجر کی سی ہے کہ جو زمین کے

اوپر سے ہی اکھاڑ لیا گیا ہو، اُسے ثبات نہیں ہے۔)

آج یہاں، کل وہاں۔ کہیں جس کو قرار نہ ہو، وہ خبیث ہے۔ لیکن جہاں

طہارت، وہاں قرار ہی قرار، اور فرار وہاں جہاں خباثت ہے۔ اور جہاں اصل

ایک ہے، بنیاد ایک ہے، وہاں ساری زندگی ایک راہ ہے، ایک منزل ہے۔

وہاں سمجھ لو کہ ایک ایسا سلسلہ ہے کہ اُسکی شاخیں آسمانوں تک پہنچی ہوئی ہیں اور

جڑیں ثابت یعنی مضبوط۔ ظاہر ہے ہمارے لیے ایسی زندگی کی مثال.....

شجرہ طیبہ اگر ہے تو ایسی زندگی کی مثال... خواص طیبہ... ذات ختمی مرتبت

کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔ ختمی مرتبت، ہماری زندگی کے دائرے کا واحد مرکز

ہی۔ فارسی کا ایک شعر ہے کسی حد تک نراعی ہے۔ شعر اقبال کا ہے:



”إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى تَجَلَّى لِعِبَادِهِ فِي الْقُرْآنِ“

( بیشک خداوند عالم نے اپنے بندوں کے لیے قرآن میں تجلی کی ہے )  
قرآن پیغمبرِ عالم کی حیاتِ طیبہ پر گواہ ہے۔ اس نے حیاتِ پیغمبر کے ایک ایک گوشے کو محفوظ کر لیا ہے۔ وہ نبوت سے پہلے ہو کہ اعلانِ نبوت کے بعد، پوری زندگی حیاتِ طیبہ ہے۔ ہر عمل ارادۂ باری ہے۔ متعام شک نہیں ہے کہ کوئی عمل پیغمبر نے اپنی طرف سے تو نہیں کیا۔ کسی کو آغوش میں لیا تو حکم باری سے، کسی کو دوش پر اٹھایا تو حکم باری سے، کسی کو عبائیں چھپایا، تو حکم باری سے کسی کو ردائیں لے لیا، تو حکم باری سے۔

کسی کے لیے بھی محلِ اعتراض نہیں ہے، اور پھر خصوصیت سے حیاتِ طیبہ کے سلسلے میں جب جب شجرہ طیبہ بڑھا تو وہی شجرہ ہے جس میں انبیاء آئے ہیں، وہی شجرہ سے جس میں اولیاء آئے ہیں، وہی شجرہ ہے جس میں ختمی مرتبت آتے ہیں۔ اسی شجرے کو آگے بڑھنا ہے۔ آگے بڑھنے کے لیے لازم ہے کہ شجرہ اپنی شاخوں کو بلند کرے۔

گھر سے باہر نکل رہے ہیں، گرمی کے دن ہیں، لوگوں نے سوال کیا: اللہ کے رسول! سواری تو نکلی گھر سے مگر آپ کے دامانِ عبائیں کوئی چیز چھپی ہوئی ہے۔ کیا بات ہے۔ دونوں ہاتھ آپ کے بلند کیوں ہیں؟

عباد کا دامن مٹا کر کہا: یہ میری بیٹی کا چھوٹا بیٹا ہے۔ گرمی کی وجہ سے میں نے عباد کا دامن اس پر ڈال دیا ہے۔

یہ بتانے کی کوشش کی کہ یہ محبتِ اقتضائے بشری نہیں ہے ”حیاتِ طیبہ“ کو آگے بڑھا رہا ہوں۔ اگر احترام کیا تو اسے کا، اگر نواسے کی عظمت ظاہر کی، اگر نواسے کا تعارف کروایا تو اس لیے کہ اللہ کی راہ میں قیام کرنے والا ہے۔ پھر رہتی

دنیا تک میرے نام کو باقی رکھنے والا ہے۔

”وہ تو مجھ سے ہے ہی، لیکن میں بھی اُس سے ہوں۔“  
میرا نام حسین سے باقی رہے گا۔

یاد آیا آپ کو عربی کا جملہ (حدیث)

”حُسَيْنٌ مِنِّي وَ اَنَا مِنَ الْحُسَيْنِ“

یا رسول اللہ! میں آپ کی رسالت کو گواہ کر کے کہتا ہوں، یہ آپ کے نواسے کے ماتم دار جمع ہیں، خدا گواہ ہے جب آپ کی حیاتِ طیبہ پر گفتگو ہوتی ہے تو فوراً آپ کا یہ قول یاد آ جاتا ہے۔ ”میں حسین سے ہوں“ اور حسین مجھ سے ہے۔“

مجلس ہوتی آخر میں نواسے کا ذکر ہوا لیکن سارا ذکر نانا ہی کا تھا۔ عزیزو! آج کسی طرح کی غلط فہمی نہ ہو ملتِ اسلامیہ کا اتحاد اہم ترین مسئلہ ہے۔ یہ جو شہادت کا ذکر مجلسوں میں ہو گا یا کہیں اور شہادت نامہ پڑھا جائے گا۔ دراصل یہ شہادتِ رسول اللہ ہے۔

میرے جیسے حسین نکل رہے ہیں، یہ رخصتِ رسول ہے۔ یہ ارواحِ طیبہ ہیں۔ یہ حیاتِ طیبہ رکھنے والے ہیں۔ حیاتِ طیبہ وہ ہے جہاں موت نہیں فنا نہیں، بلکہ آگے بڑھنے کی ایک منزل ہے جہاں موت مانع نہیں مسافر کے لیے۔

یعنی، آگے چلیں گے دم لیکر

موت معدوم نہیں کرتی، یہ حیاتِ طیبہ ہے۔ قبرِ رسول! پر پہنچ کر نواسے رخصت مانگی تو عجب نہیں کہ یہ آواز آتی ہو:

کئی دن تری مادر کو نہیں قبر میں چین آتی تھی شب کو مریاس وہ کرتی ہوتی بین  
گھر مٹنا ہے ضرر یاد رسول الثقلین صبح کو اپنا وطن چھوڑ کے جانا ہے حسین



# مجلس دوم

۲ محرم ۱۳۹۲ ہجری مطابق ۱۸ فروری ۱۹۷۲ عیسوی

- ۱۔ وہ حیاتِ طیبہ نہیں ہو سکتی جو مادہ و غلاظت میں پھنس جائے۔
- ۲۔ میزان ہر شے کے لیے الگ ہے، کانٹوں میں پھول نہیں ٹلتے
- ۳۔ یاس یگانہ چنگیزی کے اشعار سے مثالیں۔
- ۴۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے نفس پر قیاس کرنا پہلی غلطی ہے۔
- ۵۔ مرضی الہی حیاتِ طیبہ کی پہچان ہے۔
- ۶۔ شہادتِ حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام

کہنے کو آئی ہوں کہ منہ قبر سے موزوں گئی میں  
اپنے بچے کو اکیسلا تو نہ چھوڑوں گی میں

حسین سفر کی تیاری کر رہے ہیں، مدینہ چھوٹ رہا ہے۔ اہل وطن کو حسرت ہے  
کہ حسین واپس آئیں لیکن حسین کہہ رہے ہیں نانا! آپ گواہ رہیے گا وقت آگیا  
جس کا اللہ کو علم ہے۔ دیکھئے

دیکھئے! یہ وہ مقام ہے حیاتِ طیبہ کا "اِنِّیْ اَسَیْتُ بَصِیْرًا جَدِّیْ"  
فرماتے ہیں، نانا کو گواہ کر کے۔ میں اپنے نانا اور اپنے بابا کی سیرت پر عمل کرتے  
ہوئے ترکِ وطن کر رہا ہوں۔

سواریاں آمادہ سفر ہوئیں۔ ناتے آگے بڑھے جیسے ہی نبی کی نوا سیاں سوار ہوئیں  
اور ناتہ آگے بڑھا حسین ابن علی نے رکاب میں پاؤں رکھا عباس نے رکاب کو ہتھ مارا  
حسین بن علی پشتِ فرس پر بلند ہوئے پہلے نانا کے روضے کو دیکھا پھر اہل مدینہ کو  
دیکھا اور بے اختیار کہا جاؤ تم کو اللہ کے حوالے کیا۔ اور ادھر اشارہ بیس برس کے بھائی  
کو جو محافظِ اہل حرم بھی ہے، حسین کا قوتِ بازو بھی ہے، دیرینہ جان نثار بھی ہے۔  
عباس! چلو.... حکم پاتے ہی عباس نے پورے قافلے کا گھوم کر جائزہ لیا۔

قائم کی سواری کہاں ہے، علی اکبر کدھر ہیں، بہنوں کی عمار کہاں ہے۔ اطمینان کر کے آقا  
کے قریب آئے کہا.... بسم اللہ! آقا آگے بڑھے۔ قافلہ روانہ ہوا۔ عباس پشتِ فرس  
پر بلند ہونا چاہتے تھے کہ عصمت سرا کا پردہ ہٹا ایک کینز باہر آئی اور آواز دی.....  
شہزادے! ماں بلا رہی ہے۔ عباس آؤ.... ام البنین بلا رہی ہیں عباس گھوڑے  
کو دھپے، گھر میں آئے۔ ماں کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ ماں نے عباس کا سر اٹھا کر سینے  
سے لگا لیا۔.... فرماتی ہیں۔ عباس! میں نے عمر بھر فاطمہ زہرا کی کینزی کی ہے۔  
میرا لال عباس! زہرا کی کمائی سے ہوشیار عباس! میں نبی کو تجھ سے لوں گی۔....  
(اَللّٰهُمَّ عَلٰی الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ)



”بزمِ حینی“ کا میں شکر گزار ہوں کہ کارکنانِ عشرہ نے بڑی وسعتِ قلبی سے ان مجلسوں کے انعقاد کے تسلسل کو قائم رکھا۔ وقت گزرتا جا رہا ہے۔ بچے جوان ہو گئے، جوان بوڑھے ہو گئے اور بہت سے میرے بزرگ اب یہاں نظر نہیں آتے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کاروانِ حیات گزرتا جا رہا ہے اور ہم اپنی حیات کی ایک ایک گھڑی کو اس طرح سے بسر کر رہے ہیں کہ جہاں یہ مجلس گواہ بن جاتے اس بات کی کہ آپ جس طرح سے یہ زندگی بسر کر رہے ہیں وہ کہاں تک طیب ہے۔ صرف اس لیے کہ آپ کا تعلقِ خاطر آپ کا وجدان، آپ کا عرفان، آپ کا ربطِ باطن، آپ کا اتصالِ انہیوں سے ہے کہ جہاں طہارت ہی طہارت ہے۔ جہاں امکانِ خطا نہیں ہے، یعنی اس عقیدے کے بعد کہ اُن سے یہ ربط ہے، اُن سے یہ اتصال ہے۔۔۔ گو یا طیب سے متصل ہو جائیں تو طیب ہو جائیں۔ ظاہر سے نزدیک ہو جائیں تو ظاہر ہو جائیں نیکیوں کے قریب جائیں تو نیک بن جائیں۔ بالکل اسی طرح حیات اگر طیبین کی حیات سے وابستہ ہو تو یقیناً حیاتِ طیبہ ہو جائے گی، بشرطِ اپنے تخیل و شعور و فکر کو انسان پاک اور ظاہر کرے۔ آپ کے فلسفی شاعر اقبال کا کہنا ہے کہ:

قوموں کی حیات اُن کے تخیل پہ ہے موقوف

یہ ذوق سکھاتا ہے ادب مرغِ چمن کو

مجنوبِ فرنگی نے باندازِ منرنگی

مہدی کے تخیل سے کیا زندہ وطن کو

جرمنی کے مشہور فلسفی نطشے نے جب اپنی قوم کو کمزور دیکھا تو انھوں نے کہا کہ

”انسانِ کامل ہم ہی ہیں سے آئے گا“

اقبال کہتے ہیں، اُس قوم کو تو ایک مجنوب نے یہ راہ بتائی، تخیل کو اس کمال

پر پہنچا یا کہ پوری قوم ڈھونڈنے لگی کہ وہ انسانِ کامل کہاں ہے۔ اور تم وہ ہو کہ:

## دوسری مجلس حیاتِ طیبہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
”مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ  
فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ  
بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ“ (نحل آیت ۹۷)  
ترجمہ: (مرد سو یا عورت میں سے جو شخص نیک کام کرے گا اور وہ ایماندار بھی ہو تو ہم اُسے (دنیا میں بھی) پاک و پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور (آخرت میں بھی) جو کچھ وہ کرتے تھے اس کا اچھے سے اچھا اجرِ ثواب عطا فرمائیں گے۔)

۱۱

ظاہر ہے کہ ”حیاتِ طیبہ“ کے عنوان پر یہ دوسری تقریر ہے۔ کل کی تقریر سے آج کی تمہید کو تسلسل کر رہا ہوں، چند بنیادی باتیں گوش گزارِ سامعین کی جا رہی ہیں میں سب سے پہلے اس امر کو واضح کر دوں کہ خالقِ دنیا ہال کا یہ بائیسواں عشرہ ہے، کوشش اس امر کی ہے کہ ہمارے نوجوان بغیر کسی زحمت کے مسائل پر محیط ہو جائیں اور اُن کے لیے کوئی رکاوٹ نہ رہے کہ جہاں وہ یہ محسوس کریں کہ یہ مسئلہ ہم نہ سمجھ سکے یا یہ کہ اُسے ہم اپنے عقائد میں محفوظ نہ رکھ سکے یا ہم اصول میں یعنی عقائد میں اس مسئلے کو سمجھ نہیں سکے یا پوری طرح استفادہ نہ کر سکے۔ یہ صورت انشاء اللہ باقی نہیں رہے گی



ترجمہ آیت: ”یہی مثال اُن لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی۔“

یہ مثالیں قرآن دے رہا ہے اور علمی مثالیں ہیں، حیات انسانی کے لیے یہ ضروری ہے کہ کسی ایسے طیب و طاہر بزرگ کی پابند رہے کہ جہاں انسان اپنی زندگی کے ہر لمحے کو ڈھالنے کی کوشش کرے۔

ہم حیاتِ طیبہ پر گفتگو کر رہے ہیں اس لیے ممکن ہے آپ سوچیں کہ اس حیات کا پیمانہ کیا ہے۔ حیاتِ طیبہ کہاں ہے؟

یہ کون بتلائے؟ تو پہلی بات سُن لیجیے کہ ترازو سب ایک قسم کے نہیں ہوتے۔ جنس اور غلہ تولنے کے لیے ترازو اور ہے۔ ہوا کو تولنے کا ترازو اور ہے۔ نورانی شعاعوں کو تولنے کا ترازو اور ہے۔ میزان کی صورت بدل جاتی ہیں اُس شے کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ۔ بالکل اسی طرح حیاتِ طیبہ کو تولنے کے لیے وہ ترازو استعمال نہ کرو جس پر پکڑیوں کو تولتے ہیں۔ حیاتِ طیبہ کو تولنے کے لیے یہ دیکھنے کے لیے کہ کہا شک پاک و پاکیزہ ہے، اس امر کی ضرورت ہے کہ میزان کو بھی دیکھیں، اگر آپ یاد رکھ سکیں تو یہ یگانہ کے اشعار ہیں:

کچھ پوش ہو تو آنکھوں ہی آنکھوں میں تو لیے

آغازِ یزید سے انجامِ کار کو

میزانِ عدل آتی ہے ایسوں کے ہاتھ میں

کانٹوں سے تولتے ہیں جو پھولوں کے ہار کو

اگر کانٹوں میں تولیں گے آپ پھولوں کے ہار کو تو پھر نہ سمجھ سکیں گے کہ حیاتِ طیبہ کہاں ہے۔ وہ کانٹے کیا ہیں جس میں پھول تول رہے ہیں، وہ کانٹے ہمارے نفس کی گندگی کے آثار ہیں، وہ کانٹے یہ ہیں کہ ہم اپنے نفس کو پیمانہ بنا کر دوسرے

اے تو کہ مہدی کے تخیل سے ہے ہزار  
لومید نہ کر آہوئے مشکیں سے ختن کو  
ہو زندہ کفن پوش تو میت اُسے سمجھیں  
یا چاک کریں مردکِ ناداں کے کفن کو

بہت عجیب فلسفہ ہے۔ یہ شعر سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ بہت بلند فکر ہے۔ اجتماعی زندگی ہو یا انفرادی، حیات چاہتی ہے پرواز، وہ بند ہے جس سے وابستہ ہو کر بند ہو جائے۔

کل کی تقریر میں یہ گفتگو تھی کہ وہ حیات جو مٹی میں اُلجھ کے رہ جائے وہ حیات جو مادے میں پھنس کے رہ جائے، جو حیات غلاظت اور آلودگیوں کی حد تک ہی ہے اُس حیات کو طیبہ نہیں کہتے، اُس میں نجاست ہے۔

”وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ“ (الاعراف آیت ۱۷)

”اور اگر ہم چاہتے تو اُس کو بندی عطا کر دیتے لیکن وہ تو ہمیشہ زمین سے چٹ کر رہ گیا اور اپنے نفس کی پیروی کرتا رہا۔“

اُسکی مثال کتے کی سی ہے۔ آیت سسل ہے۔

”فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ“ (الاعراف ۱۷)

”پس اُس کی مثال تو کتے کی سی ہے کہ اگر تو اُس پر حملہ کرے (یا دھتکارے) تو بھی زبان نکالے (باناہتا) ہے اور اگر اُس کو

چھوڑ دے تو بھی زبان نکالے (باناہتا) ہے۔“  
”ذَلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا بآيَاتِنَا“



اپنی مجبور لوگوں کو بتلانے کے لیے تو آپ کو یہ مطلع یاد ہے۔ ظاہر ہے آپ اپنی مرضی اور اپنی خوشی سے تو نہیں آتے ہیں۔ مطلع صحیح ہے .... اور اپنی مرضی سے آپ کا جانا نہیں ہے۔ تو بتدگانِ خدا جب ہم اپنی مرضی سے نہیں آئے اور اپنی مرضی سے نہیں جاتیں گے۔ کسی اور کی مرضی سے آئے ہیں، کسی اور کی مرضی سے جانا ہے تو ... کسی اور کی مرضی پر جیتیں کیوں ... نہیں۔ ! آنا اور جانا کسی اور کی مرضی سے ہے، پھر اپنی مرضی سے جینا کیسا ؟

اور یہی وہ منزل ہے کہ ہم سے یہ ہونہ سکا، اگر ہم یہ طے کرتے کہ نہیں ... اُس نے اجازت دی کہ جاؤ دنیا میں اور پھر حکم دیا کہ اب دنیا سے چلو۔۔۔۔۔ پھر اُس نے یہ بھی حکم دیا ہوگا کہ یوں بسر کرو۔۔۔۔۔ یوں رہو۔۔۔۔۔ یوں جیو۔۔۔۔۔ اگر اُس کے حکم پر چلتے تو اس زندگی کو کبھی موت فنا نہیں کر سکتی۔ اور وہ زندگی طولانی ہوتی، اس لیے کہ جو مرضی معبود پر چلتا ہے وہ مَرِتا نہیں۔ اور جو نہیں مَرِتا اُس کے لیے سرمیت ہے، ابدیت کی مظہریت ہے اور وہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ جہاں وہ سرمدی اور ابدی کا منظر بن جاتا ہے کہ وہ ہے۔

تو اس حیات کو جولا محدود ہو گئی ہو مرضی معبود پر چلتے چلتے اپنی زندگی کے محدود پیمانے پر کھینچے پرکھ رہے ہو۔ اُس محکم پر کیسے کس رہے ہو، اس لیے کہ آپ ہیں، اور پھر ایک وقت آئے گا آپ نہیں ہیں۔ ہماری نسل آئے گی، پھر وہ نسل ہٹ جائے گی۔۔۔۔۔ لیکن وہ ہستیاں تو ہیں نا۔ کہ جن کے ساتھ ساتھ کلمہ ہے۔ جن کے ساتھ ساتھ اذال ہے، جن کے ساتھ ساتھ تشہد ہے، جن کے ساتھ ساتھ سلام ہے، جن کے ساتھ ساتھ درود ہے۔ (صلوات)

اب آپ نے اندازہ لگایا کہ یہ ہماری محدود زندگی کو جو خود غرضیوں کی ہدف بنی ہوئی ہے ہم محکم یعنی کسوٹی نہیں بنا سکتے اُن طبیبین کی زندگی کے لیے، ظاہر ہے

نفوسِ قدسیہ کو تولنا چاہتے ہیں۔۔۔۔۔ یہ کیا فکر ہے کہ ہم ایسے ہیں تو وہ بھی ایسے ہونگے یہ پہلی غلطی ہے جہاں ٹھوکر لگتی ہے کہ جہاں انسان اپنے نفس پر قیاس کرتا ہے کہ نبی بھی ایسا ہوگا، ولی بھی ایسا ہوگا، وصی بھی ایسا ہوگا۔ اور جب پہلی غلطی آپ نے یہ کی پھر دھوکا ہی دھوکا ہے، خطا بھی ہے، سہو بھی ہے، نسیان بھی ہے، بھول بھی ہے نمازیں بھی بھول جاتا ہے، یہ کیوں ؟ اس لیے کہ آپ نے ترازو بنایا اپنے نفس کو اور تولانی کے نفس کو، اپنے زنگ آلود آئینے میں نبی کی صورت دکھیں گے تو اُس میں یہ دیکھ رہے ہیں۔ جب آپ زنگ آلود آئینے میں کسی شے کو دکھیں گے تو اُس میں داغ نظر آئیں گے۔۔۔۔۔ داغ اُس چیز میں نہیں ہے، داغ آئینے میں ہے۔۔۔۔۔ پہلے اپنے نفس کے آئینے کے داغوں کو گنے کی کوشش کرو اس کے بعد یہ دیکھو کہ تم جس کو اس زنگ آلود آئینے میں دیکھ رہے ہو، کیا واقعی وہ اس قابل ہے کہ اس ترازو میں تل جائے۔۔۔۔۔ یہ بڑی غلطی ہے۔

حیاتِ طیبہ کی پہچان یہ نہیں ہے کہ ہم کیا ہیں، ہماری زندگی کیا ہے ؟ نہیں۔۔۔۔۔ حیاتِ طیبہ کی پہچان یہ ہے کہ مرضیِ الہی کیا ہے، حسنِ الہی کیا ہے، منشاءِ الہی کیا ہے، حکمِ الہی کیا ہے ؟ وہ کس طرح سے پاک رکھنا ہے، وہ کس طرح پاک رکھنا چاہتا ہے، وہ کس طرح بُرائیوں سے دور رکھنا چاہتا ہے۔ ایسی منزل پر جب ہم کو اُن زندگیوں پر گفتگو مقصود ہو کہ جہاں زندگی طیب و طاہر ہے۔ ایک امر اور۔۔۔۔۔

ایک امر اور بھی پیشِ نظر رہے۔ آپ کسی طرح اپنے نفس پر قیاس نہیں کر سکتے نفوسِ قدسیہ کا، اس لیے کہ آپ کے نفوسِ آنی، جانی، زمانی، مکانی اور فانی ہیں۔ یعنی آپ کا عالم تو یہ ہے کہ آپ وہ مطلع پڑھتے ہوئے گزرتے ہیں، لائی حیات آئے، قضا لے چلی، چلے۔۔۔۔۔ اپنی خوشی نہ آئے، نہ اپنی خوشی چلے



ترجمہ: "ہم نے بعد ذکر یقیناً زبور میں لکھ ہی دیا تھا کہ روئے زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے۔"

وہ صالح بندے وارث زمین ہیں، ہم نہیں۔ اس لیے ہم ان ورثہ کے زندگیوں پر اپنی زندگیوں کو معیار نہیں بنا سکتے، وارث ارض تو وہ ہیں، یہ جو عبد صالح کہا، یہ جو وارث ارض کہا۔ عجیب بات ہے کہ ہماری مذہبی تاریخ میں یہ نام دو ہستیوں کے لیے آیا، لفظ "عبد صالح" دو ہستیوں کے لیے استعمال ہوا ہے ایک ابو الفضل العباسؑ، ایک مسلم بن عقیلؓ۔

دوسری محترم کو دل چاہتا تھا کہ اس انسان کی زندگی کا ذکر کیا جائے جس کا انتخاب کرتے ہوئے حسین ابن علیؑ نے کہا تھا کہ اہل کوفہ میں تمہاری طرف بھیج رہا ہوں اپنے بھائی، چچا کے بیٹے اور اپنے اہل بیت میں ثقہ ترین کو اب تم اس کی باتوں کو سمجھو اور اس کو سمجھاؤ کہ تم اپنی دعوتوں سے کیا مطلب حاصل کرنا چاہتے ہو، اور ادھر اس عبد صالح کو بلا کر کہا۔ "مکہ معظمہ میں" مسلم! تم کو نے جاؤ۔ دیکھو کیا حال ہے، دعوت پر دعوت آرہی ہے، خط پر خط آرہے ہیں۔ فاطمہ کے لال حسین کو بلایا جا رہا ہے۔ دیکھو مسلم! تم جاؤ۔" بھیجا ہے احوال دیکھنے کے لیے، مگر بھیجا اُس کو جو اہل بیت میں ثقہ ترین اگر آپ ان جلوں کو سمجھ گئے تو حائل تقریر ہے۔ جو قابل اعتبار ہے اُس کو بھیجا ہے، بھروسے کے قابل ہے۔ مگر اُس سے یہ نہیں کہا کہ لڑائی ہوگی قتل کیے جاؤ گے، اُس سے یہ نہیں کہا کہ شکر پر شکر اُمٹ آئے گا، تم کو سب سے مقابلہ کرنا پڑے گا، کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔۔۔ بس جاؤ۔۔۔ وہ بھی ثقہ تھا اہل بیت کا، جاتے ہوئے حسین کے قدموں سے پٹ کر مسلم نے کہا: توقع یہی ہے کہ شاید اب ان قدموں کو نہ دیکھ سکوں۔ یہ کہہ کر چلے۔ پھر واپس آئے

کی زندگی کے لیے، وہ زندگیاں بھی ایسی ہی ہوں گی، غلط فہمی یہیں سے شروع ہوتی ہے کہ یہ ذکر کب تک، یہ نام کب تک، یہ گفتگو کب تک،؟ یہ سوال ہی وہاں سے آرہا ہے جہاں پیمانے غلط ہیں، جہاں کسوٹی غلط ہے۔

صحیح معنی میں اگر مسلمان اسلام کی مرکزی ہستی کو جان لیتے اور اُس کی بندگیوں کو پہچان لیتے تو یقیناً ہم کو آگے بڑھنے میں مدد ملتی لیکن ایسا نہیں ہوا۔ آغاز پر فریب ہو گیا، غلطی وہی ہوئی۔ ہم نے یہ طے نہیں کیا کہ وہ کیا ہے، اُس کی طہارت کیا ہے، وہ طہارت کہ جہاں نام طہ ہو، نام ہی طیب ہو، طیب، طہ اور طاہر اور وہ طاہر اگر چادر اوڑھ لے، چادر اوڑھ کر اللہ کی مرضی سے کچھ ہستیوں کو اُس چادر میں آنے کی اجازت دیدے، طاہر ہے طیبیں ایک جگہ جمع ہوں گے، طاہرین ایک جگہ جمع ہوں گے اور وہ طیب زندگی ہمارے لیے نمونہ بن جائے گی، ہمارے لیے ایک حجت بن جائے گی، وہ زندگی مرضی معبود کی نذر ہو جائے گی، وہ زندگی جو مرضی مولا پر چلے، وہ زندگی جہاں خود اپنی ذات پیش نظر نہ ہو بلکہ مرضی مولا پیش نظر ہو ایسی زندگی بسر کرنے والے یہ نہیں دیکھتے کہ ہمارا اپنا ذاتی مفاد کیا ہے۔ یا ذاتی مضرت کیا ہے۔

آج دوسری محترم کو میں چاہتا ہوں ایک ایسی ہستی کا ذکر ہو جائے، اُس ذات کا تذکرہ ہو جائے کہ حیات طیبہ کا رخ سمجھ میں آجائے۔ اُسی رخ کو سمجھانے کے لیے یہ جملہ دہرا رہا ہوں، ایسی زندگی جس کو مرضی مولا کے علاوہ اس کی فکر نہ ہو کہ اس میں فائدہ کیا ہے اور نقصان کیا ہے، اور ایسے انسان کو کہتے ہیں "عبد صالح" نیک بندہ اور قرآن نے عبد صالح کی تعریف یہ کی ہے...

"وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزُّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ

الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ" (سورہ انبیاء آیت ۱۰۵)



زمانہ بدل گیا تو یہی طے کیا، نہ کونے سے بھاگوں گا، نہ اپنے آپ کو کہیں چھپاؤں گا۔۔۔۔۔ نہ کسی کی پناہ میں جاؤں گا، تلوار ہاتھ میں لیکر اکیلے لڑتے رہے۔

فرزند رسولؐ! اگر بلا میں، اور کونے میں فرق اتنا ہی ہے کہ وہاں بہتر شہید ہیں۔۔۔۔۔ یہاں اکیلا مسلم ہے۔۔۔۔۔ شکر پر شکر۔۔۔۔۔ حملے پر حملے کر رہے ہیں۔۔۔۔۔ زخمی ہوتے جا رہے ہیں۔۔۔۔۔ وہ وقت آیا کہ زخمی ہو کر گرے۔۔۔۔۔ ہماری جانیں قربان۔۔۔۔۔ شیر کے ہاتھوں کو پیچھے باندھ دیا گیا۔ گرفتار ہو کر دارالامارہ میں آئے، کسی کو دیکھ کر کہا پانی چاہیے۔۔۔۔۔ اس نے جام آب حاضر کیا۔ اس نے۔۔۔۔۔ خود نہیں ہاتھ جو بندھے تھے۔۔۔۔۔ جام آب کو لبہائے مبارک سے قریب کیا۔۔۔۔۔ ان کے ہاتھ تو بندھے ہوئے تھے۔۔۔۔۔ چاہا کہ پانی پیئیں، کٹے ہوئے لبوں کا لہو پانی میں گرا۔۔۔۔۔ منہ کو پھیر لیا، کہا، مرتے دم مجھے پانی نہیں ملے گا "لَوْ كَانَ الرِّزْقُ الْمَقْسُومَ شَرِّ بَتَّةً"

مطلب یہ کہ، اُسی کی تائید کر رہے ہیں جس پر جان دے رہے ہیں۔ طے کیا مسلم ابن عقیلؓ نے، ہم جان دیدیں گے اور اکیلے جان دیں گے، مسلم ابن عقیلؓ نے طے کیا، ہم کربلا کی تاریخ لکھیں گے۔۔۔۔۔ ہم عنوان کربلا نہیں لکھیں گے۔۔۔۔۔ یہ واقعہ ۹ ذی الحجہ کا ہے اور میں دوسری محرم کو پڑھ رہا ہوں، فقط اس واسطے کہ طیبین کی زندگی میں ایک یہ بھی زندگی ہے جس کی زیارت پڑھتے ہوئے ہم کو یہ حکم ہے:

السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الْعَبْدُ الصَّالِحُ الْمَطِيعُ لِلَّهِ وَلِرَسُولِهِ  
وَلَا مِنْهُ الْمُؤْمِنِينَ

(”سلام ہو آپ پر اے بندہ صالح جو اللہ کا مطیع اور اس کے رسول اور

امیر المؤمنین کا فرمانبردار تھا۔“)

اور اپنے آپ کو حسینؑ ابن علیؑ کے قدموں پر ڈال دیا۔ حسینؑ نے اٹھا کر سینے سے لگایا اور کہا، جاؤ مسلم، اللہ کے حوالے کیا۔

یہ خیال رہے کہ امیر المؤمنین کی ایک صاحبزادی، جن کا نام رقیہؑ ہے اور یہ ابو الفضل العباسؑ کی بہن ہیں، یہ رقیہؑ زوجہ ہیں حضرت مسلمؑ کی۔

مسلمؑ خیمے میں آتے اور زوجہ سے کہا۔۔۔۔۔ میرے بچوں کے لباس تبدیل کرو۔۔۔۔۔ بچوں کو بیکر آقا کے قریب آئے۔۔۔۔۔ بچوں کو آقا کے صدقے کیا۔۔۔۔۔ اور کہنے لگے۔۔۔۔۔ میرے سردار! اگر میں نہ رہوں تو میری نیابت میرے بچے کریں گے۔

چار بچے تھے مسلمؑ ابن عقیلؓ کے۔ دو بچے تو کربلا میں کام آئے اور دو بچے خیموں میں آگ لگنے کے بعد کربلا سے چلے۔ مضطرب حال، لشکر میں اسیر ہوئے کوفے میں گرفتار ہو گئے۔۔۔۔۔ یہ چار بچوں کی قربانیاں اور شوہر کی قربانی کا حال کوئی بی بی رقیہؑ کے دل سے پوچھے۔۔۔۔۔

مسلمؑ کی تعریف یہ ہے کہ۔۔۔۔۔ نائب آل محمدؐ ہیں۔۔۔۔۔ نائب امامؑ ہیں۔۔۔۔۔ سفیر حسینؑ ہیں۔ یہ آل محمدؐ کا پیغام لیکر کوفے جا رہے ہیں۔ نیابت کر رہے ہیں امامؑ کی۔۔۔۔۔ ان کی طہارت کا کیا کہنا۔۔۔۔۔ ان کی پاکی کا کیا کہنا۔۔۔۔۔ اس حیاتِ طیبہ کو دیکھو۔۔۔۔۔ شہیدوں میں نام انکا بھی ہے۔ یہ کربلا کے پہلے شہید کا نام ہے، مگر وہ نام ہے کہ جس کے فیصلے نے کربلا کی تاریخ لکھی۔۔۔۔۔ یہ مسلمؑ کا فیصلہ تھا جس نے کربلا کی تاریخ لکھی۔۔۔۔۔

شہادتِ مسلمؑ تمہید کربلا۔۔۔۔۔ عنوان کربلا۔۔۔۔۔ آغاز کربلا۔۔۔۔۔

حسینؑ ابن علیؑ نے۔۔۔۔۔ آپ کو مالک و مختار بنا کر بھیجا۔ مسلمؑ فیصلہ تم کرو۔۔۔۔۔ اللہ سے فیصلہ کرنے والا۔۔۔۔۔ عقیلؓ کا بیٹا، خارجِ خیبر کا بھتیجا۔۔۔۔۔ جب



وہ جان رہا ہے، اگر ایک قدم بھی غلط پڑ گیا تو اس کا کر بلا پر اثر ہوگا۔ خدا کی قسم، عقیل کے بیٹے نے کر بلا کی لاج رکھ لی۔ . . . . مسلمان نے پہلے دن یہ بتا دیا کہ یہ گھرانہ کسی کی اطاعت میں نہیں آسکتا۔ . . . . اور پہنچے۔ . . . . ہماری جانیں قربان۔ . . . . قاتل نے تلوار کو بلند کیا۔ مسلمان نے کہا: دو رکعت نماز پڑھ لوں۔ جواب ملا: نہیں اجازت نہیں ہے۔ اور قاتل نے چاہا کہ تلوار کا وار کرے، ہاتھ سے چھوٹ کر تلوار گری، کانپتا ہوا اٹھ اٹھا ابن زیاد کے پاس آیا۔ ابن زیاد نے اُس سے پوچھا: کیا ہوا؟ وہ کہنے لگا: ایک بزرگ مسلمان کے پہلو میں کھڑے کہتے ہیں۔ ”میرے بچے نے کیا خطا کی؟“ کیوں قتل کرتا ہے؟ ابن زیاد نے کہا: یہ واسمہ ہے۔ جا جو کہا جا رہا ہے اُس پر عمل کر۔“ مقتل میں تفصیل موجود ہے۔ اتنی دیر میں کہ وہ واپس آئے حضرت مسلم ٹہلنے ٹہلنے بام کے گوشے پر پہنچے، ذی الحجہ کی تاریخ تھی، مسلمان عید منارہے تھے تماشے کیلئے تمام مسلمان دارالامارہ کے نیچے کھڑے ہوئے تھے۔ چاہنے والے باپ اپنے بچوں کو کاندھے پر بٹھاتے کھڑے تھے تماشہ دیکھنے کیلئے کہ اب یہاں ایک مومن کا خون بہگا حضرت مسلم نے پکار کے کہا: اے اہل کوفہ! تم نے خوب وفا کی۔ خیر جو ہوا۔ ہوا لیکن سنو! کچھ دنوں کے بعد میرے دو بچے یہاں آئیں گے اُن سے یہ نہ کہنا کہ یہاں تمہارا باپ قتل کیا گیا تھا۔ مسلمان حیات طیبہ کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ قاتل حضرت مسلم کے قریب آگیا، اُس نے تلوار کو بلند کیا۔۔۔ مسلمان نے خانہ کعبہ کا رخ کیا۔ آواز دی۔ اَسْلَامُ عَلَیْکَ یَا بُنْیَیْنَ رَسُوْلَ اللہِ سلام ہو آپ پر اے فرزند رسول اللہ! منزل سوقِ حِمْیَرِ ابنِ علیٰ گری پر تشریف فرما تھے۔ علیٰ کی بیٹی پر دے کے پیچھے سے بھائی سے کچھ باتیں کر رہی تھی۔ ایک مرتبہ حسینؑ تعظیم کو کھڑے ہو گئے اور آواز دی۔ عَلَیْکَ السَّلَام۔ زینبؑ نے پوچھا: بھائی کس کو سلام کیا؟ حسینؑ نے کہا: زینبؑ! تلوار کے نیچے مسلم کھڑے ہیں۔ (اَلْاَلَعْنَةُ اللّٰهُ عَلٰی لِقَوْمِ الظَّالِمِیْنَ)

”اَشْهَدُ اَنْتَ قَدْ مَضِیْتَ عَلٰی مَا مَضٰی عَلَیْہِ  
النَّبِیُّوْنَ الْمُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ“  
میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اسی راستے پر چلے (اور شہادت کے  
مرتبے پر فائز ہوئے) جس راستے پر کہ بدر کے مجاہدوں نے  
”اپنی جان قربان کی۔“ جو اللہ کی راہ ہے۔

یہ ہے مقام اس شہید کا، اتفاق سے حضرت مسلمؑ اور حضرت عباسؑ دونوں کی زیارت ایک ہے ”مفاتیح الجنان“ میں دیکھیے۔  
مسلم زخمی ہوئے، حاکم کے سامنے لایا گیا۔۔۔ لوگوں نے کہا: امیر کو سلام  
کرو۔ فرمایا: میرا حسینؑ کے سوا کوئی امیر نہیں ہے۔  
”وَاللّٰهُ مَا لِیْ اَمِیْرٌ سِوٰی الْحُسَیْنِ“

جو ہدایتوں کی پیروی کرے اس پر میرا سلام۔۔۔ ابن زیاد نے کہا: تم سلام  
کرو یا نہ کرو تم کو قتل کیا جائے گا۔۔۔ مسلمان نے کہا: قتل ہونے کو تیار ہوں  
لیکن کوئی ہے جو میری وصیت سن لے۔؟ دیکھا عمر سعد بھی وہیں بیٹھا تھا  
..... کہا: ایک بات میری سن لے: ”اَنْ تَكْتُبَ اِلَی الْحُسَیْنِ اَنْ یَّرْجِعُ  
وَلَا یَأْتِیْ اِلَی الْکُوفَةِ“

یعنی: میرے آقا کو جلدی سے اطلاع دیدے کہ مولا! اب کونے نہ آنا۔۔۔  
چھوٹے چھوٹے بچے ساتھ ہیں یہاں نہ آنا۔۔۔ ابن زیاد نے آواز دی کہ ”ہے  
کوئی جو مسلم کو قتل کرے؟“ بکر بن حران صبح کو مسلم کے ہاتھوں قتل ہوا تھا  
اُس کا بیٹا باپ کا انتقام لینے آگے بڑھا۔ مسلم کو لیکر بام پر چلا۔ بیڑھیاں چڑھتے ہوئے  
مسلم بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَ عَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ کہتے جاتے تھے بھائی پاس، نہ ہیں نہ بچے نہ اہل خانہ، اکیلے  
قدم بڑھا رہے ہیں۔ نہ نفع کی پروا، نہ نقصان کی فکر جو مرضی مولا پر جا رہا ہے



## تیسری مجلس حیاتِ طیبہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
”مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ  
فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ  
بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ“ (النحل آیت ۱۹)  
(مرد ہو یا عورت میں سے، جو شخص نیک کام کرے گا اور وہ ایماندار  
بھی ہو تو ہم اُسے (دنیا میں بھی) پاک و پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے  
اور (آخرت میں بھی) جو کچھ وہ کرتے تھے اس کا اچھے سے اچھا  
اجر و ثواب عطا کریں گے۔)

۶

”حیاتِ طیبہ“ کے عنوان پر آپ تیسری تقریر سماعت فرما رہے ہیں۔  
ان تقریروں میں کاوش اور کوشش یہی ہے کہ ایک پیغام آپ کے دل و دماغ  
تک پہنچے اور آپ اس پیغام کو مناسب طرح سے، مناسب طریقے سے استعمال  
کریں۔ یہ ایک حقیقت ہے، سردی کے شدید موسم میں آپ ان مجالس میں شریک  
ہو رہے ہیں اور یہ کہ جب سُننے والے تمام توجہات کے ساتھ ہم کو سُن رہے ہیں تو ان کو  
کوئی ایسا اہم، ضروری اور مناسب پیغام دیا جائے جو ان کے لیے ان کے گھر والوں کے  
لیے اور ان کی آنے والی نسلوں کے لیے ایک قیمتی سرمایہ ہو۔

## مجلس سوم

۳ محرم ۱۳۹۲ ہجری مطابق ۱۹ مئی ۱۹۷۲ء

- ۱۔ حیات کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں۔
- ۲۔ موت طیبہ زندگی کو چھینتی نہیں۔
- ۳۔ حفاظتِ ذات یعنی تقویٰ۔
- ۴۔ کوئی موت سے دور بھاگتا ہے، کوئی موت کو گلے لگاتا ہے۔
- ۵۔ حیات بے عصیت محال ہے۔ تخم بھی مٹی کی اکثریت میں اپنی  
حفاظت کرتا ہے۔
- ۶۔ جذب کی جگہ جذب دفع کی جگہ دفع ہے۔
- ۷۔ عقائد کی حفاظت، امانت کو محفوظ کرنے کے مترادف ہے۔
- ۸۔ تذکرہ حضرت حبیب ابنِ مظاہرؒ۔



- رحیل دیگر بہ میرم از بشر  
اب ایک اور منزل آنے والی ہے، جب بشریت کو موت آنے  
والی ہے، اس کا انجام کیا ہوگا۔
- تا برارم از ملائک بال و پر  
تاکہ میں فرشتوں سے بال و پر مانگ لوں۔ یہ بشریت کی موت ہے  
ہے تاکہ ملکوتیت میں داخل ہو جاؤں۔
- اس کے بعد (مولانا روم) کہتے ہیں:
- از ملک ہم بایدم جز تن ز تو  
"کُلُّ شَيْءٍ هَلِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ" (قصص آیت ۸۸)
- ہر شے کو ہلاکت میں جانا ہے۔ اس لیے ملکوتیت کی منزل سے  
بھی آگے بڑھنا ہے۔

- از ملک بایدم پیراں شوم  
مجھے وہاں (ملکوتیت) سے بھی اڑنا ہے۔ وہاں سے بھی آگے بڑھنا  
ہے۔
- اُنچہ اندروہم ناد آں شوم  
جو وہم میں نہ آئے میں وہ بن جاؤں گا۔۔۔ کیا ہوگا۔۔۔
- پس عدم گروم عدم چوں ارغون  
گویدم اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَيْہِ رَاجِعُونَ
- پس عدم ہی عدم ہے اور میری زبان سے یہی نکلتا رہے گا کہ میں  
اُسی کے لیے ہوں اور اُسی طرف رجعت کر رہا ہوں۔
- تو ہر موت "اِنَّا لِلّٰہِ" ہے اور ہر حیات "اِنَّا اِلَيْہِ رَاجِعُونَ"
- ہے کہ اُسی کی بارگاہ میں رجعت ہو رہی ہے۔

حیات سے بڑھ کر کوئی شے دنیا میں نہیں کہ جس کا تعارف اس آسانی سے کیا  
جا سکے۔ حیات ہی حیات ہے۔۔۔۔۔ ذرے سے آفتاب تک۔۔۔۔۔  
ثریٰ سے ثریا تک۔ زمین سے فلک تک حیات کے مختلف مظاہر ہیں کہ جہاں  
کبھی نگاہ پہنچتی ہے، کبھی حواس ظاہری جاتے ہیں، کبھی حواس باطنی سے وہ  
حیات قریب ہوتی ہے۔

بہر صورت، حیات کی مختلف شکلیں ہیں جن سے ہم دوچار ہیں۔ لیکن یہ  
بھی حقیقت ہے کہ منزلوں کے تغیر اور تبدل سے ایک حالت سے دوسری حالت  
میں پہنچنے کے بعد ممکن ہے حیات کی شکل بدل جائے، ممکن ہے کہ حیات کی صورت  
بدل جائے۔ آپ کو یاد ہوگا، مولانا روم نے اس حیات کے تغیر و تبدل پر بڑی  
تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ مولانا کا یہ خیال ہے کہ جمادات کے تغیرات کچھ ایسے تھے  
کہ پھر ہم نے اُس میں نمو کو پایا، پھر نباتات میں ایسے تغیرات تھے کہ اس میں ہم نے  
حیوانیت کو پایا، حیوانیت کے تغیرات کچھ ایسے تھے کہ انسان رونما ہوا۔ انسان کے  
لیے بھی بہت سی منزلیں ہیں اس کی صراحت مولانا روم نے کی:

- از جمادی مُردم و نامی شدم  
جمادات سے حرکت کرتے ہوئے نباتات کی منزل پر آیا۔
- از نما مُردم ز حیواں سرزوم  
نباتات سے نکلا حیوانیت میں آیا۔۔۔۔۔
- مُردم از حیوانی و آدم شدم  
میری حیوانیت جب مر گئی، میں آدم ہوا۔
- پس چہ ترسم کے مُردن کم شوم  
اب کیا ڈروں موت کی کیا کرتی ہے۔ موت سے کس چیز کی کمی ہو جاتی ہے۔  
موت سے تو ترقی ہی ترقی ہے۔



زندگی کو آپ سے چھپتی نہیں ہے، آپ کسی بھی حال میں ہوں اپنی طبیعت زندگی کی حفاظت کریں۔ اس مقام پر حفاظت کے لیے عربی کا ایک لفظ ہے ”صیانت“ یعنی صیانتِ ذات، حفاظتِ ذات، اپنے آپ کو محفوظ رکھنا، ہر انسان کی کوشش ہے میں محفوظ رہوں، نسبتیں بدل جاتی ہیں تو اور بات ہے۔ کوئی تلوار کو دیکھ کر بھاگے اور یہ سمجھے کہ میں محفوظ رہوں تو وہ اُس کی نسبت سے حفاظت ہے، اور کوئی تلوار دیکھ کر دشمن پر پل پڑے تو اُس کے نزدیک وہ حفاظت ہے۔۔۔۔۔ (صلوات)

حفاظت نسبتیں ہیں۔۔۔۔۔ حفاظت کی اضافتیں ہیں جس کو چاہے حفاظت سمجھے، مگر چاہتا ہے جان بچ جائے، کوئی تلوار کی زد پر آنے کو حفاظت سمجھتا ہے، کوئی تلوار سے بچ کر نکلنے کو حفاظت سمجھتا ہے، کوئی آتے ہوئے تیر کو دیکھ کر سینہ سپر ہو جانے کو حفاظت جانتا ہے اور کوئی تیر سے بچنے کو حفاظت میں محسوس کرتا ہے۔

تصورِ حفاظت مختلف ہے لیکن حفاظت ہر ایک کے لیے لازم ہے، اب اس لزوم کو کیا کہتے ہیں۔۔۔۔۔ نفسیات میں کہتے ہیں ”جبلت“۔۔۔ یعنی یہ انسان کے لیے ایک فطری کیفیت ہے۔ یہاں صیانتِ ذات اور جبلت سے انسان مجبور ہے اسی کو انگریزی میں (Instinct) یعنی جبلت کہتے ہیں۔ اس کی ابتدائی صورتیں پرندوں میں پائی جاتی ہیں، جانوروں میں پائی جاتی ہیں، چھوٹے چھوٹے کیڑوں میں پائی جاتی ہیں، بڑے بڑے حیوانوں میں پائی جاتی ہیں۔ اپنی حفاظت کی جبلت، اپنے آپ کو محفوظ رکھو۔ یہ صیانتِ ذات ہے، اپنے آپ کو بچاؤ، اپنے آپ کی حفاظت کرو یہ جبلتِ صیانتِ ذات ہے۔

اور حیاتِ طیبہ کے لیے، اگر صیانتِ ذات کا تصور قائم ہو تو اُس کے لیے قرآن میں اصطلاح ہے ”تقویٰ“ — اور ایسے متقین کے لیے قرآن ہے، قرآن ہر کس و نا کس کے لیے نہیں ہے۔

آپ جہاں جہاں حیات کو دیکھ رہے ہیں فقط یہی نہیں کہ آپ سانس لینے کو حیات کہیں، یہ ضروری نہیں ہے کہ صرف تنفس کو حیات کہیں، صرف نبضوں کے چلنے کو اور خون کی روانی کو حیات کہا جائے، بلکہ حیات مختلف صورتوں میں اور کیفیوں میں ہے۔ ایک ذرے میں ایکٹرون اور پروٹون کی حرکتیں بھی حیات ہیں۔ ایک ایک سالمے میں ذرے میں حیات ہے اور اسی طرح سے کائنات کے ایک ایک جُز میں حیات کے مختلف پہلو ہیں۔ اور حیات کا ہر پہلو:

”إِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ“

(سورۃ اسراء آیت ۴۴)

”کوئی شے ایسی نہیں جو اللہ کی تسبیح نہ کر رہی ہو۔“ اور زبانِ حال سے اُس کی تقدیس بجا نہ لاری ہو لیکن تم اُن کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔“ ذرہ ذرہ اُس کی تسبیح میں مصروف ہے۔ دنیا کی کوئی شے ایسی نہیں ہے جس کے لیے ایک زبان ملے کوئی نہ ہو اور وہ تسبیح میں مصروف نہ ہو۔ اگر ہماری نظر نہ پہنچے تو یہ ہماری محسوس ہے۔ مگر وہ شے برابر تسبیح و تقدیس و تحمید و تہلیل الہی میں مصروف ہے۔ حیات ہی حیات ہے لیکن ایک عجیب بات ہے، ایک عجیب حقیقت ہے کہ ہر شے اپنی حیات کو محفوظ کرنا چاہتی ہے۔ ایک کشمکش ہے کہ میں رہوں، وہ ذرہ آفتاب کی شعاعوں میں گردش کرتا رہے، مگر وہ اپنے وجود کو مونا نا چاہتا ہے کہ میں ہوں۔ کائنات کی ایک ایک شے اپنی بقا کی طالب ہے۔ ”میں رہوں“

ظاہر ہے اگر آپ کو زندگی دی گئی ہے اور آپ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ زندگی صالح زندگی ہے۔ اگر یہ طیب زندگی ہے تو کیا آپ کا فریضہ نہیں ہے کہ آپ زندگی کی حفاظت کا خیال کریں۔ دیکھیے آپ اپنے آپ کو موت سے بچا نہیں سکتے، مگر موت آپ کی صلیح

لَهُ مَا مِنْ شَيْءٍ إِلَّا لَهُ لِسَانٌ مِّلْكُوتِيٌّ نَاطِقٌ بِسَبِيحَتِهِ“



تم بھی جیو مگر میں بھی جیتوں گا۔ میں کمزور سہی، ناتوان سہی، عقلیت میں سہی، اس کے باوجود میں اپنے وجود کو باقی رکھوں گا۔ . . . . میری غذا محض مل رہی ہے، کچھ دنوں کے بعد ایک کونپل نے سر نکالا — پھر جڑیں مضبوط ہوئیں، پھر تنا — پھر شاخیں — پھر پتے — اور پھر پھول — اور آخر میں ثمر — پھل ایک درخت کا وجود ہوا — فقط اس لیے کہ تخم نے اپنی زندگی کی حفاظت کی۔ اپنے آپ کو محفوظ رکھا — اگر زمین میں دانے فنا ہو جاتیں — تو آپ سب بھوکوں مر جاتیں — آپ کی زندگی کا دار و مدار اسی پر ہے — کہ ہر ایک تخم متعصب ہے۔ . . . . اپنے وجود کو منوار رہا ہے — اپنی ذات کو منوار رہا ہے گویا حیات بے عصیت محال ہے۔ حیات کو عصیت کے ساتھ رہنا ہے۔ اور عصیت یہ ہے کہ میں ہوں۔ انکساری غلط ہے کہ جی میں کچھ نہیں... تو نتیجہ کیا... جو خود کہہ رہا ہے کہ میں کچھ نہیں وہ رواداری کیا برتے گا۔ دیکھیے! رواداری کے برتنے کے لیے تم بھی تو رہو — تم بھی تو زندہ رہو تاکہ رواداری رہے — رواداری کے معنی یہ ہیں کہ آپ بھی ہیں — کوئی اور بھی ہے، بالکل اسی طرح حیات کے لیے عصیت لازم ہے۔ اس پر بڑے بڑے فلسفیوں نے فک کر کے ہے۔

عصیت کے معنی یہ نہیں ہیں کہ دوسروں کا جینا تنگ کر دیا جائے۔ عصیت کے معنی یہ نہیں ہیں کہ دوسروں کے حقوق چھین لیے جائیں — عصیت کے معنی یہ نہیں ہیں کہ دوسروں کی آزادی کو سلب کیا جائے، بلکہ عصیت کے معنی یہ ہیں کہ اپنے وجود کو کوئی منوائے کہ، "جیو اور جینے دو" — "رہو اور رہنے دو"

اس موقع پر اگر یہ سمجھ رہے ہو کہ یہ حیاتِ طیبہ ہے تو حفاظت اور زیادہ اہم ہے۔ نعمت جانو اس مل بیٹھے کو — یہ غنیمت ہے کہ وقت اس طرح سے گزر رہا ہے — آپ اپنی صیانتِ ذات کا اہتمام کر رہے ہیں — حفاظتِ ذات

قرآن کی ابتداء ہی میں ارشاد ہوتا ہے:

”الَّذِينَ ذَلِكِ الْكِتَابُ لَارِيبَ فِيهِ هُدًى  
لِّلْمُتَّقِينَ“ (سورۃ البقرۃ آیت ۱)

قرآن ہدایت کرتا ہے متقین کی، متقین، یعنی صاحبِ تقویٰ.....

نعت میں تقویٰ کا استعمال یہی ہے۔ تقویٰ کے معنی نعت میں ہیں اپنی حفاظت

”مَنْ يَفْشَفْ نَفْسَهُ“ جو اپنے نفس کو بچالے جائے، ہوا و ہوس سے بچالے جائے، وہی کامیاب و کامران ہوتا ہے۔ اس منزل تک آپ پہنچے کہ اگر حیاتِ طیبہ کی حفاظت ہو تو وہ تقویٰ ہے۔ اگر انسان حفاظتِ ذات نہ کرے تو غلط سہاروں میں الجھ کر غلط محبتوں میں مبتلا ہو کر انسان اپنی خودی کو کھودیتا ہے۔ اپنی ذات کی حفاظت نہیں کر سکتا وہ سمجھتا ہے کہ میں اپنے آپ کو محفوظ کر رہا ہوں۔ نہیں، اُس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا۔ ایسی صورت میں ضروری ہو جاتا ہے کہ انسان جائزہ لے..... کس طرح سے اس حیات کو بچانا چاہیے۔

ایک لفظ ہے "عصیت" نفسیات میں اور فلسفے میں اس لفظ کے معنی کچھ اور ہیں، اسی سے ہے "تعصب" دنیا کہتی ہے بڑی بڑی چیز ہے تعصب صحیح ہے کہ تعصب بُرا ہے۔ لیکن عصیت ان معنوں میں ہو کہ آپ بھی جس میں بھی جیسوں — آپ کو مجھ سے نقصان نہ پہنچے، مجھ کو آپ سے نقصان نہ پہنچے — اور اس طرح زندہ رہیں تو اس کو کہتے ہیں "عصیتِ ذات" یعنی صیانتِ ذات — اس کی مثال یہ ہے کہ آپ نے اپنے گھر کے صحن میں ایک گڑھا کھود کر ایک تخم بیج رکھ دینے کی کوشش کی، اُس پر آپ نے مٹی بھی ڈال دی پانی بھی ڈال دیا، لیکن تعصبِ ذات کی وجہ سے اُس تخم نے اپنی خودی کو باقی رکھا — اس بیج نے اپنے آپ کو فنا نہیں کیا، مٹی کی اکثریت میں — تخم نے کہا:



مکان میں آجائے تو محفوظ ہے۔ ظاہر ہے مکان کی چھت انسان کی زندگی کے لیے ضروری ہے۔ گرمی سے اُس کو چھت بچاتی ہے، آفتاب سے اور سردی سے بچاتی ہے۔ ظاہر یہ ظاہر کوئی ایسی صورت ہو کہ بچایا۔ لیکن آیت یہ کہہ رہی ہے ”ہم نے اِن کو جس سے دور بٹایا، بچایا، مگر رسولؐ نے عمل کر کے بتایا کہ ایک چادر میں چھپایا، دیکھو بظاہر یہ ردا ہے لیکن قیامت تک کے لیے یہ طہارت کا قلعہ ہے۔۔۔۔۔“ صلوات۔۔۔۔۔ بغیر چادر کے بھی گفتگو ہو سکتی تھی۔۔۔۔۔ چادر کی کیا ضرورت تھی۔۔۔۔۔ ساتھ لیکر بیٹھ جاتے اور کہتے پروردگار! یہ وہ ہیں جن کو میں چاہتا ہوں کہ جس سے دور رہے اِن سے جس کو اِن سے دور رکھا۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔ بلکہ چادر کو اوڑھ لے پہلے نبیؐ معصوم نے۔۔۔۔۔ معصوم کا عمل حکمت سے خالی نہیں ہے۔۔۔۔۔

یعنی عبا میں کون ہے، ردا میں کون ہے۔۔۔۔۔ یہ ظاہر ہیں۔۔۔۔۔ چادر اوڑھنے والے۔۔۔۔۔ اِن کی حیاتِ طیبہ کو دیکھو۔۔۔۔۔ اور اگر تمہاری زندگی اِس حیاتِ طیبہ سے متصل ہو رہی ہو تو اُس زندگی کی حفاظت کرو۔! صیانتِ ذات تم پر لازم ہے۔۔۔۔۔ اور اگر صیانتِ ذات چاہتے ہو تو ایک عادت کو اپنے لیے ضابطہ حیات بناؤ۔۔۔۔۔ اور وہ عادت یہ ہے کہ جن چیزوں سے تم کو روکا گیا ہے وہاں تمہاری زبان سے بس یہی نکلے۔۔۔۔۔

”نہیں،۔۔۔۔۔ نہیں“۔۔۔۔۔ ”نہیں“ ہم یہ نہیں پہنتے۔۔۔۔۔ وہاں ہم نہیں جاتے۔۔۔۔۔ اُس صحبت کو ہم پسند نہیں کرتے۔ اُس طبیعت کو ہم مناسب نہیں جانتے۔۔۔۔۔ جب تک۔۔۔۔۔ نہیں، نہیں، نہیں کہتے رہو جیو گے اور جہاں، ہاں، ہاں، ہاں کہہ کر جذب ہوتے جاؤ گے۔۔۔۔۔ وہ تمہارا ساتھ زمین کے سینے میں پرورش پانے والا۔۔۔۔۔ اپنی ساری عمر نہیں، نہیں

کا اہتمام کر رہے ہیں۔۔۔۔۔ فرق تصورات ہی میں ہے۔ کوئی کسی اور طریقے کو حفاظت جانے اور کوئی کسی اور صورت کو حفاظت جانے، بھاگ کھڑے ہونا بھی حفاظت ہے۔۔۔۔۔ اور تلوار کے نیچے سر رکھ دینا بھی حفاظت ہے۔ لیکن نتیجہ کیا ہوا، تلوار کے نیچے سر رکھ دینے والا زیادہ محفوظ ہو گیا۔ اُس نے زمان و مکان کی قید کو توڑ کر اپنے آپ کو جاودانی بنالیا اور اب وہ محفوظ ہی محفوظ ہے۔ فقط یہی نہیں کہ وہ تیر و تلوار و خنجر و پیکان سے محفوظ ہے، بلکہ دنیا کے ہر انسان کی بُری نظر سے محفوظ ہے۔ نہیں۔۔۔۔۔ بلکہ وہ ہر انسان کی بُری فکر سے محفوظ ہے۔۔۔۔۔ وہ اتنا بلند ہے کہ۔۔۔۔۔ اللہ نے چاہا کہ ”اے اہل بیت! تم کو دور لے جاتے ہر برائی سے اور تم کو پاک رکھے جو حق پاک رکھنے کا ہے۔“ صلوات

”اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا“ (الاحزاب ۳۳)

یعنی: اللہ کا ارادہ ہے کہ اے اہل بیت! جس کو تم سے دور رکھے اور تم ایسا پاک و پاکیزہ رکھے جیسا کہ حق ہے پاکیزگی کا۔

یعنی جس کو تم سے دور رکھے۔۔۔۔۔ نجاست سے نہیں، جس سے۔۔۔۔۔ ہماری ہر غلط بیانی، ہماری ہر غلطی سے وہ نفوسِ قدسیہ پاک منزہ اور بلند و بالا ہیں۔۔۔۔۔ وہ اتنے محفوظ ہو گئے۔۔۔۔۔ کہ وہاں تک اب کسی فکر کی مجال نہیں، وہ اپنی نجاست اور کسی بھی غلطی کو وہاں تک پہنچا سکے۔۔۔۔۔ ہر ایک مفکر کی فکر جس کی مجال نہیں کہ وہاں تک پہنچ سکے۔ یہ گہرا بند ہے۔ اس لیے کہ اُنھوں نے اپنی حفاظت کا خیال رکھا۔ حفاظت کو دنیا یہ سمجھتی ہے کہ کوئی کسی قلعے میں آجائے تو محفوظ ہے۔ موسم خراب ہو رہا ہے کوئی



جس سے یہ نزدیک ہو — جس سے یہ قربت ہو کہ محل سرائے دل میں کوئی ہے، جس کی موت کو واجب کیا ہے، جس کی حجت کو واجب کیا ہے۔۔۔۔۔ یہاں قدم قدم پر دیکھتے چلو، انسان کو کس طرح اپنے آپ کو محفوظ رکھنا چاہیے۔ بات یہ ہے کہ دنیا کسی کو راستے سے اگر ہٹانا چاہتی ہے تو وجہ یہ ہے کہ طاقت کا توازن باقی رہے۔ یہ عجیب فکر ہے اور عظیم مسئلہ ہے۔ یہ وقت کا اہم مسئلہ ہے دنیا طاقت کا توازن چاہتی ہے۔ اور ایسے موقعوں پر طاقت و قوت کی تعریف الگ الگ ہے۔۔۔۔۔ کہیں شمشیر و سنان و خنجر طاقت ہے اور کہیں کسی سے تعلق خاطر کسی سے لگاؤ۔۔۔۔۔ کسی کی محبت، کسی کا نام، کسی کے نام کا ورد کسی کا مسلسل ذہن میں رہنا، کسی کے نام کا بار بار زبان پر آنا — یہ بھی ایک طاقت ہے۔ اور دنیا کبھی اُس طاقت سے ہٹاتی ہے اور کبھی اس طاقت سے ہٹاتی ہے۔ ایسے موقع پر آپ کی قوت، آپ کی طاقت، آپ کا ایمان ہے، آپ کی محبت ہے۔ اور اسی ایمان و محبت کے معیار پر حیاتِ طیبہ کو تولا جاتا ہے، اور دیکھا جاتا ہے کہ کہاں تک آپ اس کی حفاظت کر رہے ہیں۔ بظاہر اسی موقع پر اسی منزل پر انسان کچھ گنوا کر پاتا ہے، ٹھوکریں کھا کر، نقصان اٹھا کر کچھ حاصل کرتا ہے ابھی وقت ہے کہ ہم حیانتِ ذات کی فکر کریں۔ اور جانتیں معلوم کریں کہ ہماری ذمے داریاں کیا ہیں کہ کس طرح ہم اپنی حفاظت کر سکتے ہیں۔ اب آپ کو دھوکا نہ ہو کہ غم کی حفاظت ہم کر رہے ہیں۔ نہیں۔۔۔ کسی کا غم ہماری حفاظت کر رہا ہے، کسی کی محبت کی ہم حفاظت نہیں کر رہے ہیں، بلکہ وہ محبت ہماری حفاظت کر رہی ہے۔ ان نعروں میں کسی کے نام کی حفاظت ہم نہیں کر رہے ہیں، نہیں وہ نام ہماری حفاظت کر رہا ہے۔

”نعرہ خیدری“

میں بسر کرتا ہے۔ زمین کو اجازت نہیں دیتا ہے کہ وہ تصرف کرے، نہیں، نہیں، نہیں، یہ حیات ہے۔ یعنی جذب کی جگہ جذب۔۔۔۔۔ دفع کی جگہ دفع۔۔۔۔۔ حیات، جذب و دفع کا قانون ہے۔

انسان کے سامنے اگر غذا آئے، اگر وہ بھوکا ہو تو کھائے یعنی جذب کرے اور اگر سر پر پتھر آئے تو بے اختیار ہاتھ کو اٹھائے اور اپنے آپ کو بچائے۔۔۔ گویا کسی کو جذب کرنا ہے اور کسی کو دفع کرنا ہے۔۔۔۔۔ مگر جس کو دفع کرنا ہے اور اُس کو جذب کرو گے۔ جس کو جذب کرنا ہے اور اس کو دفع کرو گے، تو نہ جی سکو گے۔ قانونِ جذب و دفع حیاتِ طیبہ کے لیے لازم ہے جذب کرو جن کو جذب کرنا ہے۔ دفع کرو جن کو دفع کرنا ہے۔ یہ ہے عصبیت اور اگر جن کو جذب کرنا ہے دفع کرنے کی کوشش کی یا جن کو دفع کرنا ہے جذب کرنے کی کوشش عصبیت نہیں ہے۔ عصبیت کو باقی رکھنا ضروری ہے، جہاں عصبیت نہیں، وہاں حفاظتِ ذات نامکن ہو جائے گی۔ پھر آپ کو یہ کہنے کا حق نہیں پہنچتا کہ زمانے نے ہم کو تباہ کر دیا۔ جینا ہے تو قوت سے جینا ہے، جینا ہے تو طاقت سے جینا ہے، کمزور کا جینا، جینا نہیں۔ ہم جینی ہیں۔ جینا، تو طاقتور کی زندگی، قوی زندگی، با عصبیت انسان کی زندگی، حیانتِ ذات پر فکر کرنے والے کی زندگی۔۔۔ نہیں۔۔۔ جذب کی جگہ جذب اور دفع کی جگہ دفع کرنے والے کی زندگی — اور ایسی زندگی جہاں دل کہے۔۔۔۔۔

باز آسا حل پر غوطے کھانے والے باز آ  
دوب مرنے کا مزا اور پکے سا حل میں ہے  
کس کے دم کی روشنی زندانِ آبِ گل میں ہے  
کو نسا خلوت نشیں محل سرائے دل میں ہے

(یگانہ)



کر لے کہ یہ چشمِ توجہ رہے، چشمِ توجہ کے لیے میں نے یہ شعر پڑھا تھا، ایسی صورتیں  
آپ کی صیانتِ ذات کا تقاضہ یہ ہے کہ چشمِ توجہ کی دو صورتیں ہیں —  
"یا فرار یا قرار" — یا فرار یا قرار۔ فرار بظاہر  
حفاظت ہے — مگر بباطن قیامت تک قرار حفاظت ہے۔ قدم نہ  
ڈکیں..... پاؤں میں لغزش نہ ہو..... اور جب چشمِ توجہ اور قاتل ہوتی  
جاتی ہے ہم اپنے آپ کو مبارک باد دیں کہ ہم اس قابل ہو گئے..... کہ چشمِ توجہ  
ادھر سو۔ یہی وہ منزل ہے کہ ابنِ عباس نے کہا: نہ جائیں مولا!.....  
ابنِ عباس جان نہ سکے کہ حیاتِ طیبہ رکھنے والا وہ سردار — جو جان رہا تھا  
کہ موت کے منہ میں جانا، تلواروں کے سامنے آنا..... بشکروں کا مقابلہ کرنا  
..... انتہائی بھیانک اور خوفناک حالات کو سازگار بنانا، یہی مردانِ خدا  
کا کام ہے..... کہا: ابنِ عباس! میرے نانا کہتے تھے:  
"إِنَّ اللَّهَ شَاءَ أَنْ يُرْسِي قَتِيلَ"  
بیشک "اللہ نے چاہا کہ تجھ کو (اپنی راہ میں) قتل دیکھے"  
ابنِ عباس نے کہا: آپ جائیں تو جائیں بچوں کو کیوں لے جائیں.....  
بہنوں کو کیوں لے جائیں۔ ۹

کہا: ابنِ عباس! "إِنَّ اللَّهَ شَاءَ أَنْ يُرْسِي سَبَايَا"  
"اللہ نے چاہا کہ یہ در بہ در ہوں۔"

اس عزم کے ساتھ حسین چلے..... یہ کہتے ہوئے چلے کہ میں قتل ہو جاؤں گا  
..... اور یہ در بہ در ہوں گے..... نہ ہویں ملک گیری ہے اور نہ فتوحات  
کی خواہش ہے مسلم کو رخصت کیا، دوسری محرم کو زمینِ کربلا پر سواری رُکی  
اور قافلہ اُترا، چوتھی سے لشکر پہ لشکر آنے لگے، اور بے اختیار، جیسے جیسے

بہر حال ہم زمانے کے انقلابات دیکھ رہے ہیں، حالات پر بھی نطسے ہم  
آپ کو بڑی توقعات سے دیکھ رہے ہیں، یہ بھی علم ہے کہ دنیا کس فکر میں ہے۔ ظاہر  
ہے وہ فکر جو دوسروں کی صیانتِ ذات کو متاثر کرے، وہ فکر جو دوسروں کے  
حفاظتِ ذات پر حملہ کرے، وہ فکر کامیاب نہیں ہوتی، یگانہ نے عجیب شعر  
کہے ہیں:  
انکھی معرفت اندھوں کو حاصل ہوتی جاتی ہے  
حقیقت تھی جو کل تک آج باطل ہوتی جاتی ہے  
میرے دل میں لگا کر آگ، آنکھیں سیننے والے  
تیری چشمِ توجہ اور قاتل ہوتی جاتی ہے

اس طرح سے کوئی اپنی آنکھوں کو سینکنا چاہتا ہے، کسی کے دل میں آگ  
لگا کر، تو یہ چشمِ توجہ یقیناً قاتل ہے۔ مگر ظاہر ہے شاعر ان دو مصرعوں میں ساری  
باتیں کہاں بیان کر سکتا تھا مجھے یہ شعر پڑھ کر کہنا ہے کہ جس چشمِ طلب سے اس طرح  
دیکھنے کی کوشش کی اور دل میں آگ لگا کر آنکھیں سیننے کی کوشش کی۔ مجھے کہنے  
دیکھے کہ اُس نے اپنے آپ کو حقِ حیات سے محروم کر لیا۔ یہ قرآن کی آیت ہے:  
"وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَوةٌ يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ  
تَتَّقُونَ" (سورة البقرة آیت ۱۷۹)

"اے صاحبانِ عقل! قصاص میں تمہارے لیے حیات ہے  
تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔"

قصاص میں حیات ہے۔ یہ قرآن ہے..... ہم جانتے ہیں سازگار  
نہیں ہے زمانہ، ایسے موقع پر اگر آپ نے اپنے عقائد کی حفاظت نہیں کی، اور  
امانت کو محفوظ نہیں کیا، اور اگر آپ نے اپنے پیغام کو اپنی آنے والی نسل تک  
بڑھایا..... تو یہ چشمِ توجہ یقیناً قاتل ہو جائے گی..... اور اگر کوئی طے



یہ ہزاروں کے لشکر آتے، گھبرا گھبرا کر شہزادیاں پوچھتی تھیں، کیا کوئی  
ہمارا مددگار آیا ہے، کیا کوئی ہمارا ناصر آیا ہے؟ لیکن یہی جواب ملتا: یہ سب  
فاطمہ کے لال کے خون کے پیاسے جمع ہو رہے ہیں۔

دیکھیے، صیانت ذات، حفاظت ذات، حیات طیبہ پر گفتگو ہے اور یہ آخری منزل موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دینا — تمہاری اگر یہ مرضی ہے کہ آنکھیں سینکے ہو دل کو جلا کر، تو آنکھیں سینکو، مگر انجام بھی دیکھو، چوتھی محرم، پانچویں محرم، چھٹی محرم، ساتویں محرم، تاریخیں گزریں، اب بشکروں کی زیادتی ہوتی۔ شمر ذی الحجہ آج آیا۔ چار ہزار کا لشکر لیکر۔۔۔ سنن ابن انس آیا چار ہزار کا لشکر لیکر۔۔۔ حرملہ بن کابل اسدی آیا چار ہزار کا لشکر لیکر، خود عمر سعد آیا، سردار لشکر سات ہزار کا لشکر لیکر۔

شہزادی زینبؑ نے کہا: فضہ! بھائی کو بلالہ۔۔۔ حبیبؑ ابن علیؑ خیمے میں آئے۔ بہن نے بھائی سے کہا: یہاں سے کوفہ دور نہیں ہے۔ کوفے میں میرے بابا نے حکومت کی تھی، کوفے والوں ہی نے ہم کو خط لکھا تھا۔ انھیں خط لکھنے والوں میں ایک خط حبیبؑ ابن مظاہر کا بھی تھا۔ بھائی اپنے دوستوں کو خط لکھیے کہ ہماری مدد کے لیے آئیں۔ حبیبؑ ابن علیؑ نے کہا: بہن! مقدراتِ ایزدی میں جو گزر چکا وہی ہوگا، مگر تمھاری بات کو ہم نہیں ٹالیں گے۔

آقا نے کئی خطوط لکھے، ایک خط حبیبؑ ابنِ مظاہر کو لکھا۔ قاصد خط لیکر کوفہ پہنچا۔ ظہر کا وقت تھا۔ حبیبؑ اُس وقت دسترخوان پر تھے، حبیبؑ کی بیوی بھی کھانے میں حبیبؑ کے ساتھ تھی، کہ کسی نے حبیبؑ کو آواز دی۔ حبیبؑ نے پوچھا: "مَنْ ذِي الْبَابِ" "کون ہے دروازے پر"۔ . . . اُس نے کہا: "بابر آؤ۔۔۔ حبیبؑ! میں تمہارے امّام کا قاصد ہوں۔۔۔ بے اختیار

"بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ:

مِنْ الْحُسَيْنِ ابْنِ عَلِيٍّ - - - - - إِلَى جَيْبِ رَجُلٍ فَقِيهٍ  
حسین ابن علی کی طرف سے - - - - - مرد فقیہ جیب کی طرف

حبیب ابنِ مظاہر کو سلام ہو: حبیب! تم میرے بچپن کے ساتھی ہو  
 حبیب! فرزندِ فاطمہؑ، نرغہ اعدا میں گھر چکا ہے۔ اگر تم سے ہو سکے تو  
 میری مدد کرو۔ . . . . . وَالسَّلَام

حبیب گھر میں آئے، آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ بیوی نے پوچھا: کیا لکھا ہے؟ ... کہا: مرد کے لیے تیار کیا ہے۔ بیوی نے پوچھا: کیا ارادہ ہے

کیا لکھا ہے ؟ ... کہا: مرد کے لیے ملایا ہے۔ بیوی نے پوچھا: کیا ارادہ ہے  
 کہا: مجھے تمہاری فکر ہے۔ ... بیوی گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ کہا: اچھا تم  
 یہاں رہو، میں جاؤں گی اپنے امّ کی مرد کے لیے۔ ... حبیبت نے کہا:

میں تمہارا امتحان لینا چاہتا تھا۔۔۔۔۔ گھر والوں کو رخصت کیا۔۔۔ بچوں کو رخصت کیا، کہا، معلم ہے کیا سوگا ؟ بیوی نے کہا: میں جانتی ہوں کیا سوگا میں جانتی ہوں یہ گھر نہیں رہے گا، میں جانتی ہوں کم کو اسیر کر لیا جائے گا، میں

جانتی ہوں زمینیں چھین لی جائیں گی، لیکن، حبیب! فاطمہ کا لالہ مرغہ اعداء میں گھرا ہوا ہے۔ جلدی جاؤ۔۔۔۔۔ حبیب نے خادم کو اشارہ کیا، کہ سواری تیار کی جائے، سواری کو گھر سے دور لیجا یا جائے، میں پیادہ پاؤں

نک آؤں گا۔ حبیب جب وہاں پہنچے، دیکھا، خادم گھوڑے سے مخاطب ہو کر کہہ رہا ہے: اگر تیرے آقا نے دیر لگائی تو میں تجھ پر سوار ہو کر امام کی نصرت کو



جب لشکر کربلا سے چلا، ایک دشمن قبیلے کے سردار نے حبیب کا بھی سر کاٹ کر  
نیزے پر بلند کر دیا۔ جب قافلہ چلا تو حبیب کا سر بھی نیزے پر چلا۔ جب کوفے کے  
بازار میں آئے اور سب تماشائی جمع ہوئے، حبیب کا فرزند بھی راستے میں موجود تھا،  
بے اختیار بیٹے کی نظر باپ کے سر پر پڑی۔ اُس نے اپنے دوستوں کو آواز دی،  
ارے دیکھو! یہ میرے باپ کا سر ہے۔

نوجوانوں نے کہا: حملہ کر دو۔ حبیب کے فرزند نے تلوار کھینچی، سب نے  
تلوار کھینچی، حبیب کے قاتل کو سب نے قتل کر دیا۔ بیٹے نے باپ کے سر کو لیا،  
سینے سے لگایا اور اکڑتا ہوا تلواروں کے سائے میں چلا یہ کہتا ہوا، جس کا وارث  
جیتا ہے اُس کا سر اس طرح سے نہیں جاتا۔

اے عابدِ بیمار! — اے میرے مظلوم امام!.. آپ کتنے مجبور ہیں؟

(اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلٰی قَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ )  
وَسَيُعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اَحٰی مِّنْقَلِبِ یَنْقَلِبُوْنَ

شیر نے حبیب منظر سے یوں کہا

لڑنے کو تو نہ جا، کہ بڑھاپا ہے اب ترا

اُس نے کہا کہ اے جگر و جانِ مرتضیٰ

تجھ پر ہزار جان سے ہو جاؤں میں فدا

ہر چند پیرِ خستہ تن و ناتواں شدم

ہر گہ نظرِ بروئے تو کروم جواں شدم

چلوں گا۔ ایسے میں حبیب آگئے۔ غلام سے کہا، تو نے زندگی بھر میرا ساتھ دیا، جا میں تجھے آزاد کیا  
یہ انعام و اکرام لے اور اب اپنے گھر کو جا۔ وہ بے اختیار قدموں لپٹ کر رونے لگا اور کہا: اب جبکہ  
جنت میں جا رہے ہو مجھے چھوڑ کر جاؤ گے، میں بھی ساتھ ساتھ چلوں گا۔ حبیب چلے، ساتھ میں  
حبیب کا غلام بھی چلا، ورمحرم کی موت تھی، حسین اسلحہ جنگ تقسیم کر رہے تھے کہ ایسے میں ایک خھوئی اسلحہ کو آپ نے  
ایک گوشے میں محفوظ کر دیا، کسی نے کہا، آقا وہ مجھے دیدیجیے، کہا نہیں، میرے بچپن کا ساتھی آ رہا ہے ایک مرتبہ  
گردِ محرابی اور کئی ابنِ علی نے آواز دی عباس، حبیب آ رہے ہیں، استقبال کو خود حسین چلے، عباس  
چلے، علی اکبر بڑھے، قائم بڑھے، حبیب دیکھا میرا آقا استقبال کو آ رہا ہے حبیب نے اپنے آپ کو گھوڑے سے  
گرا دیا۔ دوڑ کر آقا کی خدمت میں آئے، قدموں پر سر رکھ کر کہا: فاطمہ کے جانی  
کیا غلاموں کا استقبال کرو گے؟ فرزندِ رسول! میں نے بچپن سے آپ کی  
خدمت کی ہے، بچپن میں جب آپ چلتے تھے تو میں آپ کی خاکِ قدم آنکھوں  
سے لگاتا تھا۔ آقا! میں یہ کبھی نہ بھولوں گا۔... آقا، حبیب کا ہاتھ ہاتھ  
میں لیے خیمے کے قریب آئے۔ ایک مرتبہ خیمے کا پردہ اٹھا کر کنیز باہر آئی اور آواز دی  
حبیب! فاطمہ کی بیٹی سلام کہتی ہے۔

حبیب نے اپنے ہاتھ کو پیٹ لیا، اور کہا: اللہ! آج یہ وقت آگیا کہ  
علی کی بیٹی مجھے سلام کہتی ہے۔

یہ حیاتِ طیبہ کا رخ ہے۔ دنیا سمجھ رہی تھی ہم اس بوڑھے کو قتل کر دیں گے  
لیکن حبیب نے آستانہِ حسینی پر اپنے آپ کو فنا کر دیا۔

"عَلٰی الْاَزْوَاجِ النَّحْوِ حَلَّتْ بِفِنَائِكَ"

(اُن زوجوں پر سلام جو تیرے آستانے پر تحلیل ہو گئی تھیں)

حبیب آج بھی ہیں، حبیب ہمیشہ رہیں گے، حبیب وہیں قریب ہی  
ہیں، روضے ہی میں ہیں۔ حبیب شہید ہوئے۔



# مجلس چہارم

۴ محرم ۱۳۹۲ ہجری مطابق ۲۰ فروری ۱۹۷۲ء

- ۱۔ موت کے آنے کے بعد حیات کا ایک اور رخ شروع ہوتا ہے
- ۲۔ غیر متقی نجات نہیں پاتا۔
- ۳۔ متقی کی تعریف۔
- ۴۔ اللہ صاحبانِ تقویٰ کو دوست رکھتا ہے۔
- ۵۔ اچھی نیت انسان کو کامیابی تک پہنچاتی ہے۔
- ۶۔ طیبین کے گھرانے سے وابستگی حیات کو طیب بنادیتی ہے۔
- ۷۔ شہادتِ حضرت عونؓ و محمدؐ کلامِ میر انیس سے انتخاب۔



”حیاتِ طیبہ کے عنوان پر یہ چوتھی تقریر ہے۔ کل گفتگو یہ تھی کہ حیاتِ طیبہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ قانونِ جذب و دفع کے ساتھ یہ زندگی آگے بڑھے۔ اگر طیب چیزوں کو جذب کیا ہے تو طیبہ ہے اور اگر طیب چیزوں کو دفع کر دیا ہے تو وہ خبیثہ ہے۔ اس لیے حیات کو حیاتِ طیبہ بنانے کے لیے یہ لازم ہے کہ انسان جذب و دفع کے قانون پر عمل کرے کہ اُس کو شارع مقدس سے کیا حکم ملا ہے... کن کن چیزوں کو قبول کرو اور کن کن چیزوں کو دفع کرو۔

شارع مقدس سے جن چیزوں کا حکم ملا ہے اس پر عمل کرے، یہ حیات ہر رنگ میں، ہر شکل میں، ہر صورت میں پائی جاتی ہے۔ ذرے سے لیکر آفتاب تک، ثریٰ سے لیکر ثریا تک یہی حیات ہے جو کار فرما ہے۔ حیات فقط نفس کی حرکت نہیں، حیات فقط لہو کا دوران نہیں، حیات اپنی مختلف صورتوں میں، مختلف مقامات پر، مختلف خصائص رکھتی ہے جسکو صاحبانِ علم جانتے ہیں۔

جس حیات پر گفتگو ہے، وہاں اس بات کا دھوکا ہے کہ حیات کی ضد اگر موت ہو جائے تو موت پھر حیات کو ختم کر دے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ موت آنے کے بعد حیات کا ایک اور رُخ شروع ہوتا ہے۔ طیبہ حیات دنیا میں تھی تو آخرت میں بھی وہ طیبہ ہے، موت حیاتِ طیبہ کا کوئی نقصان نہیں کرتی۔ اقبال نے کہا تھا۔

فرشتہ موت کا چھوٹا ہے گو بدن تیرا

ترے حیات کے مرکز سے دور رہتا ہے

مرکزِ حیات سے موت کا فرشتہ دور رہتا ہے۔ مرکزِ حیات کیا ہے..

.... وہ مرکزِ محبت ہے، وہ مرکزِ مودت ہے، وہ مرکزِ ثقل ہے جسکو آپ

## چوتھی مجلس ”حیاتِ طیبہ“

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
”مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اٰتٰی وَهُوَ مُؤْمِنٌ  
فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَیۡوَةً طَیِّبَةً وَّلَنُخْرِیَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ  
بِاَحْسَنِ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ“ (سورۃ النحل آیت ۹۷)

(مرد ہو یا عورت میں سے جو شخص نیک کام کرے گا اور وہ ایماندار بھی ہو، تو ہم اُسے (دنیا میں بھی) پاک و پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور آخرت میں بھی) جو کچھ وہ کرتے تھے اس کا اچھے سے اچھا اجر و ثواب عطا فرمائیں گے۔)

نزدیک و دور تشریف فرما حضرات کا میں شکر گزار ہوں کہ وہ بڑی زحمت کے بعد تقریر سننے کے لیے مختلف مقامات سے جمع ہو رہے ہیں۔ اور یہ میری محرومی کہ میں اُن کے شایانِ شان خدمت کرنے سے قاصر رہا ہوں۔

میرے معالج کہتے ہیں کہ میری آواز بلند نہ ہو اور اس طرح جو کچھ بھی مجھے کہنا ہے بہر حال وہ کہوں گا۔ چاہتا ہوں آپ کی زحمات کا خیال رکھتے ہوئے اس فریضے کو ادا کروں اور یہ فکر کی جائے کہ ہم اپنی فکر میں کچھ آگے بڑھیں۔

”صلوات“



جہاں حیاتِ طیبہ صیانتِ ذات کی فکر کرتی ہے تو وہ حیاتِ طیبہ تقویٰ کی منزل پر آجاتی ہے اور جہاں انسان کو تقویٰ میسر ہوتا ہے وہاں قرآن نے تقویٰ کے اتنے فضائل بیان کیے ہیں کہ انھیں ایک وقت میں بیان کرنا ہمارے ناممکن سمجھی ارشاد ہوا :

” اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ “ (البقرہ ۱۷۷)  
(متقین معیتِ الہی میں ہیں)

سمجھی ارشاد ہوا :

” اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ “ (المائدہ ۲۷)  
(اللہ متقین کا ہی عمل قبول کرتا ہے)

جو متقی نہیں اس کا کوئی عمل قبول نہیں، اُس کی کوئی نذر قبول نہیں، اُس کی کوئی قربانی قبول نہیں، اُس کی کوئی بزرگی قبول نہیں۔ قبولیت صرف صاحبانِ تقویٰ کے لیے ہے۔ . . . . پھر ارشاد ہوا :

” ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا وَنَذَرُ الظَّالِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا . “ (سورہ مریم ۶۲)

(پھر ہم صاحبانِ تقویٰ کو نجات دیں گے اور ظالمین

کو اُس (جہنم) میں گھٹنوں کے بل ڈالیں گے۔)

متقی نجات پاتا ہے، غیر متقی نجات نہیں پاسکتا۔ آگے بڑھ کے

ارشاد ہوا : سورہ الحجرات آیت ۱۳ میں :

” اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ “

(اللہ کے نزدیک مکرم وہی ہے جو تم میں سب سے زیادہ صاحبِ تقویٰ ہو)

میں نہ قبیلہ کی بزرگی ہے، نہ دولت کی بلندی ہے، نہ امارت کی بزرگی ہے،

دنیا و آخرت میں ڈھونڈتے نظر آتے ہیں لیکن جہاں انسان قانونِ جذب دفع سے الگ سمجھے، جہاں انسان بُرائیوں کو جذب کرے اور نیکیوں کو دفع تو سورہ جاثیہ میں ارشاد ہوتا ہے :

” اَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءٌ فِجْآهُمْ وَمَا تَنْهٰهُمْ سَآءٌ مَا يَحْكُمُوْنَ . “ (سورہ جاثیہ آیت ۲۱)

(وہ لوگ جو بُرائی پر بُرائی کے جارہے ہیں کیا وہ سمجھتے ہیں کہ

ہم اُن کو اُن لوگوں کے برابر کر دیں گے جو ایمان لائے اور اچھے

اچھے کام بھی کرتے رہے اور اُن سب کا جینا، مرنا یکساں ہوگا

یہ لوگ کیا بُرے حکم لگاتے ہیں۔) . . . . .

نہیں بُرائی پر بُرائی کرنے والے کی زندگی اور موت دونوں برابر ہیں۔

” سَوَآءٌ فِجْآهُمْ وَمَا تَنْهٰهُمْ “ اُن کی حیات و موت ایک ہے۔

یہ جیتیں تو کیا اور نہ جیتیں تو کیا۔ اس لیے یہ حیات ہی موت ہے اُن کی جھوٹی

کوشش یہ کہ بجائے اس کے کہ عملِ صالح کی طرف رخ کرتے، اُنھوں نے سیئات

کو اپنایا۔ بُرائیوں کو اپنانے کی کوشش کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زندگی اُن کی موت

ہو کر رہ گئی۔ مگر جن لوگوں نے عملِ صالح کیے اور اس پر اُٹے رہے وہ مرد ہو

یا عورت، ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اُن کو حیاتِ طیبہ عطا کریں گے : ” وَمَنْ

اَوْ فِیْ بَعْدِہٖ مِنَ اللّٰهِ “ (سورہ توبہ آیت ۱۱۱)

(اور خدا سے بڑھ کر کون وعدے کو پورا کرنے والا ہے)

جو انسان حیاتِ طیبہ رکھتا ہے وہ صیانتِ ذات کی فکر کرتا ہے۔ صالح انسان

اپنی پاک زندگی بچا کر رکھتا ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ ہماری زندگی بُرائی کی زد میں آئے



صاحبانِ تقویٰ کے سنے، یہی صاحبانِ تقویٰ ہیں جن کی حیات، حیاتِ طیبہ ہے۔  
اب ہم کیسے کہیں کہ ہم اور آپ سب متقی ہیں، مگر اچھی نیت، اچھی آرزو، اچھی تمنا،  
اچھی توقع انسان کو کامیابی تک لیجاتی ہے۔ اس لیے میں یہ سمجھا ہوں کہ اگر آپ نے  
ابھی تقویٰ کے پورے مدارج طے نہیں کیے تو نہ کیے ہوں، مگر آپ امام المتقین سے  
تو وابستہ ہیں، سید المتقین سے تو وابستہ ہیں:

رحمتِ حق بہانہ می جوید

رحمتِ حق بہانہ نمی جوید

رحمتِ حق قیمتوں کو نہیں، بلکہ بہانہ تلاش کرتی ہے  
اور یہ سب سے بڑا بہانہ ہے کہ ہاتھ میں دامن کس کا ہے، ہم کس کی بارگاہ  
سے متصل ہیں۔ مولائے کائنات مسجد کوفہ میں خطبہ دے رہے تھے ہمام نے  
کھڑے ہو کر کہا: مولا! صاحبانِ تقویٰ کی تعریف کیا ہے؟ .....  
مولائے فرمایا:

”هُمْ أَهْلُ الْفَضَائِلِ مَنْطِقُهُمُ الصَّوَابُ وَ  
مَلْبَسُهُمُ الْإِقْتِصَادُ وَمَشْيُهُمُ التَّوَاضُّعُ غَضُّوا  
أَبْصَارَهُمْ عَمَّا حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَوَقَفُوا  
أَسْمَاعَهُمْ عَلَى الْعِلْمِ النَّافِعِ لَهُمْ نَزَلَتْ  
أَنْفُسُهُمْ مِنْهُمْ فِي الْبَلَاءِ كَالَّتِي نَزَلَتْ فِي  
الرَّحَاءِ ..... (خطبہ ۱۹۱ نہج البلاغہ)

(فضیلت اُن کے لیے ہے جو صاحبانِ تقویٰ ہیں کیونکہ ان کی گفتگو  
جتنی تلی ہوئی، اُن کا لباس میانہ، اُن کی چال عجز و فروتنی کے  
ساتھ، اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے انھوں نے آنکھیں بند کر لیں اور

نہ ریاست کی بزرگی ہے، یہاں بزرگ صاحبانِ تقویٰ کے لیے ہے .....  
کرامت و شرافت و فضیلت و بزرگی صاحبانِ تقویٰ کے لیے ہے۔ معیتِ الہی  
متقی کے لیے، قبولیتِ عمل متقی کے لیے، نجاتِ آخرت متقی کے لیے .....  
ارشاد ہوا: ”إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٍ النَّعِيمِ“ (القلم ۳۴)  
(یقیناً متقین کے لیے ان کے رب کے نزدیک جناتِ نعیم ہیں)

جنت کو ہم نے آراستہ کیا ہے متقین کے لیے، کوئی اور جنت میں جا نہیں سکتا۔

ایک اور جگہ ارشاد ہوا، جو اللہ سے ڈرتا ہے: ...

”مَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ

مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ“ (سورہ طلاق آیت ۲-۳)

(جو تقویٰ کے عالم میں) اللہ سے ڈرے (اور اپنے نفس کی حفاظت

کرے) اللہ اس کو ہر مصیبت سے بچا لیتا ہے اور جہاں سے

امید نہیں ہوتی، وہاں سے رزق دیتا ہے۔)

متقی کو اپنے رزق کے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

اتنے فضائل متقی کے بیان کیے گئے: اور پھر ایک اور منزل پر

ارشاد ہوا: ”إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ“ (ال عمران- توبہ ۴۱)

(بیشک اللہ صاحبانِ تقویٰ کو دوست رکھتا ہے)

اللہ صاحبانِ تقویٰ کی حفاظت کرتا ہے۔ ..... یہ آسانی کتابِ صحیفہ جو

آیا ہے، فقط صاحبانِ تقویٰ کے لیے ہے۔ ابتداء ہی میں ہے:

”ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ“

(یہ کتاب وہ ہے جس میں کوئی شک نہیں، ہدایت کرتی ہے صاحبانِ

تقویٰ کی)۔ غیر متقین کی ہدایت نہیں کرتی۔ ..... اتنے فضائل آپ نے



... مولانا نے پھر فرمایا:

” فِي الزَّلَٰزِلِ وَقُوْرٌ وَفِي الْمَكَاسِرِ صَبُوْرٌ  
وَفِي الرِّخَاءِ شُكُوْرٌ ، لَا يَحِيْفُ عَلَى مَنْ  
يَتَغَضُّ وَلَا يَأْتُمُ فِيمَنْ يُحِبُّ ، يَعْتَرِفُ  
بِأُحْتِ قَبْلَ أَنْ يُشْهَدَ عَلَيْهِ . . . . .

( متقی مصائب و شدائد کے جھٹکوں میں کوہِ علم اور قارہ ہوتا ہے ، جب اُس پر بلائیں نازل ہوتی ہیں تو اُس کے صبر کو دیکھو ، سکونِ قلب کو دیکھو ، حیرانیوں میں اُس کے شکر کے سجدوں کو دیکھو ، جس کا دشمن بھی ہو تو اُس کے خلاف بیجا زیادتی نہیں کرتا ، اور جس کا دوست ہو جاتا ہے اُس کی خاطر بھی کوئی گناہ نہیں کرتا ، جب اُس کے خلاف کوئی شہادت و گواہی دی جائے

تو اُس سے قبل ہی حق بات کا اعتراف کر لیتا ہے ۔ . . . .  
آپ نے فرمایا کہ یہ مقام تقویٰ تم میرے دوستوں میں دیکھو گے ۔

یہ سنکر ہمام پر بیہوشی طاری ہو گئی اور وہیں گر کر مر گیا ۔ تو لوگوں نے پوچھا کیا ہوا ؟ . . . . . مولانا نے فرمایا: کبھی کبھی ایسے خطبے دلوں پر یہ اثر بھی ڈالتے ہیں ۔ اس کی روح اپنے مولا کی تلاش میں نفسِ عنفری سے پرواز کر جاتی ہے ۔ اور وہ بارگاہِ رب العزت میں حاضر ہو جاتا ہے ۔ . . . یہ شانِ صاحبِ تقویٰ کی . . . . . یہ شانِ تقویٰ ، حیاتِ طیبہ کی ایک منزل ہے ، . . . ہمارے سامنے طیبین کی زندگی ہے ، وہ امامِ المتقین ہیں ، اُن کے کیا فضائل بیان ہو سکتے ہیں ، اُن کے کیا مدارج ہیں ۔ . . . . لوگوں نے کہا: یہ جو کی سوکھی روٹی جسے آپ زلفوں سے دبا کر توڑتے ہیں ، اگر آپ کی یہ غذا رہ گئی ہے تو مولا آپ

فائدہ مند علم پر کان دھریے ہیں ، اُن کے نفسِ زحمتوں اور تکالیف میں بھی ویسے ہی رہتے ہیں جیسے آرام و آسائش میں . . .  
آگے چلکر مولا فرماتے ہیں:

” تَرَاهُ قَرِيْبًا أَمَلُهُ قَلِيْلًا تَرَاهُ لَكَ ، حَاشَا قَلْبُهُ  
تَاجِعَةً نَفْسُهُ - مَنْزُومًا أَكَلُهُ - سَهْلًا أَمْرُهُ  
حَرِيْزًا اِدْبِيْنُهُ ، مَيِّتَةً شَهْوَتُهُ - مَكْظُوْمًا  
غِيْظُهُ - اَلْخَيْرُ مِنْهُ مَأْمُوْلٌ ، وَ الشَّرُّ مِنْهُ  
مَأْمُوْتٌ ، اِنْ كَانَ فِي الْغَافِلِيْنَ كُتِبَ فِي  
الذَّاكِرِيْنَ ، وَاِنْ كَانَ فِي الذَّاكِرِيْنَ  
لَمْ يَكُتَبْ مِنَ الْغَافِلِيْنَ

( تو متقی کو دیکھ گا کہ وہ طویل اُمیدیں نہیں رکھتا ، وہ تو ذرا سی بات پر خوش ہو جاتا ہے ، ٹھوکر کم کھائے گا ، اُس کا دل متواضع ہوگا ، اس کے دل میں خلوص ، اور خشوع ہوگا ، اُس کے نفس میں قناعت ہوگی ، وہ ہوس پرست نہیں ہوتا ، وہ لالچ نہیں کرتا ، حرص میں مبتلا نہیں ہوتا ، وہ غصے کو اپنے تابع رکھے گا ، اُس سے بھلائی ہی کی توقع ہو سکتی ہے ، اس کی غذا قلیل ، روئے بے زحمت ، اُس کا دین محفوظ ، خواہشیں کم اور مردہ ہوتی ہیں ۔ اُس سے نقصان کا اندیشہ نہیں ہوتا ، جس وقت اُسے ذکرِ خدا سے غافل دیکھو گے تو پھر بھی وہ ذکرِ خدا کرنیوالوں میں لکھا جاتا ہے ( حکیم خدا ہوتا ہے کہ لے ملا کہ اس کا نام ذکر کرنے والوں میں لکھو ، یہ میرا بندہ غافل نہیں ہے ۔ بلکہ میرا ذکر ہے ) ۔



بہر رہا ہے۔ یہاں ... العطش کی صدائیں بلند ہیں، ایسے موقع پر ملت مسلمہ  
قیصلہ کرے کہ تقویٰ کدھر ہے اور فحور کدھر ہے، کسی بھی مقام پر اگر آپ متقین  
کو پائیں گے تو اُس کی ضد پر آپ فحار کو پائیں گے۔ اس لیے کہ قرآن نے تقویٰ  
کی ضد قرار دی ہے فحور ...

”اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ“ (ص آیت ۷۸)

(کیا ہم متقین کو فاجرین کے برابر کر دیں گے؟)

اس لیے عزیزو! راہ محبت میں آگے بڑھو، کسی کی پروا نہ کرو، ایسا  
نہ ہو کہ تھک کر کہیں بیٹھ جائے دل۔

دیر و حرم میں گم نگہ نارسا نہ ہو

ایسا نہ ہو کہ تھک کے کہیں بیٹھ جائے دل

دیکھو! وہ حُر آگیا، دیکھو! وہ حبیب آئے، وہ دیکھو! مسلم بن عوسجہ  
وہ عالس ابن شیبہ شاکری آئے۔ ۱۵ برس کا سن ہے، مگر جھکی ہوئی  
ہے، مگر لکڑیوں سے باندھ کر کمرس کے کمر کو سیدھا کر لیا ہے، ہاتھ میں ریشہ  
ہے، تلوار پکڑنا دشوار ہے، اس لیے تلوار کے قبضے کو ہاتھ میں باندھ لیا ہے اور  
اکڑ کے کہتے ہیں۔ مولا! ایسے لڑوں گا کہ فاتح خیبر علی سے داد لوں گا۔۔۔  
یہ ہیں صاحبانِ تقویٰ، جن کی یاد رہ رہ کر آتی ہے۔

آج محمدؐ کی چوتھی تاریخ ختم ہو چکی، پانچویں کی شب آئی، دل تڑپ کے  
رہ گیا۔ اب باتیں شروع ہو رہی ہیں بنی ہاشم کی، اب باتیں شروع ہو رہی ہیں  
اُن شہزادوں کی، جن کا تعلق اولادِ ہاشم سے ہے۔ ایسے موقع پر سب سے پہلے  
اُن شہزادوں کا تذکرہ ہوگا، جن کے سن آٹھ اور نو برس کے ہیں۔ محمدؐ کو اجازت  
دیکھیے کہ میں میرا نیس کے کلام کو، اُن کے ایک شاہکار مرثیے سے انتخاب

اب لڑنے سکیں گے۔۔۔۔۔ مولانا فرمایا:

”اِنْ كَانَ هَذَا رَطْبٍ لِعَلِيٍّ ابْنِ اَبِي طَالِبٍ  
فَقَدْ فَهِمْنَا عَلَى الْقِتَالِ لَوْ تَظَاهَرُ الْعَرَبُ  
عَلَى الْقِتَالِ لَنَا وَ لَيْسَ عَنْهَا“

(اس جو کی روٹی کے باوجود آج علی ابن ابی طالبؑ یہ دعویٰ  
کرتا ہے کہ محمدؐ اکیسے سے اگر پورا عرب لڑنے کے لیے آئے  
تو میں منہ نہ موڑوں گا۔)

ہم نے اُس دامن کو تھاما ہے، وہاں یہ فکر نہیں ہے کہ دنیا کیا  
ہے، وہاں یہ فکر ہے کہ ہاتھ پاک رہے، اس لیے کہ دامن پاک ہے، وہاں فکریہ  
ہے کہ دل پاک رہے، اس لیے کہ محبت پاک ہے، وہاں فکریہ ہے کہ نظر  
پاک رہے، کہ منظر پاک رہے۔ اس عالم میں جب ہم نے رشتہ جوڑ لیا، ارتباط  
پیدا کر لیا اُس گھرانے سے، جو طیبین کا گھرانہ ہے، تو آپؐ میں سے ہر ایک کو  
یہ سمجھنا چاہیے کہ اُس کی زندگی طیب زندگی ہے، اُس کی زندگی طاہر زندگی ہے  
اس یقین سے آگے بڑھو تاکہ حیاتِ طیبہ کی دولت سے سرفراز ہو۔ طاہر ہے  
یہی وہ زندگیاں ہیں جو ہر دور میں ہمارے لیے مشعلِ راہ بنی ہیں، اور انھیں  
زندگیوں کے سلسلے میں ایک منزل ہے کر بلا۔! ایک مقام ہے کر بلا۔

یہ طیبین کی منزلیں دیکھو، طاہرین کی منزلیں دیکھو، ظاہر ہے آپؐ اور ہر  
مسلمان میرا ساتھ دے گا۔ لشکر دو جمع ہوتے ہیں، ایک طرف شام و کوفہ  
کا لشکر ہے، دوسری طرف محمدؐ کے نواسے کا لشکر ہے۔ محمدؐ کے نواسے کے ساتھ  
اُس کی اولاد ہے، اٹھارہ بنی ہاشم ہیں، اُس کے کچھ انصار ہیں۔ اور دوسری طرف  
دنیا کے تعیشات ہیں، دنیا کا آرام ہے، دنیا کا سکون ہے، ادھر دریائے فرات



پیش کروں۔ میرا تیس کہتے ہیں :  
 دوزخ سے جو آزاد کیا حُر کو خدا نے  
 زانو پہ رکھا سر کو امام دوسرے نے  
 اعلیٰ کیا ادنیٰ کو بزرگوں کی دعا نے  
 سب جس کے طلبگار تھے جنت میں وہ دُر تھا  
 حورانِ جنال گرد تھیں اور بیچ میں حُر تھا  
 جب دچکے سب غیر عزیزوں کی طرح سر  
 بے جاں ہوئے دوا لہجی شاہ کے دلبر  
 مرنے پہ کمر باندھتے تھے قاسم بے پر  
 کہتی تھی جھکاتے ہوئے سر شاہ کی دلبر  
 ہے سخت عجب دونوں کی دانائی سے مجھ کو  
 ان بیٹوں نے محبوب کیا بھائی سے مجھ کو  
 یہ ذکر تھا نوشاہ جو روتے ہوئے آئے  
 مادر نے جو چوچھا تو سخن لب پہ یہ لائے  
 اب جاتے ہیں لڑنے کو پھوپھی جان کج گاتے  
 ان بھائیوں سے پہلے نہ ہم خوں میں نہاتے  
 اب بھی ہمیں پیغام اجل آنہیں جاتا  
 یوں روتے ہیں شیر کو دیکھا نہیں جاتا  
 زینب نے کہا میری مراد آئی سدھاریں  
 تیغوں میں گوارا ہو مرے دودھ کی دھاریں  
 دشمن جو ہوں فرزند علی کے انھیں ماریں  
 لڑنے پہ چڑھیں شمر کا سترن سے اُتاریں  
 یکس لہو کو دیکھ کے وہ جوش میں آتے  
 جب مرچکے دو بھائی تو وہ ہوش میں آتے  
 یہ ذکر ابھی تھا کہ صدارونے کی آئی  
 دروانے سے اکبر نے یہ آواز سنائی  
 لوٹی گئی ہے بے چوچھی امال کی کمائی  
 مارے گئے دوساتھ کے کھیلے ہوئے بھائی  
 روتے ہوئے عباس بھی ہمراہ گئے ہیں  
 خود لاشیں اٹھانے کے لیے شاہ گئے ہیں

یہ سنتے ہی قبلہ کی طرف جھگٹیں زنیب  
 سجد سے اٹھیں جب کہا شکر ہے یارب  
 طالب تھی میں جس کی وہ برآیا مطلب  
 سب مٹ گئے وطر کے کوئی تشویش نہیں اب  
 لٹے سے محمد کی کمائی کو بچا لے  
 سب قتل ہوں پر تو مرے بھائی کو بچا لے  
 فصد کی صدا آئی کہ اے پیٹنے والو !  
 سب مل کے ذرا میرے خوزادوں کو سنبھالو  
 روتی ہیں کہاں بانوئے عالم کو بلالو  
 لوٹا گیا گھر خاکِ عزا بابلوں پہ ڈالو  
 مقتل سے حسین ابن علی لائے ہیں لاشے  
 سیدانیو ! ڈیوڑھی پہ چلو آتے ہیں لاشے  
 درنگ گئے ناموس نبی کھولے ہوئے سر  
 لاشوں کو لیے خیمے میں داخل ہوئے سرور  
 اک لاش کو لاتے تھے علیؑ رادر دلاور  
 لپٹاتے تھے چھوٹے کو گلے سے شہرِ صفر  
 جنباں تھی زمیں غل تھا یہ فریاد و بکا کا  
 ہلتا تھا کلس خیمہ شاہِ شہر اکا  
 لاشوں کو شہر دیں صف ماتم پہ چولائے  
 سب اہل حرم پیٹتے روتے ہوئے آئے  
 زینب نے نہ فریاد کی نہ اشک بہائے  
 بیٹھی رہیں سر زانوئے اقدس پہ جھکاتے  
 لب خشک تھے منہ زرد مرثہ اشکوں سے تر تھی  
 نے اپنی نہ بھائی کی نہ لاشوں کی خبر تھی  
 بانو نے رکھے زانوئے زینب پہ سر اُنکے  
 جو بیایاں تھیں آگے منہ کو جگر اُنکے  
 زینب نے جو کج جھک کے رُخوں پہ نظر اُنکے  
 دکھلائی دیے چاند سے منہ خوں میں تر اُنکے  
 رُخسار بھی مجروح تھے ابرو بھی کٹے تھے  
 شانے بھی جدا چاند سے باز بھی کٹے تھے



منہ چھاتیوں پہ رکھ کے یہ ناشاد پکاری آرام میں ہو یا غشی پائیں کی طاری  
ہوتا ہے بیاں شوکت و بہت کا تمھاری تسلیم کرو قبلہ کو نین کو واری

سبھی میں کہ باعث ہے یہ بیداری شب کا

پیارو! یہ طرقت نہیں ارباب ادب کا

تعریف امام دوسرا کرتے ہیں اٹھو عباس علیہ السلام ارناء کرتے ہیں اٹھو  
ہمیشگی نبی مہج و غا کرتے ہیں اٹھو سب لوگ نہ اٹھنے کا گلہ کرتے ہیں اٹھو

آقا سے مصیبت میں جدا ہو نہیں جاتے

صدقہ گئی یوں جنگ کے دن سو نہیں جاتے

حضرت کو لڑائی کے پیام آتے ہیں اٹھو خیمے کی طرف ساکن شام آتے ہیں اٹھو  
لو تیرے سوئے امام آتے ہیں اٹھو جبرار برے وقت میں کام آتے ہیں اٹھو

جلدی سے قباؤں کو پہنتے ہوتے نکلو

شمشیر و سپر تھام کے تنٹے ہوتے نکلو

تاریکی میں واری تمھیں نیندا آتے گی کیونکر شب بھگی تو بچوں کو یہاں پائے گی کیونکر  
مادر دل بیتاب کو سمجھائے گی کیونکر واں تک سر رونے کی صدا جائے گی کیونکر

نکلوں جو تجس میں تو بے جا نہیں واری

ماں ہوں مرا پتھر کا کلیجا نہیں واری

ٹکڑے تھے کلیجے یہ بیاں درد کا سنکر اک حشر تھا سیدانیاں سب سٹی تھیں سر  
بانو نے کہا قبلہ کو نین سے اٹھ کر مرجائیگی ماں لاشوں کو لیجائیے باہر

فرزند کا غم خالق عالم نہ دکھائے

اللہ کسی ماں کو یہ ماتم نہ دکھائے

سید

## مجلسِ پنجم

۵ محرم ۱۳۹۲ھ مطابق ۲۱ ستمبر ۱۹۷۲ء

۱۔ ایمان اور عمل صالح یکجا ہوں تو حیاتِ طیبہ ہے۔

۲۔ عمل صالح کو دیکھ کر ایمان کی عمارت کا پتہ چلتا ہے۔

۳۔ وہ نیکی نیکی نہیں جسکی بنیاد بے ایمانی پر ہو۔

۴۔ چوری کی بنیاد پر خیرات نہیں۔

۵۔ عمل کی صورتیں ملتی جلتی ہو سکتی ہیں۔

۶۔ عمل کی بنیاد پر روزِ آخر اور جنت نہیں بلکہ عمل بالایمان ضروری ہے۔

۷۔ شہادتِ حضرت علی اکبر علیہ السلام



بزرگ ہیں۔ ان تقریروں کا مقصد یہ ہے کہ ایک علم ڈھونڈنے والے کی فکر کو بھی اپنے دل و دماغ میں تھوڑی سی جگہ دیکھیے۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔ یہ سوچئے کہ جس منزل کی طرف یہ آیت رہبری کر رہی ہے اور جہاں گفتگو آپ کو لیے جارہی ہے وہ کہاں تک صحیح ہے اور اس سے آپ اور ہم کہاں تک استفادہ کر سکتے ہیں یہ تو ہم نے نہیں کہا، یہاں یا کہیں اور کہ بحیثیت ایک منتہی کے یا بحیثیت ایک عالم کے آپ کے سامنے گفتگو کی جارہی ہے پس بحیثیت ایک طالب علم کے آپ کے سامنے مسائل کو پیش کیا جا رہا ہے۔ اگر انسان مصاحح ذاتی سے الگ ہو کر دیکھے تو شاید کچھ پروے بہت بھی جائیں۔۔۔۔۔ کچھ راز کھل جائیں۔۔۔۔۔ اور دور تک نظر کام کر سکے۔۔۔۔۔ "صلوات"

اس آیت میں پہلی اصطلاح ہے "عمل صالح" اس کے بعد ارشاد ہوا "مرد ہو یا عورت، اگر وہ مومن ہو۔۔۔۔۔ عمل صالح کے ساتھ ایمان بھی لازم ہے ایمان اور عمل صالح، یہ دونوں چیزیں اگر ایک جگہ جمع ہو جائیں تو یقیناً۔۔۔۔۔ "حیاتِ طیبہ" حاصل ہے۔۔۔۔۔ اور جو عمل صالح کی راہ میں آگے بڑھتے ہیں ہم ان کو جزا دیں گے، ان کے کیسے سے، ان کے اعمال سے زیادہ۔۔۔۔۔ بہتر صلہ انہیں دیں گے۔۔۔۔۔ عمل صالح کی اضافت کیا ہے؟ یعنی کس کا حکم، کس کا فرمان، کس کے افکار کا نتیجہ، عمل صالح کی صورت کیا ہے۔۔۔۔۔ اگر ہر ایک نے یہ طے کر لیا اپنی جگہ کہ جو میں کر رہا ہوں، وہی عمل صالح ہے، تو ملت یہی اعلان کر دے کہ جو جس راہ پر جائے، وہی عمل صالح ہے۔۔۔۔۔ اور اگر نہیں، اس کے لیے کوئی معیار ہے تو اس معیار کا بھی اعلان ہو جائے، کس کا حکم، کس کا امر، کس کا منشاء، کس کے احکام اور وہی آخر عمل صالح سے کیا مراد ہے؟ نیک کام کرنا ہے، کس کے حکم سے،

## پانچویں مجلس

### "حیاتِ طیبہ"

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
 "مَنْ عَمِلْ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ  
 فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ  
 بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ" (سورۃ النحل آیت ۹۷)  
 (مرد ہو یا عورت میں سے، جو شخص نیک کام کرے گا اور وہ ایماندار  
 بھی ہو، تو ہم اُسے (دنیا میں بھی) پاک و پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے  
 اور (آخرت میں بھی) جو کچھ وہ کرتے تھے اُس کا اچھے سے اچھا  
 اجر و ثواب عطا فرمائیں گے۔)

"حیاتِ طیبہ" کے عنوان پر یہ پانچویں تقریر آپ کی سماعت کے لیے  
 دہریہ ہے۔ ہم مسلسل سورۃ نحل کی آیت کی تلاوت کر رہے ہیں۔ میری ساری  
 کوشش یہی ہے کہ نوجوان دل و دماغ، آزاد افکار اور علم کے متلاشی ان مسائل  
 سے کماحقہ استفادہ کریں جن مسائل کی طرف مسلسل اشارہ کیا جا رہا ہے۔۔۔  
 اور۔۔۔۔۔ اس وقت اس درخواست کے ساتھ، کہ بہت سی ایسی حضرات بھی یہاں  
 جمع ہیں جو بہت زیادہ علم و فضل و عقل و فہم و نظر میں ایک مقام رکھتے ہیں اور بہت



لیکن یہاں اندازے سے کام نہیں ہے۔ یہاں گفتگو یہ ہے کہ عملِ صالح کرے مرد ہو یا عورت، اور پھر وہ مومن ہو، صاحبِ ایمان ہو تو اُسے حیاتِ طیبہ عطا کرتے ہیں۔ قرآن مجید کی آیت کی تلاوت کے درمیان ایک بات آپ یاد رکھیں کہ یہ دو لفظ سب سے زیادہ استعمال ہوئے ہیں "ایمان" اور "عملِ صالح"۔ پورے قرآن میں یہ دو لفظ سب سے زیادہ استعمال ہوئے ہیں۔

یہاں تک کہ یہ مشہور سورہ ....

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ •

”وَالْعَصْرِ ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهِۦٓ اِلَآ ذَلِیۡنَ ؕ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلٰحٰتِ وَتَوَّصَّوْا بِالْحَقِّ ؕ وَتَوَّصَّوْا بِالصَّبْرِ ؕ“ (سورۃ العصر نمبر ۱۰۳)

زمانہ گواہ ہے، زمانے کی کروٹیں گواہ ہیں، زمانے کے تغیرات گواہ ہیں عصر کا وقت گواہ ہے۔ عصر کا معنی جو بھی آپ لیں۔

یعنی ”وقت کی قسم، زمانے کی قسم، عصر کی قسم، انسان خسار

میں ہے۔ سوائے لوگوں کے جو ایمان لائے اور عملِ صالح

بجالائے، اور حق (سے تمسک رکھنے کی) تلقین کرتے رہے،

اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔“

اس چھوٹے سے سورے میں قرآن کے ہی گفتگو ہے۔ ایمان اور عملِ صالح

ورنہ خسارہ ہے۔ بالکل طے ہو رہا، بلا استثناء اگر عملِ صالح نہ ہو اور ایمان نہ ہو

تو انسان خسارے میں ہے۔ اور قسم کھا کے زمانے کی، وَالْعَصْرِ .....“

کہ صاحبانِ ایمان نے حق کا تواضع کیا ہے، صبر کا تواضع کیا ہے۔۔۔۔۔

ایک دوسرے سے جب ملتے ہیں تو کہتے ہیں۔ دیکھو! حق پر رہنا۔ ایک دوسرے سے

کس کی مرضی سے اپنی خواہش نفس پر اپنی ذاتی خواہش پر اگر ایسا ہو تو پھر نظامِ عالم ہی درہم و برہم ہو جاتے، اس لیے کسی ملک کا نظامِ قانون اس امر کی اجازت نہیں دیتا کہ آپ جس کو اچھا سمجھیں قانون بھی اُسکو اچھا سمجھے کسی ملک کا قانون یہ اجازت نہیں دیتا کہ تمام شہری اپنی اپنی مرضی کے مطابق کام کریں اور یہ کہیں کہ یہ تو آزادی ہے، قانون میں یہ نہیں ہے کہ ایک کی آزادی کو دوسرا چھین اس لیے یہ لازمی ہے کہ کوئی معیار چاہیے عملِ صالح کے لیے گفتگو پہلے عملِ صالح کی ہے ”وَهُوَ مُؤْمِنٌ“ دراصل یہ کہ وہ مومن ہو۔ عملِ صالح مرنے سے یعنی عطا کرنے کا۔ دکھائی دیتا ہے اور ایمان ”عِزُّ مَرْنِ“ عطا کرنے کا، یعنی دکھائی نہیں ہے۔ یعنی ایمان کی بنیاد پر انسان کی Same ایمان کی بنیاد تک اگر ایمان کے Foundation بنیاد تک ایک عملِ صالح کی عمارت کھڑی ہو اگر ایمان کی بنیاد پر یہ عملِ صالح کی عمارت ہے تو سن لو، اُس کو ”حیاتِ طیبہ“ ایسی عطا کریں گے کہ نہ وہ ایمان فنا ہوگا، نہ وہ عملِ صالح فنا ہوگا۔۔۔۔۔ صلوات۔۔۔۔۔ عملِ صالح ایمان کی بنیاد پر، ایمان دکھائی نہیں دیتا، یعنی نظر نہیں آتا، ظاہر ہے جب گھر کی بنیاد رکھی جاتی ہے تو گھر پر نظر کرنے والے بنیاد کو نہیں دیکھتے ہمیشہ بنیاد کہتے ہی اُس کو ہیں جو چھپا دی جاتے، حالانکہ سب سے زیادہ مہم (اہم) بنیاد ہے۔ عمارت کا مہم ترین حصہ بنیاد ہے لیکن وہی مہم ترین حصہ عمارت کا بنیاد ہے اور وہ ڈھکی چھپی ہوئی ہے، آپ نے دیواروں کو دیکھا، آپ نے اُسکی تکمیل شدہ حالت کو دیکھا۔۔۔۔۔ عملِ صالح آپ کو نظر آیا، ایمان نظر نہیں آیا مگر یہ حقیقت ہے کہ آپ عملِ صالح کو دیکھ کر ایمان کا پتہ چلا سکتے ہیں کتنی شاندار عمارت بنی ہے۔ اس کی کوئی معمولی بنیاد نہ ہوگی، بڑی گہری بنیادیں ہوں گی، بڑی عمیق بنیادیں ہوں گی، بڑی دور رس بنیادیں ہوں گی۔ یقیناً آپ اندازہ کریں گے



بولتے ہیں، ہم بھی غیبت نہیں کرتے، ہم بھی چوری نہیں کرتے، ہم بھی کسی پر ظلم نہیں کرتے، ہم بھی کسی کا حق نہیں چھینتے۔۔۔ کیا ساری گفتگو اسی انداز میں لی جائے کہ جو عمل صالح اُن کے پاس ہے، وہی عمل صالح ہمارے پاس ہے۔۔۔۔۔ اور اگر نہیں تو ایک امر کا فیصلہ کر کے جانا پڑے گا، وہ یہ کہ ممکن ہے۔۔۔۔۔ عمل کی صورتیں ملتی جلتی ہوں، لیکن، قرآن یہ کہتا ہے کہ ”انسان خسارے میں ہے“ سوائے اس کے جو عمل صالح بجالائے۔ تو ہم سب کے عمل کو قبول کر لیتے۔۔۔۔۔ یعنی صرف قرآن یہ کہتا ہے، عمل صالح جو کرتے ہیں وہ خسارے میں نہیں ہیں۔۔۔۔۔ اگر یہ کہا جاتا تو ہم گھبرا جاتے، اس لیے قید لگائی ”ایمان“ کی، تاکہ کوئی اور یہ نہ کہے کہ جو ہم کر رہے ہیں، وہی عمل صالح ہے، ہم کہیں گے، ہوگا۔۔۔ پہلے یہ تو بتاؤ ایمان بھی ہے یا نہیں۔؟ جس تاریکی میں دنیا آج ہے، جس اندھیرے میں دنیا آج ہے، اس اندھیرے میں دیکھنا، اور دیکھ کر نیک و بد کی تمیز کرنا بڑا مشکل ہے۔

نظر آئے گا کیا ظلمت کدے میں چشم حیراں کو

اندھیرے کا اجالا جانے خواب پریشاں کو

یہ آپ خواب پریشاں دیکھ رہے ہیں۔ آنکھیں بند ہیں اور اندھیرے میں دیکھ رہے ہیں، اُس اندھیرے میں آپ کے لیے اجالا نظر آ رہا ہے۔ آپ اُس اُجالے کو ہم مسلط نہیں کر سکتے، اس لیے نہیں کر سکتے کہ وہ عمل ہے، لیکن ایمان نہیں ہے۔ بنیاد میں ایمان نہیں ہے۔ اور یہاں عمل ایمان کی بنیاد پر ہے۔۔۔۔۔ عمل ایمان کی بنیاد پر ہو تو پھر اُس کو عمل صالح کہیں گے۔۔۔۔۔ دیکھیے! بڑی اہم فکر ہے یہ۔۔۔۔۔ سب سچے ہیں، سب نیک ہیں، سب حق نہیں چھینتے، سب غیبت نہیں کرتے، سب وقت کے پابند ہیں، سب چاہتے کہیں کہ اپنا کام وقت سے کریں۔۔۔۔۔ تو کیا سب کو قبول کر لیں؟

جب ملتے ہیں تو کہتے ہیں: دیکھو! حق پر رہنا اور صبر کرنا۔ اس کو کہتے ہیں تواضع گویا ایک سے ایک تک پیغام پہنچے۔ اس کو کہتے ہیں تواضی (تواضع)۔۔۔۔۔ ”وَتَوَاصُوا بِالْحَقِّ ۖ وَتَوَاصُوا بِالصَّبْرِ“۔۔۔۔۔

ایمان اور عمل صالح پر قرآن مجید میں مختلف مقامات پر گفتگو ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں آپ کو پھر اُسی جگہ پر واپس لا رہا ہوں کہ اُس کا (Criteria) معیار کیا ہے؟ عمل صالح کا معیار کیا ہے، یعنی ہر شخص جو راہ بتانے کا دعویٰ کر کے آگے آجائے اور آپ سے کہے کہ تم اس طرح سے کام کیا کرو۔ کیا وہ عمل صالح ہے؟ ہر وہ شخص جو اپنے آپ کو رہبر بتائے اور اگر وہ یہ کہے کہ وہ تو عمل صالح پر گفتگو نہیں کرتا، تم مجھ سے متمسک رہو، مجھ سے پیٹے رہو، دل میں صرف میرا دھیان رکھو اور صرف مرث کا خیال رکھنا، کیا اس دھیان اور خیال کا نام ایمان ہے؟ آخر ایمان اور عمل صالح کا معیار کیا ہے؟ یعنی اتنا عمل۔۔۔۔۔ صالح ہو کہ انسان یہ سمجھ کہ یہ صاحب ایمان ہے۔۔۔۔۔ مگر عمل صالح کیا ہو؟

دنیا کی ہر قوم اپنے پاس اپنے کچھ اعمال رکھتی ہے اور کہتی ہے کہ یہی عمل صالح ہے۔ دنیا کا ہر انسان، وہ دھریہ ہی سہی، لا مذہب سہی، بے دین سہی، خدا بیزار سہی، دین دشمن سہی، لیکن وہ کہتا ہے کہ یہ عمل صالح ہے۔ تو کیا آپ اُس کو تسلیم کر لیں گے بحیثیت مسلمان کے۔ آپ نے دیکھا، آپ کا دل گواہی دے گا اگر آپ کلمہ پڑھتے ہیں۔۔۔۔۔ جو حکم نبی لائے، اور جس حکم پر نبی عمل کرنے کو کہیں، وہ ہے ”عمل صالح“۔۔۔۔۔ ! صلوات

بحیثیت مسلمان کے آپ کو یہ فیصلہ کرنا پڑے گا، ورنہ وہ لامذہبی حکومتیں بھی دنیا میں قائم ہیں جن کا کوئی دین نہیں ہے، مگر وہ بھی یہ کہتے ہیں کہ ہم بھی عمل صالح کرتے ہیں، نیک کام ہم بھی کرتے ہیں۔ سچ ہم بھی



مرضی سے جاتے ہیں، پھر اُس کی مرضی پر جیتے کیوں نہیں ہیں..... اُس کی مرضی پر زندگی کیوں نہیں ہے..... اس میں کیا نقصان ہے..... ایک وہ ہے جس کا کوئی مذہب نہیں ہے، اور کہتا ہے میں بھی سچ بولتا ہوں، میں بھی صبح کو اٹھتا ہوں میں بھی حق نہیں چھینتا ہوں، میں بھی غیبت نہیں کرتا ہوں، میں کسی کا مال نہیں کھاتا ہوں، میں بھی کوئی اگر مانگے تو دے دیتا ہوں..... اور اگر دوسرا شخص کہے کہ میں اللہ کو مانتا ہوں، رسول کو مانتا ہوں، اُن کے حکم پر چلتا ہوں، میں بھی جھوٹ نہیں بولتا، میں بھی کسی کا حق نہیں چھینتا، میں بھی غیبت نہیں کرتا، میں بھی کسی کا مال نہیں چھینتا، نہیں کھاتا، میں بھی کوئی اگر مانگے تو دیدیتا ہوں تو ان دونوں میں نجات سے قریب تر کون ہے؟

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ابن ابی العوجہ سے بھی کہا تھا کہ: اے ابن ابی العوجہ! مباحث تو بہت طویل ہیں اور اگر تو اپنے کو نیک سمجھتا ہے اور کوئی مذہبی انسان اپنے کو نیک سمجھے اور تو یہ سمجھتا ہے کہ قیامت نہیں ہے، اور اگر قیامت ہوگئی..... یہ بتا، خسارے میں کون ہے؟ وہی نقصان میں ہے نا کہ جس نے معبود کا انکار کر دیا تھا..... وہی عمل صالح ایمان کے ساتھ جو اُس کو جنت میں لے جاتے، وہی عمل صالح بغیر ایمان کے اُس کو جہنم میں ڈھکیل دے..... عمل کی بنیاد پر جنت اور جہنم نہیں ہے۔ جب تک کہ عمل ایمان پر نہ ہو..... کل کی تقبیر میں متیقین کی تعریف کر رہا تھا۔ "حیاتِ طیبہ"..... حفاظتِ ذات ہے... اور حفاظتِ ذات تقویٰ ہے۔ تقوٰے کی منزل میں پہلی صورت یہ ہے جس کی طرف قرآن کے ابتداء ہی میں اشارہ ہے:

"هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ"

اور اس کے بعد عمل ہے۔ "وَلْيُقِيمُوا الصَّلَاةَ" پہلے غیب پر ایمان لاؤ

اس لیے قبول نہیں کریں گے کہ اگر بنیاد میں خالق کا تصور نہ ہو، اگر بنیاد میں خالق کا پیغام پہنچانے والوں کا تصور نہ ہو، اگر بنیاد میں خالق کے پیغام پہنچانے والوں کے پیغام کا تصور نہ ہو اور پھر یہ کہے کہ ان تمام چیزوں کے بغیر ہم عمل کرتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ نیکی، نیکی نہیں جس کی بنیاد بُرائی پر ہو، مثال موجود ہے تاریخ میں۔ نام نہیں لوں گا کہ کہاں، کس مقام پر یہ واقعہ ہوا۔ آپ ہی پر مربوط کر کے کہوں، نانائی کی دکان پر جا کر اگر آپ تین روٹیاں چرائیں اور اللہ کی راہ میں دے دیں، اور جب آپ سے بحث کی جائے تو آپ یہ جواب دیں کہ تین روٹیاں میں نے چرائیں، اس کی سزائیں بھی تین، مگر جب راہِ خدا میں دے دیا، ایک کا صلہ چوبیس دس میں ملتا ہے بقول قرآن:

"مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ مَثَلٍ هَكَذَا" (سورہ انعام آیت ۱۶)

(جو ایک نیکی کیا تھا آئیگا، تو اُس کے لیے دس گنا (ثواب) ہے۔

اس لیے تیس نیکیاں ملیں۔ تیس میں سے تین کو تفریق کر دو۔ ستائیس کا پھر بھی فائدہ رہا..... اگر یہ ہے بنیاد فکر، تو بڑی شدید زحمت ہوگی، چوری کی بنیاد پر دیانت نہیں، جھوٹ کی بنیاد پر صداقت نہیں، بُزدلی کی بنیاد پر شجاعت نہیں..... بنیادوں کو دیکھنا کہ بنیاد کیا ہے... میں ہوں، میری مرضی ہے میں نہیں آیا..... دوسری تقریر میں عرض کر چکا ہوں، میں ہوں لیکن اپنی مرضی سے نہیں جاؤں گا۔

لائی حیات، آئے، قضاے چلی، چلے

اپنی خوشی سے آئے نہ اپنی خوشی چلے

جب اپنی خوشی سے نہیں آتے، جب اپنی خوشی سے نہیں جاتے ہیں تو ظاہر ہے کہ کسی اور کی خوشی ہے کسی اور کی مرضی ہے جس کی مرضی سے آتے ہیں اور جس کی



نہ ایمان نظر آتا ہے، نہ غیب۔ آپ کی نظر عمل پر گئی۔ ہم سب کو دیکھتے ہیں اور اللہ سب کو عمل صالح پر قائم رکھے، لیکن ہم یہ دعاء کریں کہ اللہ ان کو ایمان کی دولت سے بھی مالا مال کرے۔ تو یہ بڑی اچھی دعاء ہے۔ بڑی نیک دعاء ہے۔ ایک عجیب بات ہے کہ مکان بن جائے اور مکان بن جانے کے بعد یہ پتہ چلے کہ بنیاد غلط تھی۔ ہر آن خطرہ ہے۔۔۔ کسی نہ کسی دن یہ گھر بیٹھ جائے گا، ہر آن یہ خطرہ ہے کہ یہ گھر گر جائے گا۔ دین و دیانت میں عمل پر عمل ہو، اور اگر ایمان نہ ہو اور کسی نے ذرہ برابر بھی شک ڈال دیا کہ تم یہ کیا کر رہے ہو، چونکہ بنیاد مستحکم نہیں ہے اس لیے ہر شک میں یہ عمارت گرے گی، یہ عمل صالح کی عمارت ہر شک پر گرے گی، جب کبھی آپ کو شبہ ہوگا، عمارت گرے گی۔۔۔ اس لیے ایمان کی ضرورت ہے۔ اور ایمان کی منزل یہ ہے مسئلہ موجود ہے۔۔۔ کافر ہے، نجس ہے، اور عمل صالح کو جانے، نہ ایمان کو جانے۔ کافی زندگی گزار دی ہے۔ ایک مرتبہ کہا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، ایک مرتبہ کہا: مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ، کلمۃ طیبہ زبان سے نکلا فقہاء کیا حکم لگا رہے ہیں۔ نجاست کیا ہوئی، ماضی کے گناہوں سے پاک ہوا یا نہیں؟۔۔۔ ایمان کسی منزل پر آجائے، بنیاد صحیح بن جاتا ہے۔۔۔۔۔ تو ہر حال میں اپنے پچھلے جملوں پر واپس آ جاؤں۔۔۔۔۔ یہ عمل صالح یہ ایمان کسی کی رہبری میں ہونا؟!۔۔۔ کوئی راہ بتلائے، کوئی بتائے کہ عمل میں نے کیا، کوئی بتلائے یہ ایمان میرا ایمان ہے۔۔۔ میں سمجھتا ہوں، ملت اسلامیہ میں یہ ایک ہی کواختاری ہے، مسلمانوں میں ایک ہی سند ہے جو بتلائے کہ یہ عمل صالح ہے، یہ ایمان ٹھیک ہے۔ وہ اختاری احمد حجتی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔۔۔۔۔ وہ انسان کامل ایک پیغام لائے، اور یہ کہے عمل ہے۔۔۔ ممکن ہے اس عمل کی صراحت پوری طرح سے قرآن میں نہ ہو، ممکن ہے

قرآن میں نماز کی رکعتوں کا بیان نہ ہو، ذکر نماز ہو۔ ممکن ہے پورا ارکان حج نہ ہوں، ہاں ذکر حج ہو، ممکن ہے زکوٰۃ کا نصاب نہ ہو، ذکر زکوٰۃ ہو، اور نبی اسلام بیان فرمائیں، تو اسے تسلیم کرنا اس لیے ضروری ہے کہ انھیں بھیجا ہی گیا ہے اسی لیے: "مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ" (سورۃ نسا آیت ۵۸) (جس نے رسول کی اطاعت کی، اُس نے اللہ کی اطاعت کی)

لیکن ایک منزل، کوئی مقام ایسا بھی ہے کہ کسی کے عمل کو دیکھتے دیکھتے، آزماتے آزماتے، امتحان کی ہر منزل پر اس کو لاکر رسولؐ نے یہ کہا ہو کہ میں نے اس کے عمل کو ہر مقام پر آزمایا ہے۔۔۔۔۔ دعوت ذوالعشرہ میں آزمایا۔۔۔۔۔ ہجرت کی رات آزمایا۔۔۔۔۔ بدر میں آزمایا۔۔۔۔۔ اُحد میں آزمایا۔۔۔۔۔ خیبر میں آزمایا۔۔۔۔۔ خندق میں آزمایا۔۔۔۔۔ اور اب ہر منزل پر آزمانے کے بعد کہتا ہوں کہ وہ دشمن خدا کُل کُفر ہے اور یہ جسے آزمایا جا چکا ہے، یہ کُل ایمان ہے۔ "بَرَزَ الْإِيمَانُ كُفْرَهُ إِلَى الْكُفْرِ كُلِّهِ"۔۔۔۔۔ عمل صالح کو آزمایا، اور لکھنے والوں نے لکھا کہ یہ کُل کُفر کے مقابلے میں ایمان کُل گیا۔ کچھ اور بھی کہ دیا۔ ایمان کُل اس لیے کہ اس کا جسم عمل صالح بنا ہوا تھا۔ کوئی منزل ایسی نہیں تھی کہ جس میں خلاف حکم خدا و رسولؐ اس سے کوئی امر صادر ہوا ہو، کوئی منزل ایسی نہ تھی جہاں اُس کے متعلق یہ سمجھا جائے کہ اُس نے اپنی مرضی سے، اپنی انا سے کام کیا ہو، خود اُس نے دعویٰ کیا "فَقُمْتُ بِالْأَمْرِ حَيِّنَ فَشِلُّوا" میں نے اُس وقت قیام کیا جب سب متفرق تھے، کس دن؟ اُس دن، جس دن پیغمبرؐ اسلام نے کہا: "إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ" (میں اللہ کا رسول ہوں) کفار نے کہا: کوئی معجزہ لائیے۔۔۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: معجزہ کیا چاہتے ہو؟



لوگوں نے کہا: یہ سامنے جو درخت ہے، یہ اڑتا ہوا آجائے۔۔۔ آپ نے اشارہ کیا: درخت اڑتا ہوا آپ کے نزدیک آیا۔ ہنچ البلاء غم میں یہ معجزہ موجود ہے امیر المؤمنین علیؑ فرماتے ہیں، یا رسول اللہ کہنے والا پہلا شخص میں ہوں۔ میں نے گواہی دی، اور اس شہادت کی منزل پر کافروں نے رسول خدا سے پوچھا: هَلْ يُصَدِّقُكَ إِلَّا مِثْلُ هَذَا الصَّبِيِّ (اس بچے کے علاوہ بھی کوئی تصدیق کرنے والا ہے) پھر فرماتے ہیں، میں نے اس وقت قیام کیا جب سب متفرق تھے۔۔۔۔۔ میں نے اپنے سر کو اس وقت بلند کیا جب سب کے سر جھکے ہوئے تھے یہ دعوت ذوالعشرہ ہے۔ رسول پوچھ رہے تھے: ہے کوئی میری مدد کرنے والا؟ سب چپ تھے اور میں نے کھڑے ہو کر کہا تھا: میں مدد کروں گا۔۔۔۔۔ اور میں نے بے اختیار کلام کیا جب سب گونگے تھے۔ وَمَصْنُوتُ بَنُو رَسُولِ اللَّهِ حِينَ وَقَعُوا، اور جب سب رک گئے، میں آگے بڑھ گیا۔۔۔۔۔ عمرو بن عبدود نے آوازی: ہے کوئی محمدؐ کے لشکر سے نکلنے والا؟ سب کے سب پیغمبر کے پیچھے تھے، اور کسی نے کہا: یا رسول اللہ ہم نے بڑے بڑے معرکوں میں دیکھا ہے، یہ بڑا پہلوان ہے۔۔۔ رسول خدا نے فرمایا: پھر اب کیا ہو؟ بے اختیار اس صاحبِ عمل صالح نے کہا: "أَنَا"۔۔۔ یعنی: اس کے لیے میں کافی ہوں۔۔۔ پیغمبر نے فرمایا:۔۔۔ "یا علی! وہ عمرو بن عبدود ہے۔۔۔ (علیؑ نے) آپؐ نے فرمایا: أَنَا ابْنُ عَلِيٍّ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ: (یا رسول اللہ) میں بھی تو علیؑ ابن ابی طالب ہوں اور میں اللہ کا نام لیکر چلا۔۔۔۔۔ جب سب رک گئے۔۔۔۔۔ اور ادھر پیغمبرؐ کو کہنا پڑا: بَرَزَ الْإِيمَانُ كُلَّهُ إِلَى الْكَفَرِ كُلِّهِ "کل ایمان

کل کفر کے مقابل میں جا رہا ہے۔۔۔۔۔ علیؑ کی ذات گرامی کو ایمان بتایا۔۔۔۔۔ میری تقریر ختم ہو گئی۔۔۔۔۔ اس کے آگے کا جملہ ہے کہ جہاں سے کل آگے بڑھنا پڑے گا۔۔۔۔۔ ایمان کل بنایا ذات گرامی علیؑ کو، اور تم سب کے لیے خواہش تھی کہ دیکھو! نجات اُسی کے لیے ہے کہ جہاں علیؑ صالح کے ساتھ ایمان ہو تو ہر ایک علیؑ نہیں بن سکتا۔۔۔۔۔ اسی لیے کہا: حُبِّ عَلِيٍّ إِيْمَانٌ "علیؑ کی محبت ایمان ہے۔۔۔۔۔ اب زمانے کے دھارے پر جہاں جہاں یہ محبت جاتے۔۔۔۔۔ کسی کے لیے تخصیص نہیں ہے، کسی بھی طبقے سے رہو۔۔۔۔۔ کسی بھی مکتبہ خیال سے رہو۔۔۔۔۔ کوئی آپ کی فقہ سہی۔۔۔۔۔ مگر علیؑ کی محبت نہ چھوڑو۔۔۔۔۔ زمانہ اپنے اپنے عمر و ابن عبدود کو لیکر آچکا۔۔۔۔۔ زمانہ اپنے اپنے مرحبوں کو لیکر آچکا۔۔۔۔۔ ان کی (علیؑ کی) محبت اس لیے لازم ہے۔۔۔۔۔ مسلمانوں نے کبھی انکار نہیں کیا۔۔۔۔۔ مسلمانوں نے تو بڑا احترام کیا، سب کو رضی اللہ عنہ کہا، لیکن ان کو کرم اللہ وجہہ کہا۔۔۔۔۔ ان کی محبت بنیاد بنے، بنیاد میں آل محمدؐ کی محبت۔۔۔۔۔ اسی بنیاد میں حسن اور حسین کی محبت۔۔۔۔۔ اسی بنیاد میں محمدؐ کے گھرانے سے محبت۔۔۔۔۔ اور اگر نگاہیں بدل جائیں تو یاد رکھو! یہی طاقتیں آگے بڑھ کر آوازیں گئیں۔۔۔۔۔ ہم بدکار بدل کر بلائیں لے رہے ہیں۔۔۔۔۔ اس لیے اپنے دلوں کو آئینہ بنادو، اس کو جلا دو، جہاں ہو جس مقام پر ہو مستقل رہو، ربط اور ایک ایسے انسان سے ربط کہ جہاں تصوف کی راہیں ختم ہو رہی ہوں۔۔۔۔۔ جہاں معرفت کی راہیں ختم ہو رہی ہوں۔۔۔۔۔ جہاں ذوق و وجد کے امکانات ختم ہو رہے ہوں۔۔۔۔۔ اس منزل پر پہنچو اور دیکھو، تو پتہ چلے گا کہ تمام علمائے اسلام نے لکھا کہ علیؑ کی محبت ایمان



علیؑ کی دشمنی کفر و نفاق ہے خصوصاً صاحب صحیح مسلمؒ نے واضح طور پر اس حدیث کو لکھا ہے۔ اُن کی محبت ایمان ہے۔۔۔۔۔ تو آج ایسی منزل پر اس محبت کی تجدید ہو۔۔۔۔۔ اُس محبت کو تازہ کیا جائے، آئینے پر چلا دی جائے اور یہ کہا جائے کہ ہم وہی مذکرے کریں گے جو اس گھرانے کے مذکرے ہیں۔۔۔۔۔ جہاں شجاعت ہے۔۔۔۔۔ جہاں صداقت ہے۔۔۔۔۔ جہاں عمل صالح ہے، جہاں زندگی ایمان کے ساتھ ساتھ اپنے کمال پر ہے۔

عمل صالح کی منزل پر کہا گیا کہ علیؑ اگر زندہ نہ جاتے تو حسن و حسین کی طرح پھر دو بھائی امام ہوتے۔ عمل صالح کی یہ منزل اور شجاعت کی یہ منزل، بابا! جب ہم حق پر ہیں تو موت سے کیا ڈر۔۔۔۔۔ علیؑ اکبرؑ یاد آئے۔ ظاہر ہے آج اسی شہزادے پر گفتگو ہوگی۔۔۔۔۔ علیؑ۔۔۔۔۔ علیؑ۔۔۔۔۔ جتنے بیٹے پیدا ہوتے سب کا نام حسینؑ نے علیؑ رکھا۔۔۔۔۔ علیؑ ابنِ الحسینؑ "زین العابدینؑ"۔ علیؑ اکبرؑ، اُمّ لیلیٰ کے لال۔ علیؑ اکبرؑ وہ چھ مہینے کا بچہ۔۔۔۔۔ (اُمّ ربابؑ کے دل کی کلی)

علیؑ اکبرؑ وہ شہزادے ہیں جو آج بھی اپنے پدر گرامی کے ساتھ آرام کر رہے ہیں۔۔۔۔۔ قبر کہیں الگ نہیں بنی ہے۔۔۔۔۔ حسینؑ نے آج تک سینے سے لگا رکھا ہے، خدا کرے کہ آپ کو زیارت نصیب ہو۔۔۔۔۔ یہ چھ گوشوں کی قبر ہے۔۔۔۔۔ علیؑ اکبرؑ پاس ہی آرام کر رہے ہیں اور جب کوئی ذکر مسلسل ذکر کرتا ہے، تو ذکر کو اشارہ بھی ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔ میرے علیؑ اکبرؑ کا حال تو بیان کر۔۔۔۔۔ شہزادی زینبؑ نے رخصت دی۔ (ابھی نشتر پاک میں یہ گفتگو تھی)۔

اجازت دی، بھائی کو سفارش عطا کی، مگر یہ کہتے ہوئے کیوں علیؑ اکبرؑ؟ کیا میں نے اسی دن کے لیے پالا تھا۔۔۔۔۔ تم مجھے داغِ مفارقت دو گے۔۔۔؟

علیؑ اکبرؑ! میں نے تمہارے لیے عونؑ و محمدؑ کو ترسان کر دیا۔۔۔۔۔ علیؑ اکبرؑ! بھائی کی خواہش ہے جاؤ میں نہیں روکتی۔۔۔۔۔ حسینؑ آنکھ میں آنسو لیے ہوئے فرزند کا ہاتھ تھامے ہوئے باہر آئے۔۔۔۔۔ بیٹے نے اجازت مانگی۔ کہا: بابا! اب میں جاؤں؟۔۔۔۔۔ کہا: نہیں میرے لال! ابھی کچھ اور میرا فریضہ باقی ہے۔۔۔۔۔ یہ کہہ کر علیؑ اکبرؑ کو اپنے خیمے میں لائے، اپنے ہاتھ سے تبرکات کے صندوق کو کھولا، نانا کا عمامہ نکالا، علیؑ اکبرؑ کو پہنایا۔۔۔۔۔ نانا کی عبائے نکالی، علیؑ اکبرؑ کو پہنائی، نانا کے اسلحہ جنگ سے علیؑ اکبرؑ کو سجایا، سرے لیکر پاؤں تک دیکھا، اور کہا: علیؑ اکبرؑ!

”وَكُنَّا إِذَا اشْقَيْنَا اِلٰی نَبِيْنَا فَنَظُرْنَا اِلٰی وَجْهِكَ“

جب کبھی نانا یاد آتے (علیؑ اکبرؑ) ہم تم کو دیکھا کرتے۔

ہم آج تم جارہے ہو، آؤ میرے لال میں تم کو سوار کروں۔۔۔۔۔ خیمے سے باہر آئے اور آوازی دی، یہ کوئی، میرے بیٹے کی سواری کالانے والا!۔۔۔۔۔ عقاب حاضر ہوا، علیؑ اکبرؑ چاہتے تھے، سوار ہو جائیں۔ حسینؑ ابنِ علیؑ نے بازو تھاما۔ علیؑ اکبرؑ نے ادب سے معذرت چاہی۔۔۔۔۔ کہا: مولّا! اب آپ آرام کریں۔۔۔۔۔ اب مجھے جانے دیں۔۔۔۔۔ انا کہا، علیؑ اکبرؑ! تم جارہے ہو۔۔۔۔۔ اچھا جاؤ۔۔۔۔۔ علیؑ اکبرؑ گھوڑے پر بیٹھے۔۔۔۔۔ حسینؑ نے ال مرتبہ آسمان کی طرف دیکھا اور اس آیت کی تلاوت کی:

”اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی اٰدَمَ وَ نُوحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهٖمَ وَّ اٰلَ عِمرٰنَ عَلٰی الْعٰلَمِیْنَ ؕ“ (آل عمران ۳۳)

”بیشک اللہ نے اصطفیٰ کیا آدمؑ کو نوحؑ کو اور آلِ ابراہیمؑ کو اور آلِ عمرانؑ کو عالمین پر۔“

پھر فرمایا: اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ عَلٰی هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ فَقَدْ بَرَزَ اِلَیْهِمْ



# مجلس ششم

۶ محرم ۱۳۹۲ ہجری مطابق ۲۲ مئی ۱۹۷۲ عیسوی

- ۱- حیاتِ لفظی تنفس پر موقوف ہے۔
- ۲- حیاتِ معنوی مستقلاتِ عقلی کو سمجھنا ہے۔
- ۳- سکمان اور ابو ذر کی حیاتِ معنوی۔
- ۴- موت، حیاتِ طیبہ کو نقصان نہیں پہنچاتی۔
- ۵- یگانہ کا ایک شعر میں نصیحت کرنا۔
- ۶- مومن، زندگی اور موت، اقبال کی نظریں۔
- ۷- پیارے صاحبِ رشید کے دو شعر۔
- ۸- شہادتِ حضرت علی اصغر علیہ السلام۔

أَشَبَّهُ النَّاسَ خُلُقًا وَخُلُقًا وَمَنْطِقًا بِرَسُولِكَ  
خداوند! تو گواہ رہنا (اب میں) اس قوم کی طرف اس فرزند کو

بھیج رہا ہوں جو لوگوں میں سب سے زیادہ صورت میں، سیرت میں  
گفتار میں تیرے رسول سے مشابہ ہے۔

لے اللہ! وَكُنَّا إِذَا اشْقَيْنَا إِلَى نَبِيِّكَ فَتَنَّا إِلَى وَجْهِهِ  
اور جب بھی کبھی میں تیرے نبی کی زیارت کا ارادہ کرتا تو اس  
کے چہرے کی طرف دیکھ لیا کرتا۔

پھر ایک مرتبہ عمر سعد کو دیکھا اور حسین نے آواز دی۔۔۔ خدا تیرے سلسلہ اولاد کو  
قطع کر دے، تو نے میرے بچے کی نسل کو قطع کر دیا۔

علی اکبرؑ کی طرف چلے۔۔۔ اک مرتبہ چاہا کہ مڑ کر بابا کو سلام کریں۔  
دیکھا، بابا خود آ رہے ہیں۔ علی اکبرؑ نے کہا: بابا! آپ کیوں آ رہے ہیں۔۔۔

حسینؑ نے کہا: علی اکبرؑ! تم نہیں جا رہے ہو میری جان جا رہی ہے۔ علی اکبرؑ  
آہستہ چلو، تاکہ جی بھر کے دیکھ لوں، علی اکبرؑ نے بھام فرس کو کھینچ لیا۔۔۔

قریب آئے۔۔۔ گھوڑے سے اترے، قدموں پر سر رکھ دیا، کہا: فرزندِ رسول!  
تشریف لیمائیں۔۔۔ اور یہ کہہ کر اور نزدیک آئے۔۔۔ اٹھارہ برس کا

بیٹا۔۔۔ بلند قامت۔۔۔ جب نزدیک آئے، ایسا معلوم ہوا کہ حسینؑ سے  
کچھ قد نکلتا ہوا ہے، آہستہ سے لبِ اقدس، گوشِ ہایوںِ امامت سے قریب

لائے۔۔۔ اور کچھ کہا، اور اب روانہ ہو گئے۔۔۔ حسینؑ چیخ مار کر روئے،  
پکار کر روئے۔ واپس آئے تو خیریت سے زینبؑ نے زور سے روکی وجہ پوچھی، تو فرمایا: ابہن!

علی اکبرؑ نے وصیت کی ہے کہ بابا میری لاش کو خیمے میں نہ لانا، میری ماں پریمی، میری ماں غر  
ہے۔ بابا! آپ سے میرا لاش نہ اٹھے گا۔ بابا۔!

(الْأَلَمَةُ اللَّهُ عَلَى قَوْمِ الظَّالِمِينَ)



سمجھ لوتا رہی میں ہے، جو نفس کھینچنے (آنے) کو بے سمجھ لو اس میں ایک مونجہ تجلی ہے۔ اس لیے کوشش یہی ہے کہ ہر آنے والا لمحہ گزشتہ لمحے سے بہتر ہو۔۔۔۔۔۔  
 اک ذرا سا اشارہ۔۔۔۔۔۔ ذرا سا اشارہ دیکھیے، نفاہر تو یہ مجلس کوئی اسکول نہیں ہے، مگر بباطن اس سے بڑھ کر کوئی درس گاہ نہیں۔۔۔۔۔۔ یہاں سے کیا آپ کو معلوم نہیں کیسے کیسے دل و دماغ منقلب ہو کر گئے ہیں۔ آپ کو نہیں معلوم کیسے کیسے سوچنے والے ان مجالس سے یہ سوچتے ہوئے گئے کہ جو کچھ کہا گیا ہے اگر وہ حق ہے تو ہمارا کیا مقام ہے۔۔۔۔۔۔ اسی موقع پر اور اسی بنا پر ہم کسی کے معیارِ رفہم کو اور بلند کریں۔۔۔۔۔۔ "صلوات۔"

"حیاتِ طیبہ" کے عنوان پر یہ چھٹی تقریر آپ کی سماعت کے لیے ہدیہ ہے۔ سانس لینا بیشک زندگی ہے۔ لغت میں حیات کے معنی یہی ہیں کہ: "سانس لینا" یہ حیات، حیاتِ لفظی ہے کہ ہم سانس لے رہے ہیں، مگر حیاتِ معنوی اسکو کہتے ہیں جو لفظ سے گذر کے معنی پر آئے۔ حیاتِ معنوی کا تقاضہ یہ ہے کہ آپ مفاہمِ کلیہ کو سمجھیں، آپ مستقلاتِ عقلیہ کو جانیں، آپ جو کچھ سمجھیں اُسے پھر سمجھا بھی سکیں، اور اس طرح سے یہ پیغام ایک سے دوسرے تک پہنچتے ہوئے ہم گہر ہو جائے۔۔۔۔۔۔ ہم حیاتِ طیبہ پر جب گفتگو کرتے ہیں تو حیاتِ طیبہ، حیاتِ ظاہری ہی نہیں، بلکہ حیاتِ باطنی ہے۔ وہ حیاتِ لفظی نہیں وہ حیاتِ معنوی ہے، وہ حیات، حیاتِ جسمی اور حیاتِ بدنی نہیں، حیاتِ روحی ہے۔ وہ حیات صرف رسمی نہیں بلکہ حیاتِ عقلی ہے۔۔۔۔۔۔ کہ جہاں انسان عقل و فہم و فکر و شعور و بطون کے ساتھ ساتھ اپنے اعلیٰ مدارج کو دیکھتا ہے، اور اس لیے دیکھتا ہے کہ جس کسی کو حیاتِ معنوی میسر آ جاتی ہے، وہ نمونے بن جاتے ہیں۔ مثال بن جاتے ہیں، دوسروں کے لیے محلِ فکر ہو جاتے ہیں۔ اک سلمان بھی ہیں،

## چھٹی مجلس حیاتِ طیبہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
 "مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْشَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ  
 فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَیٰوَةً طَيِّبَةًۖ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ  
 بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔" (سورہ نحل ۹۷)  
 (مرد ہو یا عورت میں سے، جو شخص نیک کام کرے گا اور وہ ایماندار بھی ہو، تو ہم اُسے (دنیا میں بھی) پاک و پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور (آخرت میں بھی) جو کچھ وہ کرتے تھے، اُس کا اچھے سے اچھا اجر و ثواب غطا فرمائیں گے۔)

آپ تمام حضرات کی تاملاتِ حیات کا شکریہ گزار رہی ہیں اور اسی ہمت افزائی کی بناء پر باوجودیکہ اپنے آپ کو ناقابلِ سمجھنا ہوں اس مجلس میں کچھ دیر کی اپنی حاضری کو اپنے لیے عزت جانوں۔۔۔۔۔۔ اور یہ یقین ہے کہ میری یہ حاضری کسی رسم کی بنا پر نہیں ہے، بلکہ قلباً باطن یہ پکارتا ہے کہ میری واحد تمنا یہ ہے کہ سننے والوں میں سے ایک عزیز بھی کسی ایک بات کو محسوس کرے تو مقصدِ تقریر حاصل ہو جائے۔  
 اس لیے یہ کوشش کی جاتی ہے کہ ہم ہمیشہ اپنی فکر کو سب سے بلند کریں۔۔۔۔۔۔ ہر آنِ بلندی، ہر لحظہ بلندی، ہر نفس بلندی۔۔۔۔۔۔ جو نفس بے مقصد گزر جائے



اک بوڑھی بھی ہیں، کھانے کو دونوں کے پاس کچھ نہیں ہے۔ فقروائے کی زندگی ہے، مگر حیات معنوی کا یہ عالم ہے کہ آج بھی اقبال ان دونوں کیلئے یہ کہتے ہیں

زسمائے کہ سودم بر درغیر  
سجودِ بوڑر و سلماتِ نیاید

”وہ پیشانی جو غم کے در پر میں جھکا رہا ہوں، اس پیشانی سے  
”سجودِ بوڑر و سلماتِ نیاید“ یعنی سلمات و بوڑر کے سجدے  
ادا نہیں کئے۔۔۔۔۔“

بہت کم مفکرین نے سلمان والوذکر کو یاد کیا ہے۔ مگر یہ آپ کے حکیم مشرق ہیں جو یہ سبق دے رہے ہیں کہ اگر اعلیٰ کلمات الہی پر نظر نہیں جاتی تو ان بندگان خاص کو دیکھو جن کے متعلق رسولؐ نے فرمایا تھا:

”مَا أَظَلَّتِ الْخَضِرَاءُ وَلَا أَقَلَّتِ الْغُبَرَاءُ أَصْدَقُ  
مِنْ أَبِي ذَرٍّ“

”آسمان نے سایہ نہیں کیا اور زمین نے اپنے آغوش کو وا نہیں کیا  
(سبلان و) البؤر جیسے صادق اللہیمہ انسانوں پر۔۔۔۔۔“

یہ وہ ہستیاں ہیں جن کی حیات معنوی، رسوم سے مبرا ہے، جسم و جسمانیّت سے مبرا ہے۔ آپ کی زندگی یہ ہے۔ (ایک مثال)۔۔ اگر کسی آپ کا نام پوچھا اور آپ کے پدر گرامی کا نام پوچھا، آپ یقیناً اپنے باپ دادا کا نام بتائیں گے مگر جب کسی نے سلمان سے پوچھا، تم کو اپنے باپ دادا کا نام معلوم ہے۔۔۔۔۔ کہتے ہیں، خوب معلوم ہے، سلمان ابنِ اسلام ابنِ اسلام۔۔۔۔۔ سلمان کو جو ناز ہے ان اضافتوں پر وہ ظاہری نسبتوں سے کہیں بلند ہے۔ اور یہی وہ منزل ہے جہاں رفعت ہی رفعت ہے۔ بوڈر کی منزلت بھی دیکھیے۔ جب

مولا علیؑ نے ابوذر کی طرف مُڑ کر دیکھا اور فرمایا:

”يَا أَبَا ذَرٍّ لَا يُسَلِّكَ إِلَيَّ الْحَقُّ وَلَا يُحْشِنُكَ الْحَقُّ  
الْبَاطِلُ“ اے ابوذر! تو مانوس نہ ہو گا مگر حق سے اور  
تو وحشت نہ کرے گا مگر باطل سے۔“

ابوذر کی ذات حق و باطل کا پیمانہ قرار پائی۔ جب غلاموں کا یہ درجہ ہو تو آفت کا کیا کہنا! ان کی ذات گرامی ایمان و کفر کے پہچانے کا پیمانہ بن جاتی ہے۔ حیاتِ معنوی کی فکر ہے، حیاتِ عقلانی کی فکر ہے، حیاتِ روحانی کی فکر ہے اور یہی وہ حیات ہے جسے حیاتِ تقویٰ کہتے ہیں، اور تمام الفاظ کو جمع کر کے قرآن نے کہا: ”یہ حیاتِ طیبہ“ ہے۔ . . . . حیاتِ طیبہ کو موت مَس نہیں کرتی، جس کو موت فنا نہیں کرتی، موت کی تعریف بہت واضح ہے، میر تقی میر نے کہا تھا :



موت ایک ماندگی کا وقفہ ہے  
یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

یہاں موت، حیاتِ طیبہ کو نقصان نہیں پہنچاتی۔ وہ زندگیاں اس  
شان سے ہم پر محیط ہو جاتی ہیں۔۔۔۔۔ جیسے طائرِ قفس سے چھوٹ کر فضا میں  
بہر طرف گھومے۔ بالکل اسی طرح وہ زندگی بھی جب قفسِ غصری مادی سے آزاد  
ہوتی ہے تو ساری کائنات پر چھا جاتی ہے۔۔۔۔۔ رجبیہ ابنِ مطاہر جن تک  
کر بلا میں تھے، فقط کر بلا میں تھے، لیکن جب دین کے لیے جان دیری تو اب وہ  
ایران میں بھی ہیں، عراق میں بھی ہیں، پاکستان میں بھی ہیں، افریقہ میں بھی ہیں۔  
ہر جگہ حبیب موجود ہیں۔۔۔۔۔ ہر جگہ حبیب کا تذکرہ ہے، ہر جگہ حبیب  
ہی حبیب۔

تو جب حیاتِ طیبہ اپنے آپ کو قفسِ غصری میں مقید نہیں چاہتی  
تو جب حیاتِ طیبہ قفسِ غصری سے آزاد ہوتی ہے، اس کے لیے آپ کیا کہتے  
ہیں۔۔۔۔۔ السَّلَامُ عَلَیْكَ يَا اَبَا عَبْدِ اللَّهِ وَعَلَى الْاُرْوَاحِ  
الَّتِیْ حَلَّتْ بِفَنَائِكَ لَے۔۔۔۔۔ الخ

سلام ہو آپ پر لے ابو عبد اللہ (الحسین) اور اُن روحوں پر

سلام ہو جو آپ کے آستانے پر تحلیل ہو گئی تھیں۔۔۔۔۔

آستانہ امامت پر جو روحیں تحلیل ہوئیں اُن کے لیے فنا نہیں ہے  
اُن کے لیے عدم نہیں، اُن کے لیے موت نہیں، اُن کی زندگی مکمل زندگی ہے۔  
بس یہی درس تو آپ کو مجلسوں میں دیا جاتا ہے۔ اسی کے لیے آپ کو  
مجلسوں میں بلایا جاتا ہے اور یہ درس دیا جاتا ہے کہ اپنی زندگیوں کو معنوی بناؤ

لے یہ پورا سلام اعمالِ عاشورا میں ہے

کسی لفظ کے طول میں معنی ہیں، شب کے طول میں سحر ہے، دنیا کے طول میں محشر ہے  
بالکل اسی طرح آپ کی فکر کے طول میں وہ لمحات ہیں جہاں آپ اپنی زندگی کو دائمی  
جاودانی اور غیر فانی بنا سکتے ہیں۔ ابھی وقت ہے، ابھی موسم ہے، ابھی مل بیٹھنے  
کی گنجائش ہے، غنیمت جانو۔۔۔۔۔ یکا نہ کہتے ہیں:

اُٹھو اے سونے والو! سر پہ دھوپ آئی قیامت کی  
کہیں یہ دن نہ ڈھل جائے نصیبِ دشمنان ہو کر

کہیں ایسا نہ ہو، اغیار اس سے فائدہ اٹھالیں اور ہم جو اس چوکھٹ پریشانی  
رکھتے رکھتے زندگی گزار رہے ہیں اور گزارنے کے عادی ہیں ہم ہی محروم ہو جائیں  
اور ایسا ہوا، شبِ عاشور بیعتِ اٹھالی اور چہرا غل کر دیا۔ بارہ سو آدمی بزمِ  
حسینی سے نکل کر چلے گئے۔ یہ مدینے سے ساتھ آئے تھے، یہ سمجھ کر آئے تھے کہ  
فاتحِ خیبر کا بیٹا ہے، فاتحِ بدر و حنین کا بیٹا ہے، اس حسین کی کبھی شکست  
نہیں ہو سکتی، لڑائی فتح ہوگی، لیکن شبِ عاشور جب حسین نے خطبہ دے کر  
چہرا غل بچھا دیے۔ خطبہ دیا کہ چلے جاؤ، کل صبح مجھے قتل کر دیا جائے گا۔  
بارہ سو آدمی جو ۲۸ رجب سے ساتھ تھے ۹ محرم کو چلے گئے مگر دس محرم  
کو ایک مسافر ادھر سے گذرا، جاتے جاتے کسی کی آواز سنی، پانی پلا دو۔۔۔۔۔  
اپنے ناقے سے شربِ آب لیکر دوڑا، پانی پلانے کی کوشش کی۔۔۔۔۔ آپ نے فرمایا:  
نہیں، پانی نہیں، میں تو اتنا محنت کر رہا ہوں۔۔۔۔۔ اُس نے کہا: نام؟۔۔۔۔۔  
آپ نے کہا: نام سے کیا کام ہے، اور پوچھا، کہاں کا ارادہ ہے؟۔۔۔۔۔ اُس نے  
کہا: نجف جا رہا ہوں۔۔۔۔۔ اتنا سننا تھا، حسین نے کہا: نجف جا کر کہنا ایک  
غریب آپ کو پکار رہا ہے۔ وقتِ ذبح اُس کی مدد کیجیے۔۔۔۔۔ یہ سنتے ہی اُس نے  
کہا: اب مجھے مرنے کی اجازت دیجیے اور یہ کہہ کر ایچ مرتبہ شکرِ بڑا پڑھ کر چل کر دیا

لے ایسے ایک واقعے کا ذکر "المجالس الرضیہ" میں ہے



حُجْرہ بن عدی کی منزل پر آتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ امیر المؤمنین جب کبھی ان کا تذکرہ کرتے تو بے اختیار آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑتے۔۔۔ مالکِ اشتر کی موت کی خبر جب آپ کو دی گئی۔۔۔ "یا علی! مالک کا انتقال ہو گیا۔۔۔ تو بے اختیار علی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔۔۔ مالک، میرا سیدھا ہاتھ تھا، مالک، میرا بازو تھا، مالک میرا دستِ راست تھا۔۔۔ معلوم ہے، مالک کون ہیں؟ مالک اشتر وہ ہیں جن کو دنیا نے ہر طرح سے لالچ دیا تھا کہ تم صفیقین کی لڑائی میں ادھر سے ادھر آ جاؤ، تو تم کو مالِ مال کر دیا جائیگا۔۔۔ مالک اشتر جواب دیتے تھے کہ علیؑ کے قدموں پر جان دے کر مجھے حیاتِ جاودانی مل جائے گی۔۔۔ خدا کی قسم، مالک اشتر نے وہی زندگی پائی۔ یہ وہ لوگ ہیں جو موت سے نہیں ڈرتے، جنہیں موت ڈرانہ سکی اور انہیں لوگوں کے لیے اقبال کو کہنا پڑا تھا:

بندۂ حق ضیغم و آہوست مرگ

یک مقام از صد مقام اوست مرگ

۔ اشدر کا بندہ شیر ہے، موت ہرن ہے۔ بندۂ حق کی ہزار منزلیں ہیں اُن منزلوں میں سے اک منزل موت بھی ہے۔

مختار بر مرگ اُن مردم تمام

بچو شاہینہ کہ افتد بر حمام

وہ کامل انسان موت پر حملہ کر دیتا ہے، موت حملہ نہیں کرتی اس طرح جیسے، عقاب، کبوتر پر حملہ آور ہوتا ہے۔

او خود اندیش مرگ اندیش نیست

مرگ آزاداں ز آنے بیش نیست

قتل ہو گیا اور شہیدوں میں اس کا بھی نام آگیا۔ بازہ سو آدمی اٹھ کر چلے گئے، اور باہر سے ایک آدمی آگیا، قتل ہو کر شہیدوں میں مل گیا۔۔۔ اب اُس کا مقام۔۔۔ امام عسکریؑ نے فرمایا:

"بِأَجْلِ أَنْتُمْ وَأَجْلِ طِبْتُمْ وَطَابَتِ الْأَرْضُ الَّتِي

فِيهَا دُفِنْتُمْ۔۔۔۔۔"

"تم پر میرے باپ اور ماں فدا ہوں، تم پاک و پاکیزہ ہو گئے

اور وہ زمین بھی پاکیزہ ہو گئی جس میں تم دفن ہو۔۔۔۔۔"

تم نے مدد کی ہے میرے پدر گرامی اور میرے جد بزرگوار کی۔۔۔۔۔

وہ وقت بھی گیا، وہ زمانہ بھی گیا، گفتگو ہر آن سیاق چاہتی ہے۔۔۔ اپنے آپ

کو سنبھالو، اپنے آپ کو درست کر لو کہ میں، رونا بھی، تڑپنا بھی اور آنسو بہانا

بھی ہے اور مجلسوں میں یہ سمجھ کے شریک ہو کہ حق ادا ہو جائے، ورنہ آپ کا

گھر آپ کے لیے بہت آرام دہ ہے، آپ اپنے گھروں کو جاسکتے ہیں کیس نے

روکا ہے۔ لیکن نہیں۔ یہ آپ آخر کیوں تکلیف اٹھا کر مجلسوں میں شریک

ہیں۔ یہ دنیا کی سمجھ میں نہیں آ سکتا۔۔۔۔۔ یگانہ کہتے ہیں:

ارے او جلنے والے کاش جلنا ہی تجھے آتا

یہ جلنا کوئی جلنا ہے کہ رہ جاتے دھواں ہو کر

دل نہیں چاہتا کہ یوں اکارت جائے وقت، ایک ایک دقیقہ کو

گراں جانو، ایک ایک نفس کو قدر، کالفس سمجھو، نفس یعنی سانس

اور نفس یعنی ذات، اگر نفس سمجھو تو سانس اور نفس سمجھو تو ذات۔

اس طرح ایک ایک نفس کو گراں (قیمتی) جاننے والے، ایک ایک نفس کو

اہم سمجھنے والے کبھی میثم بنتے ہیں، کبھی عمار بنتے ہیں، کبھی کبیل بنتے ہیں، اور



جب بادشاہان جہاں لڑتے ہیں تو وہ غارتگری ہے، مگر مومن  
کی جنگ پیغمبر اسلام کی سنت ہے۔۔۔ ارے جنگ ہی میں  
تو موت آتی ہے۔ اقبال کہتے ہیں:

گرچہ ہر مرگ است بر مومن شکر  
مرگِ پورِ مرتضیٰ چیز ہے دگر  
اگرچہ مومن کے لیے ہر طرح کی موت شکر ہے، شہر میں ہے لیکن مرتضیٰ  
کے بیٹے (حیثین) کی موت کچھ اور ہی چیز ہے۔ یعنی مرتضیٰ کے  
بیٹے کی موت کچھ اور موت ہے۔

اُنکے حرفِ شوق با اقوام گفت  
جنگ را رہبانی اسلام گفت

جس نے شوق کی باتیں اقوام عالم سے کیں... اور بتلایا۔ (دیکھیے بڑا اہم  
مسئلہ ہے) اگر یہ مسئلہ آج کی مجلس میں طے ہو جائے تو میں سمجھوں گا کہ کچھ  
اضافہ ہو گیا۔ اسلام میں رہبانیت جائز نہیں۔۔۔ اور اقبال جنگ کو رہبانیتِ اسلام  
کہہ رہے ہیں۔ رہبانیت کے معنی ہیں سب کو چھوڑ کر اللہ کی عبادت کے لیے کسی  
پہاڑ پر یا کسی حجرے میں جا کر بیٹھ جانا۔ اور اہل و عیال کو چھوڑ دینا۔ یہ حرام ہے اسلام میں  
لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَام۔ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے، مگر علامہ  
اقبال یہ کہتے ہیں کہ حیثین نے یہ کہا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔۔۔ اسلام کی رہبانیت  
ہے۔ یہاں اللہ کی عبادت کے لیے وہ اہل و عیال کو نہیں چھوڑتا، مگر اللہ کی  
راہ میں جان دینے کے لیے سب سے کنارہ کش ہو جاتا ہے پھر اقبال کہتے ہیں۔

لپس نداند جز شہید این نکته را  
او بہ خونِ خودِ خسرید این نکته را

وہ اپنے سے ڈرتا ہے کہ کہیں میرا قدم غلط نہ اٹھ جائے، وہ  
موت سے نہیں ڈرتا، آزاد مردوں کی موت ایک آن سے زیادہ  
نہیں ہوتی، ایک لمحے سے زیادہ نہیں ہوتی۔

ہر زماں میسد غلام از بیمِ مرگ  
زندگی او را حرام از بیمِ مرگ

اور غلام موت کے ڈر سے ہر لحظہ مرتا جاتا ہے، جیسے جیسے  
موت کا خیال آتا ہے، مرد غلام مرتا ہی جاتا ہے (مرد آزاد کے  
لیے تو موت ایک مرتبہ ہے) لیکن مرد غلام کیلئے ہر آن موت کے خون  
سے زندگی حرام ہوتی ہے۔

بندۂ حق خواہد از یزدانِ پاک  
آن دگر مرگے کہ بر گردد ز خاک

بندۂ حق اللہ سے دعا کرتا ہے کہ میرے مالک مجھے وہ موت دے  
جو خاک میں ملا دے، مجھے وہ موت دے جو خاک سے پھر لوں بل جاک  
آن دگر مرگ انتہائے راہِ شوق  
آخر میں تکبیر در جنگ گاہِ شوق

مومن وہ موت چاہتا ہے جو دوسری موت ہے، جو شوق کے  
میدانِ جنگ میں میسر ہوتی ہے، جو موت وجدان کے میدان میں میسر  
ہوتی ہے جو موفقت کے میدان میں میسر ہوتی ہے۔

اقبال کہتے ہیں:

جنگِ شاہانِ جہاں غارتگری  
جنگِ مومن سنتِ پیغمبری



پھر ایک اور سلام میں یہ کہا ہے :

کہتے کہتے کچھ، زبان بے زبانی رہ گئی  
تیرکھا کے سو گئے اصغر کہانی رہ گئی

شہزادہ علی اصغرؑ کے لیے بہت سے شعر کہے گئے ہیں۔ ایک اور سلام  
میں پیارے صاحبِ رشیدؑ نے ایک اور شعر بہت عجیب کہ دیا :

کہتی تھی ماں، قبریں اصغرؑ آیاتم کو چسین  
کیوں گلے کا زخم اچھا ہو گیا آتی ہے نیند

دل، اور اُمّ زبائبؑ کا دل، راوی کہتا ہے۔ جب آلِ محمدؑ قید سے  
چھوٹ کر اربعین کے روز کربلا آئے اور تین دن تک شہزادیاں ٹھہریں، خیمے  
ڈالے گئے، مجلسیں ہوئیں، ماتم ہوا۔ عابد بجا رہے..... کہا.....

پھوپھی اماں! وطن چلیے۔ فرمایا:..... بیٹا!..... تم امام ہو، حجتِ الہی ہو  
چلو، جیسی تمھاری مرضی۔ سواریاں آئیں، عماریاں تیار ہوئیں، بڑے ترک  
احترام سے تمام پیہیوں کو جنابِ زینبؑ نے خود سوار کیا۔۔۔ اپنی سواری کا  
وقت آیا۔ پردہٴ محل کو اٹھا، بھائی کی قبر کو دیکھا، آخری سلام کیا،  
اب جو بھائی کی قبر پر نظر گئی، دیکھا کوئی بی بی قبر حنین سے لپٹی ہوئی ہے۔

فرمایا بھادو مرے ناتے کو، ناقہ بٹھایا گیا، علیؑ کی بیٹی اُتری، دوڑ کر قبر کے  
پاس گئیں، کہا، کون ہے؟ ایمرتبہؑ سر کو بلند کر کے اُس بی بی نے کہا :  
شہزادی! میں ہوں حنین کی کینز اُمّ زبائبؑ، فرمایا: بھائی۔! آپ نہیں چلیں گی  
مدینے؟ رو کر کہا: شہزادی! مدینے میں میرا کون ہے۔ اللہ نے مجھے دوپکے دیے  
سکینہ قید خانہٴ شام میں سو گئی، میرا علی اصغرؑ یہاں ہے۔ یہ میرا والی میرے

آقا حنین کی قبر سے میں یہاں سے نہیں جاؤں گی.....  
رَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلٰی قَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ

پس اس راز کو سوائے شہید کے کوئی ہیں جان سکتا کیونکہ  
اُس نے اپنا خون دیکر اس کو خرید لیا ہے۔ ر کہ اسلام میں جہاد

رہبانیت ہے۔.....

۔۔۔ جہاں انسان راہِ حق میں آگے بڑھتا ہے اور جامِ شہادت نوش کرتا ہے  
اُس کو حیاتِ طیبہ سرفراز ہوتی ہے، حیاتِ معنوی سرفراز ہوتی ہے، حیاتِ عقلانی  
سرفراز ہوتی ہے۔ اس کے مارج ہیں، اب جو جس شان سے لڑے، اب جو جس  
رنگ سے لڑے، جو جس اہتمام سے لڑے۔ پانی بند ہو اور لڑے، لشکر ساتھ  
نہ ہو اور لڑے، بہتر کی تعداد ہو اور لڑے، ہزاروں کا مقابلہ ہو اور لڑے۔  
اس شہادتِ عظمیٰ پر نطفہ..... اس شہادت پر ایک کتاب حنین نے  
لکھ دی..... ۲۸ جب کو مدینے سے سفر کیا، ۳۰ شعبان کو مکہ پہنچے، چلتے  
وقت خطبہ دیا، مکہ میں خطبہ دیا، نویں محرم کو پھر خطبہ دیا، حنین نے ایک  
کتاب لکھی ہے جس میں ابواب قائم کیے۔ یہ باب شہادت قائم ہے۔ یہ باب  
شہادتِ عباسؑ ہے، یہ باب شہادتِ عونؑ و محمدؑ ہے، یہ باب شہادتِ علی اکبرؑ  
ہے۔ جب کتاب شہادت ختم کے قریب آئی تو اس کتاب شہادت کا آخری  
باب تھا..... چھ مہینے کے بچے کی شہادت۔

۶ محرم ہو چکی، ساتویں کی شب آگئی، ہمیشہ سے سنتے آتے ہیں  
جب محرم کی چھ آتی ہے تو علی اصغرؑ کا تذکرہ کرتے ہیں۔ پیارے صاحبِ رشیدؑ  
مروم، میریس کے نولے، مشہور شاعر، مشہور مرثیہ گو، مشہور رباعی گو شاعر  
بہترین سلام انھوں نے کہے ہیں۔ ایک سلام میں عجیب شعر کہا ہے :

یہ سمجھ کر لے گئے ہمراہ اصغرؑ کو حنین  
قید میں بانو سے یہ بچہ نہ پالا جائے گا



# مجلس، منقہ

محرم ۱۳۹۲ ہجری مطابق ۲۳ فروری ۱۹۷۲ء

- ۱- حیات و موت دلیل کے ساتھ ہو تو بہتر ہے۔
- ۲- حیاتِ طیبہ صرف سعادتِ فروی نہیں، بلکہ سعادتِ اجتماعی بھی ہوتی ہے۔
- ۳- بندہ مومن کے کام آؤ تا کہ مصیبت ٹل جائے۔
- ۴- جنگِ بدر کے موقع پر حضرت علی علیہ السلام کا پانی لانا۔
- ۵- حضرت علی علیہ السلام سے اُمّ البنین کا عقد۔
- ۶- حضرت عباس علیہ السلام کی ولادت اور طفلی



(بے تکلف) چلتا پھرتا ہے۔“

ہم اُس نور کو چاہتے ہیں جو اسی حیات میں ملے، ہم نے اُس کو حیاتِ دی اور نور بھی دیا۔ حیات اور حیاتِ نوری، حیاتِ عقلی، حیاتِ علمی، اُس حیاتِ طبعی سے بدرجہا بلند ہے۔۔۔۔۔ بدرجہا قابلِ ذکر ہے۔۔۔۔۔ اس لیے ہم حیاتِ نور کے طالب ہیں۔

حیات پر گفتگو کر رہے ہیں۔ ارشاد سوتا ہے :

”لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ  
حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ“ (سورة انفال ٤١ آيت ٤٢)

”جس کو مرنا ہو دلیل سے مرے، اور جس کو زندہ رہنا ہو وہ دلیل سے زندہ رہے۔“

تو ہمیشہ یاد رکھیے، حیاتِ حق، دلیل سے ہے، روشن ہے.....  
حیاتِ عقلی یہ نہیں کہ میں اپنے وجود کو ثابت ہی نہیں کر سکتا ہوں... یہ بڑی غلطی  
ہوگی.... آپ کے پاس دلیل ہو، آپ کے پاس ثبوت ہو کہ ہم اس لیے جی رہے  
ہیں، ہم اس لیے محبت کرتے ہیں آلِ محمدؐ سے، ہم اس لیے مجلسوں میں شریک  
ہوتے ہیں، ہم اس لیے ماتم کرتے ہیں، ہم اس لیے دامانِ آلِ محمدؐ کو ختم لیا ہے،  
یہ سب دلائل کے ساتھ ہو، تاکہ دل میں قوت پیدا ہو اور یہی قوت نور بن جائے۔

صلوات - نعرۂ حیدری ، نعرۂ حیدری ، نعرۂ حیدری

ساتویں مجلس  
حیاتِ طیبہ

”بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْشَأَ وَهُوَ مُؤْمِنٌ  
فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً�ۗ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ  
بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ“ (سورة نحل ٩٤)

”مرد ہو یا عورت میں سے، جو شخص نیک کام کرے گا اور وہ ایماندار بھی ہو، تو ہم اُسے (دنیا میں بھی) پاک و پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور (آخرت میں بھی) جو کچھ وہ کرتے تھے اُس کا اچھے سے اچھا اجر و ثواب عطا کریں گے۔“

69

ساتویں تقریر "حیاتِ طیبہ" کے عنوان پر آپ سماعت فرما رہے ہیں مجھے اس کا اعتراف ہے کہ کَمَا حَقُّهُ عنوان کی خدمت نہ ہو سکی اور اُن مسائل پر گفتگو نامحکم تھی جو پیشِ نظر تھے۔ کوشش یہی رہی ہے اُن، ہر دقیقہ، ہر لمحہ کچھ اضافہ ہو، وہ اضافہ علم میں ہو، عقل میں ہو، معرفت میں ہو، فہم و ادراک میں ہو تاکہ نور عطا ہو۔۔۔۔۔ ارشاد ہوا:

”أَوْ مَنْ كَانَ مَيِّتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَاهُ نُورًا  
يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ“... (سورة النعام آية ١٢٢)



.....صلوات.....

دل اور دھڑکتا ہے ادب کاہ قفس میں  
شاید یہ زباں تشنہ فریاد رہے گی  
شیطان کا شیطان، فرشتے کا فرشتے  
انسان کی یہ بوا العجبی یاد رہے گی

دونوں کیفیتیں ہیں چاہے تو ملکوتیت کی طرف جائے، چاہے، تو  
شیطنیت کی طرف جائے۔ . . . .  
إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا ”سورہ دہریت  
ہم نے اُس کی ہدایت کر دی ہے، اب وہ شکر کی طرف جائے یا وہ  
کفر کی طرف جائے۔“

ہم جس حیاتِ طیبہ کی طرف لیجانا چاہتے ہیں وہ حیات، حیاتِ صدق، وہ حیات، حیاتِ عدل ہے، وہ حیات، حیاتِ تقویٰ ہے، وہ حیات... حیاتِ محبت ہے... وہ حیات... حیاتِ علم و فضیلت ہے.....

حیاتِ طیبہ، حیاتِ زر و دولت نہیں، حیاتِ مال و حشمت نہیں، حیاتِ جاہ و اقتدار نہیں۔۔۔۔۔ حیاتِ طیبہ اس سے بہت بلند ہے، بہت بلند ہے اس لیے حیاتِ طیبہ کی تعریف کرتے ہوئے ہمیشہ یہ سمجھ لینا چاہیے۔۔۔۔۔

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ“

(سورہ توبہ آیت ۱۱۹)

ترجمہ: ”اے صاحبانِ ایمان! تقویٰ پیدا کرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ“  
تقویٰ حفاظتِ ذات ہے، تقویٰ حیاتِ طیبہ کا لازمہ ہے، مگر شرط لگادی ہے، اے ایمان والو! تقویٰ پیدا کرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ صادقین کا ساتھ دو، کاذبین کا ساتھ نہ دو۔ حیات کو طیب کرنے کے لیے اس کو خباثت سے الگ کرنا پڑے گا۔ حیاتِ طیبہ کی تعریف کرتے ہوئے یاد رکھیے۔ حیات کو طیب کرنے کے لیے خباثت سے الگ کرنا پڑے گا۔ .... قرآن مجید میں دونوں کی مثالیں موجود ہیں کہ مومن کی زندگی کیا ہے اور کافر کی زندگی کیا ہے، ارشاد ہوا

فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا  
اسْمُهُ ۖ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ۚ رِجَالٌ  
لَا تُلَاقِيَهُمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ ۚ (سورة نور آیت ۳۶)

ترجمہ: ”وہ مکان ایسے ہیں کہ جن کو اللہ نے بلند ہونے کی اجازت دی ہے اور جن میں اُس کے نام کا ذکر کیا جاتا ہے (اور) جن میں صبح وشام اُس کے لیے تسبیح کی جاتی ہے۔ (جن میں) وہ مرد ہیں جنہیں کوئی تجارت یا خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے ہٹا نہیں سکتی۔“

یعنی: وہ مکان ایسے ہیں کہ جن کو اللہ نے بلند ہونے کی اجازت دی ہے وہ مکان ایسے ہیں جن کو اذنِ رفعت ملا ہے، اُن میں وہ مردانِ خدا رہتے ہیں، یعنی رجال



تو کافروں کی زندگی یہ ہے اور اُن کا عمل یہ ہے کہ جسے وہ دور سے پانی سمجھ رہے ہیں۔۔۔ ارے وہ توریت کا چٹیل میدان (ریگستان) ہے جس پر آفتاب کی شعاعیں پڑ رہی ہیں۔۔۔ پانی نہیں ہے۔۔۔ کچھ بھی نہیں ہے۔ خدا سے بھاگ کر جانے والا یہ سمجھ رہا ہے کہ چلو اب تو ہم نے خدا کو چھوڑ دیا لیکن ارشاد ہوتا ہے۔۔۔ پانی سمجھ کر سراب تک پہنچنے والے کو وہی خدا مل جاتا ہے اور اُسی جگہ کافر کو حساب دینا پڑتا ہے اور خدا تو بہت جلدی حساب کرنے والا ہے۔

اُن کافروں کی زندگی کی مثال اور بھی ہے اُنھیں آیتوں کے سلسلے کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

”أَوْ كُظُمْتُ فِي بَحْرِ لُجِّي يَعْشُهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ سَحَابٌ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكِدْ يَرَاهَا“ (سورہ نور آیت ۴۰)

”و (کافروں کا عمل یہ ہے) جیسے اندھیرے ہی اندھیرے ہوں، گہرے دریا کی تھاہ ہو اور وہاں اندھیرے پہ اندھیرا ہو پھر اُس پہ کالے بادل چھائے ہوئے ہوں یہاں تک کہ وہ اپنا ہاتھ دیکھنا چاہے تو اندھیرے میں اُس کو اپنا ہاتھ بھی نظر نہ آئے۔“

یہ کافر کی زندگی ہے، ایسی زندگی میں آتا ہے جہاں خود اپنے کو پہچان نہیں سکتا ہے۔ میں کہاں ہوں کس منزل پر ہوں، وہ خود اپنے کو نہیں دیکھ سکتا ہے پھر عجیب انداز سے ارشاد ہوا۔۔۔ آیت مسلسل ہے:

”وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ“ (نور آیت ۲) اور خدا جس کو نور (ہدایت) نہیں دیتا اُس کو نور نہیں ملتا۔“

جن کو دنیا کی کوئی تجارت، کوئی سودا اللہ کے ذکر سے ہٹا نہیں سکتا۔ وہ رات و دن اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ صبح و شام اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اُن گھروں میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے۔۔۔ ”وَاقِمْ الصَّلَاةَ وَآتِ الزَّكَاةَ“ اور وہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ کوئی شے اُن کو اللہ کی یاد سے ہٹا نہیں سکتی۔ آیت مسلسل ہے:

”يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ“

”(یہ صاحبانِ ایمان اگر) ڈرتے ہیں تو ایک ہی چیز سے کہ قیامت آنیگی جس دن دل ہنقل ہو جائیں گے، اور آنکھیں خیرہ کرنے لگیں گی“

یہ صاحبانِ ایمان ہیں۔۔۔ یہ اُن کے گھر ہیں۔۔۔ یہ اُنکی زندگی ہے، آن واحد میں ذکر حق سے غافل نہیں ہوتے۔۔۔ چلتے پھرتے، سوتے جاگتے تلاشِ معاش، کہیں بھی ہوں دل ذکر خدا سے خالی نہیں رہتے۔۔۔ اور یہ دوسری زندگی۔۔۔ جو کافر ہو گئے۔۔۔ اسی سلسلہ آیت

میں آگے چلکر ارشاد ہوتا ہے:

”وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيَعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَوَجَدَ اللَّهَ عِنْدَهُ فَوَقَّهٖ حِسَابَهُ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ“ (سورہ نور آیت ۳۹ پارہ ۱۸)

”اور وہ لوگ جو کافر ہیں، اُن کی زندگی یہ ہے، اُن کا عمل یہ ہے کہ جیسے شنگی کے عالم میں ریت کے میدان میں سراب ہو جو دور سے

تو پانی نظر آئے اور پیاسا جب دوڑے جائے تو وہاں پانی نہ ملے مگر وہ اللہ کو اپنے پاس پاتا ہے پس اُس نے اُس کا حساب پورا پورا چکا دیا ہے اور خدا تو بہت جلد حساب کرنے والا ہے۔“



ہو جائے تو جو لوگ سو گئے ہیں اُن کی حاجت براری کی فکر کریں کہ کہیں کوئی بھوکا تو نہیں سو رہا ہے۔۔۔ اُس کی قسم جس کی بارگاہ میں ہر آواز پہنچ رہی ہے کہ کس نے فریاد کی، کس نے آہ کی، کون تڑپ گیا۔ سب اُس کو معلوم ہے۔۔۔ فرمایا: جب کوئی کسی بندہ مؤمن کی حاجت کو رفع کرتا ہے، جب کوئی کسی بندہ مؤمن کے کام آتا ہے، اور اگر اُس شخص پر کوئی مصیبت آجاتے تو اس مدد کی وجہ سے جو اُس نے ایک بندہ مؤمن کے ساتھ کی ہے وہ مصیبت اس طرح ٹل جاتی ہے جیسے کسی چٹان پر پانی گر کے نہ جاتا،“

ہم سعادت فردی ہی نہیں چاہتے، بلکہ سعادت اجتماعی بھی چاہتے ہیں۔ یہ حیاتِ طیبہ ہے۔ دیکھیے حیاتِ طیبہ اُن ہستیوں کو ملی ہے اور اُن کے صدقے میں اسی طرح تقسیم ہوتی رہے گی کہ ایک ہزار تین سو اکتیس برس کے بعد بھی آج ۱۳۹۲ھ ہجری میں آپ یہاں بیٹھ کر سعادتوں کو حاصل کر رہے ہیں بانٹنے والا آج بھی کر بلا سے سعادت کو بانٹ رہا ہے۔ آج بھی سعادتیں تقسیم ہو رہی ہیں۔ یہ سعادت ہے کہ دوسروں کی سعادت بھی چاہے۔ خود بچنا آسان ہے دوسروں کو بچانا مشکل ہے اور فقط اپنے دور میں نہیں، قیامت تک بچائے جا رہے ہیں۔۔۔ اِدھر آؤ ہم بچائیں گے۔ ایک صرف حُسر ہی نہیں آیا..... حُسر تو ایک سمبل Symbol نمونہ ہے۔ ایک نشانی ہے، ہر ایسے اجتماع میں ایک مرتبہ جو کروٹ بد لے اور آنکھ سے آنسو نکال دے حُسر بن گیا۔

کسی کو کیا معلوم ۱۳۹۲ھ ہجری تک کتنے حُسر آئے۔۔۔ کہاں کہاں سے آئے، اور کہاں کہاں آئے۔۔۔ یہ سعادت دارین بھی ہے یہ سعادتِ اجتماعی بھی ہے۔ ہم دوسروں کو بچانا چاہتے ہیں۔۔۔ اُن کی سعادت کا کیا پوچھنا

ہم چاہتے ہیں، انسان کی زندگی کے اندھیرے میں کوئی نور ساتھ رہے۔۔۔ نور نہ آفتاب کا نور مراد ہے، نہ چاند کا نور مراد ہے۔۔۔ کچھ زندگیاں دن کے اُجالے میں بھی تاریکیوں میں ہیں، کچھ زندگیاں لیلۃ البدر میں بھی اندھیرے میں ہیں۔۔۔ چودھویں کا چاند چمک رہا ہے اور وہاں اندھیرا ہی اندھیرا ہے جہاں دل میں اندھیرا آگیا وہاں ظاہر کا اندھیرا کچھ نہیں ہے۔۔۔ ہم اُس نور کو چاہتے ہیں کہ اگر آفتاب یادوں میں رہے یا چاند چھپ جائے اُس وقت دل کا نور۔۔۔ نگاہ کا نور ہے، نگاہ کا نور راستے کا نور بنے اور پھر راستے کا نور بنکر ساتھ ساتھ چلے۔ یہ نور، ہدایت کا نور، مبکر دوسروں کو منزل تک پہنچا دے۔۔۔ ہم اُس نور کی تلاش میں ہیں جو ہمارے دل کو پُر نور کر کے دوسروں کو بھی روشنی دے۔ حیاتِ طیبہ میں فقط اپنی ذات کو بچالینا نہیں ہے۔ حیاتِ طیبہ فردی سعادت بھی ہے اور اجتماعی سعادت کا بھی ڈھونڈنا ہے۔ میں بھی بچوں دوسروں کو بھی بچاؤں۔۔۔ حیاتِ طیبہ خود غرض زندگی کا نام نہیں ہے۔۔۔ حیاتِ طیبہ اُس زندگی کا نام ہے جہاں ایشیا کا جذبہ یہ چاہے کہ ہم دوسروں کو بھی اُس راہ پر لائیں کہ جہاں سے پھر اُن کا نور ایک ستارہ بن کر چمکے۔۔۔ کئیل، راتوں کی تاریکیوں میں عشی کو ڈھونڈتے پھرتے تھے اور جب عشی مل جاتے تھے تو کئیل سے آہستہ آہستہ باتیں ہوتی تھیں اور مولا کہتے تھے: ”اے کئیل! ان اسرار کو سینے میں رکھو، اس لیے کہ ہم صرف اپنے لیے ہی سعادت نہیں چاہتے ہیں، بلکہ ہم دوسروں کے لیے بھی سعادت چاہتے ہیں“۔۔۔ ایک دن عشی نے ارشاد فرمایا:۔۔۔۔۔ ”کئیل! ایک نصیحت کروں تم کو؟“۔۔۔ عرض کیا: مولا! ارشاد ہو۔۔۔ فرمایا: ”اپنے گھر والوں کو حکم دو کہ جب صبح ہو جائے تو حلال معیشت کے لینے نکلیں۔۔۔ فضیلتوں کی تلاش میں نکلیں۔۔۔ اور جب رات



تکلیف ہوتی ہے۔ ایسے میں نصف شب کے وقت رسولؐ نے ہر طرف دیکھا۔  
ایک ایک شخص کو دیکھا۔۔۔۔۔ میدان جنگ سے قریب تھے۔ اور فرمایا: کسی کے پاس پانی ہے؟۔۔۔۔۔ سب چپ تھے۔۔۔۔۔ کسی نے کہا، پانی تو نہیں ہے، پانی شاید پیچھے آئے، ہمارے پاس تو پانی نہیں ہے۔۔۔۔۔ ایک مرتبہ وہ رُحُل لگے بڑھا، اُس نے کہا: میں لاؤں پانی، رسالتاؐ نے کہا: یا علیؑ! کسی مقامی شخص کو ساتھ لے دو جو کنویں کا راستہ جانتا ہو اور جاؤ پانی لے آؤ۔ علیؑ نے مشک اٹھائی اور چلے۔۔۔۔۔ راوی کہتا ہے، دو فرسخ تقریباً سات میل تک ہم چلے تو کنواں ملا۔ علیؑ کنویں کے پاس پہنچے تو دیکھا، وہ عرب کے کنویں اور بہت گہرے کنویں، ڈول سے پانی کھینچنا دشوار، یعنی اگر پانی کنویں سے کھینچا جائے تو رسی کے دائرے اتنے اونچے ہو جائیں جتنا ایک عام انسان کا قدم یا اس سے بھی زیادہ۔۔۔۔۔ ایسے میں کنویں کا پانی تارہ بن جاتا ہے۔۔۔۔۔ ساتھی کا کہنا تھا: اندھیرا بہت تھا۔ گہرائی میں بھی کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔۔۔۔۔ کنواں کیسا ہے یہ بھی علم نہیں تھا۔۔۔۔۔ ڈول بھی ساتھ نہیں تھا۔۔۔۔۔ راوی کہتا ہے۔ علیؑ نے مشک کو اپنے سینے سے باندھ لیا اور ایک تہ کنویں میں کود گئے۔۔۔۔۔ ہر طرف پتھروں سے بنا ہوا کنواں تھا، علیؑ زخمی ہو گئے دونوں بازو علیؑ کے زخمی ہو گئے۔۔۔۔۔ پانی تک پہنچ گئے۔ مشک کو بھر کر واپس ہوئے۔۔۔۔۔ امیر المؤمنینؑ فرماتے تھے، جب میں واپس ہونے لگا تو ہوا کے جھونکے مجھے کنویں کی طرف واپس کر دیتے تھے۔ جب میں سر کو بلند کرتا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ہوا کے جھونکوں نے اندر کی طرف واپس کر دیا، بس ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کوئی لشکر کا لشکر ہے مجھے کنویں سے نکلنے نہیں دیتا تھا لیکن میں اوپر کو چڑھتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔۔۔۔۔ سرد ہوا سے زخم اور چمک رہے تھے۔۔۔۔۔ ان باتوں کے لئے حقیقتاً علیؑ خود جانتے تھے لیکن یہ ادب رسولؐ ہے کہ کسی کو ساتھ بھیج کر علیؑ کا گواہ بنادیں۔

چادرِ طہیر میں سعادت۔۔۔۔۔ آیتِ قربیٰ میں سعادت۔۔۔۔۔ آیتِ مباہلہ میں سعادت۔۔۔۔۔ آیتِ درود میں سعادت۔۔۔۔۔ جدھر جدھر رسولؐ کے ساتھ جائیں سعادت۔۔۔۔۔ اُن کی سعادت کا کیا کہنا، جہاں ہوں، جس منزل پہوں سعادت، یہ تو مَنیتِ رسولؐ کی منزل ہے۔۔۔۔۔ جب تک کلمہ طیبہ باقی ہے دین باقی، بخشش ہے۔۔۔۔۔ عطا ہے۔۔۔۔۔ لٹا رہے ہیں سعادت کو یہ بھارے لیے ہے۔۔۔۔۔ اُن کی عطا کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ وہاں ہر فضیلت سعادت ہے مگر ہر فضیلت دو طرح کی سعادت ہے۔۔۔۔۔ ایک اُن کی ذات کے لیے، ایک اُن کے غلاموں کے لیے۔۔۔۔۔ ابھی آیت پڑھ چکا ہوں کہ سورہ نور کی آیت ۲۴:۱۶ ”فِي بُيُوتٍ اٰذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهُ لَا تُسَبَّحُ لَهُ فِيْهَا بِالْعُدُوِّ وَالْاَصْحٰلِ رِجَالٌ لَا تُفْهِمُهُمْ تِجَارَةً وَلَا بَيْعًا عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيتَاءِ الزَّكٰوةِ“ (سورہ نور آیت ۳۲-۳۴)  
”وہ مکان جسے اللہ نے رفعت عطا کی ہے اُس میں رجال یعنی مردان خدا ہیں۔۔۔۔۔ وہ رجال ہیں جن کو دنیا کا کوئی سودا ذکرِ خدا سے ہٹا نہیں سکتا۔“ رجال ”جمع کا صیغہ ہے اس کے لیے واحد ”رُحُل“ ہے۔۔۔۔۔ اور رُحُل کی تعریف خیبر میں ہو گئی تھی، وہ ایسے رجال ہیں جن کے لیے اپنا ذاتی نقصان کوئی نقصان نہیں ہے۔۔۔۔۔ جنگ بدر شہید ترین جاڑے کے موسم میں ہوئی ہے۔۔۔۔۔ قیامت کی سردی تھی جب جنگ واقع ہوئی تھی۔۔۔۔۔ ۱۴ رمضان اور ۱۲ ہجری۔ بہت سردی تھی، قیامت کی سردی، اور رسولؐ مدینے سے باہر آچکے تھے۔ اتنی شدید ہوا چل رہی تھی کہ انھیں معلوم ہے جہاں برف باری ہوتی ہے اور برف باری کے بعد جو ہوا چلتی ہے تو کیا



حسین گھر میں آئے۔ اُم البنیئین نے بچے کو حسین کے ہاتھوں پر دیا اور کہا: شہزادے حسین! کیا بات ہے، یہ بچہ آنکھیں نہیں کھولتا..... لیکن جیسے ہی حسین کی گود میں بچہ آیا، آنکھیں کھول دیں۔ بھائی نے بھائی کو دیکھا۔ حسین نے کہا: عباس! امیر المؤمنین بھی تشریف لے آئے۔ دیکھا، بھائی کی گود میں بھائی ہے حسین اس وقت ۲۵ برس کے ہیں..... عباس، حسین سے ۲۵ برس چھوٹے ہیں..... حسین کر بلا میں، ۵ برس کے تھے اور عباس ۳۲ برس کے تھے۔ علیؑ نے فرمایا: حسین! بھائی کو دیکھا کہا: بابا! اس کے بازو بھرے بھرے ہیں۔ کیا قوی بازو ہیں؟ چہرہ بھی خوبصورت ہے۔ علیؑ نے فرمایا: حسین! نام رکھ دیا؟ بابا! میں نے اس بچے کا نام عباس رکھ دیا ہے۔۔۔۔۔ عباس کے معنی ہیں پھرا ہوا شیر۔ آپ حضرات بھی مصیبت میں پکارتے ہیں نا عباس۔ پھرا ہوا شیر۔ عباس۔ عباس۔ عباس۔ اکثر حسین کہتے تھے کہ عباس جب چھوٹے تھے، جب نیند آتی، میرے سینے پر سو جاتے تھے..... بھائی کو یاد ہے کہ بھائی سینے پر سوتا تھا۔ کر بلا میں وہ بھائی ساتھ ساتھ ہے۔ حسین کو یاد ہے۔ ایک روز مسجد میں..... حسین کو پیاس لگی، پانی مانگا۔ عباس اُس وقت چھوٹے سے تھے، اُس وقت عباس کا سن ۹ برس کا تھا۔ دوڑ کر گئے اور پانی لے آئے۔ راوی کہتا ہے پانی لائے تو کوزے کو سر پر رکھ لیا جب چلے، تو پانی چہرے پر چھلکتا چلا گیا۔ حسین نے عباس کو جو اس حالت میں دیکھا تو حسین رونے لگے۔ مولا! کیا یاد آ گیا؟ آپ کیوں رونے لگے؟

(اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْاَلَمِ وَالْجَنَنِ وَالْجَنَنِ وَالْجَنَنِ)

باوجود جس کا عزم یہ ہو، جس کا ارادہ یہ ہو کہ یہ پانی رسولؐ پیئیں، کنویں سے باہر آئے دونوں ہاتھ علیؑ کے زخمی ہو گئے تھے۔۔۔۔۔ رسولؐ کی خدمت میں آئے۔ رسولؐ نے علیؑ کو دیکھا، چہرے پر خراشیں ہیں، جسم تمام زخمی ہے، بھائی نے بھائی کو دیکھا اور گلے سے لپٹا لیا اور کہا: علیؑ! تم کو بڑی زحمت ہوئی۔ علیؑ نے کہا: اللہ کے رسولؐ! کوئی زحمت نہیں، میں تو اسی لیے دنیا میں ہوں کہ آپؐ کی خدمت ہو جا۔۔۔۔۔ یہ تھا بھائی کہ بھائی کو پیاس لگے تو بھائی پانی لائے۔

آٹھویں محرم کی رات ہے۔ کل تفصیل سے بیان کروں گا۔ آج صرف اتنا عرض کروں، ابتدائی واقعات کے طور پر..... جب امیر المؤمنین نے عقیلؑ سے کہا: میں اپنے بیٹے حسین کی حفاظت کے لیے ایک اپنا نائب چاہتا ہوں۔۔۔۔۔ جو حسین کی مدد کرے..... بھائی عقیلؑ! کسی بہادر گھرانے کی کوئی لڑکی تلاش کرو۔۔۔۔۔ اُم البنیئین کا نام پیش کیا گیا۔ امیر المؤمنینؑ نے منظور فرمایا۔ عقد ہوا۔ اُم البنیئین دھن بن کر گھرائیں..... حسن اور حسین تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے..... اُم البنیئین نے ہاتھوں کو جوڑ کر کہا: شہزادو! میں ماں بننے کے لیے نہیں آئی ہوں..... میں تو کنیز بن کر آئی ہوں۔۔۔۔۔

بچوں کو بٹھایا اور تین بار بچوں پر سے صدقے ہوئیں۔۔۔۔۔ کہا جب تک زندہ رہوں گی کنیز رہوں گی۔۔۔۔۔ اللہ نے اس بہادر گھرانے کی بیٹی کو چار فرزند عطا کیے..... چاروں بہادر بیٹے..... اور سب سے بڑے فرزند جب پیدا ہوئے تو امیر المؤمنینؑ کو اطلاع دی گئی، مڑ کر کہا: حسین! تم جاؤ۔۔۔۔۔ تم جاؤ۔ اور حسین! فرزند کا نام بھی تم ہی رکھ دینا۔۔۔۔۔

لے یہ ادب بنو ہاشم ہے۔ ورنہ علیؑ کو کیا نہیں معلوم تھا۔



# مجلس ششم

۱ محرم ۱۳۹۲ ہجری مطابق ۲۴ فروری ۱۹۷۲ عیسوی

- ۱۔ ہر شے کا ایک رُخِ حیات ہے۔
- ۲۔ حیاتِ طبعی، حیاتِ عقلی، حیاتِ تشریعی۔
- ۳۔ ”سعادت“ دنیا و آخرت دونوں کی ہونا ضروری ہے۔
- ۴۔ شیطان، انسان کو آخرت سے ہٹا دیتا ہے۔
- ۵۔ جب پہلی وحی آنی حضرت علیؑ غارِ حرا میں رسولؐ کے ساتھ تھے۔
- ۶۔ بچپن اور جوانی میں علیؑ کی نصرتِ رسولؐ
- ۷۔ بتوں کو توڑنا، فتحِ مکہ، سورۃ برأت، حجِ آخر۔
- ۸۔ شہادتِ حضرت عباسؑ علیہ السلام۔



# اٹھویں مجلس

## حیاتِ طیبہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْشَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ  
فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَیٰۃً طَيِّبَةًۭ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ  
بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (سورہ نحل ۹۷)

”مرد سو یا عورت میں سے، جو شخص بھی نیک کام کرے گا اور وہ ایماندار بھی ہو، تو ہم اُسے (دنیا میں بھی) پاک و پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور (آخرت میں بھی) جو کچھ وہ کرتے تھے اُس کا اچھے سے اچھا اجر و ثواب عطا فرمائیں گے۔“

۶

”حیاتِ طیبہ“ کے عنوان پر آٹھویں تقریر آپ کی سماعت کے لیے ہدیہ ہے ایک امر ہمیشہ زیرِ فکر رہے، محلِ غور رہے اور وہ یہ ہے کہ کائنات میں ہر ذرے کا ایک رُخِ حیات ہے۔۔۔۔۔ کائنات میں ہر شے کے لیے ایک توجہ کا مرکز ہے اُسی کو قرآن مجید میں اس طرح سے ارشاد فرمایا ہے۔۔۔۔۔ (سورہ بقرہ ۱۴۸)

”وَلِكُلِّ وُجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّیُّهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ط“

ترجمہ دو اور ہر ایک کے لیے ایک سمت (رُخِ حیات) ہے (اور) وہ اُسی کی طرف متوجہ (بڑھ رہا) ہے پس تم نیکیوں میں سبقت کرو۔“



جمادات کا ایک رُخِ حیات ہے — نباتات کا ایک رُخِ حیات ہے — حیوانات کا ایک رُخِ حیات ہے، لیکن صورتِ حال یہ ہے کہ نباتات، جمادات اور حیوان، حیات تو رکھتے ہیں مگر یہ حیات، حیاتِ طبعی ہے، یہ حیاتِ صحیح معنی میں اُن کے وہ مقدرات ہیں جن مقدرات کے مراکز پر یہ تمام دائرے گھوم رہے ہیں۔ حیاتِ طبعی رُک جاتی ہے حیوان پر اگر اور جب یہاں سے انسان آگے بڑھتا ہے موالید ثلاثہ کی آخری منزل سے تو وہاں سے حیاتِ عقل شروع ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ اب ہر عمل عقل کے تابع ہو جاتا ہے۔ اب تک حیوانات میں تنمیت (نمو) تنزیہیہ (پاکیزگی) تغذیہ (غذا، خوراک) تولیدِ نسل، ہاضمہ، وافعہ، جاذبہ ماسکہ، مُرتبہ۔۔۔ یہ تمام کیفیتیں باصرہ، سامعہ، یہ سب کیفیتیں حیوانات میں بھی تھیں مگر حیاتِ طبعی جب انسان کی منزل پر آئی تو وہی سونا، وہی جاگنا، وہی تنمیت، تغذیہ، وہی تولیدِ نسل عقل کے تابع ہو گیا اور اس طرح سے اس کو حیاتِ عقلانی کا آغاز کہتے ہیں۔ یہاں سے حیاتِ عقل شروع ہو جاتی ہے۔ اس حیاتِ عقلانی کے بعد جہاں سے قوتِ دراکہ کام کرتی ہے، جہاں سے انسان کا ادراک کام کرتا ہے حیاتِ عقلی شروع ہو جاتی ہے لیکن اگر انسانوں میں بھی کوئی اپنے اُٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، چلنے پھرنے میں اور تنمیت، تغذیہ، تولیدِ نسل کو عقل کے تابع نہ بنائے تو گویا ابھی اُس کی حیوانیت باقی ہے، ابھی عقلی حیات شروع نہیں ہوئی، تو اس طرح سے جب حیاتِ عقلانی آئی تو بے اختیار اس کو یہ احساس پیدا ہوا کہ میں عقل کے تابع اپنے افعال کو رکھنا چاہتا ہوں، کیا اچھا ہو، میری طرح سے دوسرے بھی عقل کے تابع ہو جائیں اور یہیں سے وہ سعادتِ فردی سے گذر کر سعادتِ اجتماعی پر آتا ہے جس کا کل تذکرہ ہو رہا تھا کہ میں تنہا نجات نہیں پاؤں گا، میں دوسروں کی نجات کا بھی انتظام کروں گا۔ چنانچہ یہی وہ منزل ہے

جہاں ایک حیاتِ عقل کی تعریف کرتے ہوئے یگانہ چنگیزی کو یہ کہنا پڑا تھا۔ مجھے بھی ناخدا آخر کسی کو منہ دکھانا ہے بہانہ کر کے تنہا پار اتر جانا نہیں آتا اس کے پہلے کا شعر بھی سن لیجیے، بہت اچھا شعر کہا ہے کہ: دل بے حوصلہ ہے اک ذرا سی ٹھیس کا مہماں وہ آنسو کیا پیے گا جس کو غم کھانا نہیں آتا حیاتِ عقلی جب اپنی منزلِ کمال پر پہنچتی ہے تو سعادتِ دنیوی کے ساتھ ساتھ سعادتِ اخروی چاہتی ہے، وہاں یہ بھی چاہتی ہے کہ سعادتِ فردی کے ساتھ سعادتِ اجتماعی ہو، میری بھی نجات ہو، میرے بچوں کی بھی نجات ہو، میرے گھر والوں کی بھی نجات ہو، میرے دوستوں کی بھی نجات ہو، میرے چاہنے والوں کی بھی نجات ہو، میں جس سے ملوں اُس کو صحیح راستہ بتاؤں، یہ وہ منزل ہے جس منزل پر ہر مسلمان کو امر بالمعروف کا حکم دیا، نہی عن المنکر کا حکم دیا کہ نیکی کرو اور نیکی کی طرف لیجاؤ۔

اب آپ نے دیکھا کہ حیات اپنی ابتدائی صورت سے لیکر اپنے کمال تک اتنے مختلف ادوار سے گذرتی ہے کہ جہاں مادہ، ہیولی، ذرات، مرکبات جمادات، نباتات، حیوانات، انسان، مسلم، مومن، متقی، ولی، نبی، رسول اولوالعزم، خاتم، مختلف ادوار ہیں حیات کے:

”کَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نَحْيِدُهُ ط وَعَدًّا عَلَيْنَا

إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ“ (سورہ انبیاء آیت ۱۰۴)

”جیسے کہ ہم نے خلقت کی ابتداء کی، اُسی طرح سے ہم اُس کو عود کریں گے یعنی لوٹائیں گے یہ ہمارا وعدہ ہے، ہم اُسے ضرور لوٹا کریں گے۔“



اور دوسرا شعر بھی دیکھیے : . . . . .

اپنا ہاتھ ، اپنا گریباں ، اپنا سودا ، اپنا سر

استخارہ کر چکے پا بند فرمان بہار

طے کر چکا کہ اب حیات کروٹ بدلے گی ، اور حیات کو تو کروٹ بدلنا

ہی ہے . . . . . اس لیے ذات واجب نے فقط عقل کے حوالے نہیں کیا کہ عقل

ہی ذائقے دار قرار پائے . . . . . اب اگر سعادت حاصل کرنا ہے تو عقل کے

لیے رہبر بھی بنائے . . . . . زمانے کو رہبر سے خالی نہیں رکھا ، کہا عقل پا بند

رہے . عقل ، عقلا سے ہے یعنی جان و خصوصاً اونٹ کے پاؤں کو کس کے باندھ

دینا . . . . . کسی چیز سے گھوڑے کے پاؤں کو باندھ دینا ، تاکہ حرکت نہ کرے ۔

عقل وہ جو بندھی رہے تفتیش نہیں ، تشخیص نہیں ، تجسس نہیں . . . بلکہ عقل

کا کام ہے کسی کی سہ کر رہ جائے جس کو پسند کیا ، بس اُسی کے آستانے پر پڑی

رہے . . . . . اور جب واقعی دیکھ لے کہ جس کے آستانے پر جانا ہے وہ

اتنا کامل و اکمل ہے کہ اُس نے اپنی سعادت کی تمنا کی ، دوسروں کی سعادت کی

فکر کی ، وہ مر گیا ، مگر اُس کی دی ہوئی سعادت جاری ہے ۔ اُس کے نام میں

سعادت ہے . . . . . اُس کے ذکر میں سعادت ہے ، اُس کے فرمان میں سعادت

ہے ، اُس کی مجلس میں سعادت ہے . . . . . اُس کے نشان میں سعادت ہے

. . . . . یعنی اُس کے علم میں سعادت ہے . . . . . " صلوات "

ایسی منزل پر ہمارے سامنے نشانیاں ہیں . . . . . اور ہم ان نشانیوں کو

دیکھ رہے ہیں ۔ پہلی تصویر جو گزشتہ تقریروں میں کھینچ چکی ، اور آپ دیکھ چکے

ظاہر ہے حیات طیبہ کا کامل و اکمل نمونہ سیرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ

علیہ وسلم کے لیے مخصوص ہے . . . . . مگر آج حیات عقلانی کے لیے

اس طرح سے وہ حیات آگے بڑھی ، مگر حیات کو گمراہ کرنے کے لیے . . . . .

سعادت سے ہٹانے کے لیے . . . . . سعادتِ اخروی سے ہٹانے کے لیے . . . . .

سعادتِ اجتماعی سے ہٹانے کے لیے . . . . . سعادتِ فرضی (واجبی) سے دور

کرنے کے لیے شیطان مسلسل کوشاں ہے ۔ اب آپ کی ہمتیوں کو آزمانا ہے ، کہ

آپ کہاں تک شیطان کو ٹال سکیں گے ، اس لیے کہ شیطنیت کی کوششیں یہ ہیں

کہ جو کچھ ہے ، یہ دنیا ہے ، کمال کھالو اور جیو اور مر جاؤ ، اور بس کچھ نہیں . . . . .

اور ادھر سعادت کا تقاضہ یہ ہے کہ دنیا کی بھی سعادت ہو اور آخرت کی بھی سعادت

ہو ، دوستوں کی بھی سعادت ہو ۔ یہ ہدایت کا سلسلہ اس طرح سے آگے بڑھتا

ہے . . . . . شیطنیت کی کوشش یہ ہے کہ آپ سے آخرت کو ہٹا دے اسی لیے :

رسورۃ روم میں ارشاد ہوا :

”يَحْكُمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا“ (سورۃ روم آیت ۷)

”یہ لوگ حیاتِ دنیا کے ظاہر کو دیکھ رہے ہیں (واقف ہیں) . . . . .

وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ“ (سورۃ روم آیت ۷)

”اور یہ (لوگ) آخرت سے بالکل غافل ہیں“ . . . . .

جو آخرت سے غافل ہے وہ سعادت کو نہیں ڈھونڈتا وہ مصلحتوں کا

بندہ ہوتا ہے وہ مصلحتِ وقتی ، مصلحتِ زمانی پر چلتا ہے ، مصلحتِ ملکی پر

چلتا ہے اور مصلحتِ اقتدار کو دیکھتا ہے کہ کیا تقاضہ ہے ۔

بہر حال ایک پیکار ہے جو انسان ہی میں جاری ہے شیطان زیادہ

دور نہیں ہے . . . . .

خار و گل دونوں کو اپنے بانگیں پر ناز ہے

دیکھیے رہتا ہے کس کے ہاتھ دامن بہار

(یاس بکا چٹیری)



وحی آئی اور میں نے شیطان کی فریاد سنی، اللہ کے رسولؐ یہ فریاد کیسی ہے؟ فرمایا: آج سے شیطان ناامید ہو گیا ہے۔ مگر تم نے آواز سن لی؟ تم وہی سنتے ہو جو میں سنتا ہوں، تم وہی دیکھتے ہو جو میں دیکھتا ہوں؛ یعنی (إِنَّكَ تَسْمَعُ مَا أَسْمَعُ وَإِنَّكَ تَرَىٰ مَا أَرَىٰ)۔۔۔۔۔ اس طرح پیغمبرؐ بندوں سے فاران کی چوٹیوں سے اترے اور یہ کہتے ہوئے اترے:

”إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا“ (الاعراف ۱۵۸)

”یقیناً میں تمہاری طرف اللہ کا رسولؐ بن کر آیا ہوں“

اور فوری حکم ہوا:

”وَأَمْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ“ (الشعراء ۲۱۴)

(اور تم اپنے قبیلے والوں کو ڈراؤ۔ جو قریبی ہوں)

پورے قبیلے کو بلایا، ابوطالب دروازے پر کھڑے ہو گئے۔۔۔۔۔ ہاشم کی پوری اولاد، عبدمنات کی پوری اولاد، عبدالمطلب کی پوری اولاد اندر آئی، اور آپؐ نے کھڑے ہو کر کہا: میرے پاس اللہ کی وحی آئی اور مجھے یہ کہا گیا کہ میں اللہ کا رسولؐ ہوں، اللہ کو واحد و یکتا و یگانہ جانتا ہوں، اور میں اُس کی مرضی کا نمائندہ ہوں۔۔۔ اور کوئی ہے مجھے قبول کرنے والا۔۔۔۔۔

میں نے پہلے بھی اسی مقام پر سنایا ہے میں چاہتا ہوں کہ نوجوان طبقہ اس کو یاد رکھے۔۔۔۔۔

رومن ایمپائر کی پوری تاریخ کا جو لکھنے والا ہے اُس نے اس واقعے کو لکھا اور انگریزی کے الفاظ یہ ہیں۔ جب رسولؐ نے دعوتِ ذوالعشرہ میں سب کو بلایا اور

ایک اور مثال بھی سامنے ہے۔ دیکھو کس طرح سے یہ زندگی آگے بڑھتی ہے۔۔۔۔۔ پیدا ہوئے خانہِ حق میں، ولادت پائی اللہ کے گھر میں، رسولؐ گھر سے باہر نکلے، گھر انہ اولوالعزم انبیاء کا گھر انہ۔۔۔۔۔ ابراہیمؑ کا گھر انہ۔۔۔۔۔ اسمعیلؑ کا گھر انہ۔۔۔۔۔ ہاشمؑ اور عبدالمطلب کا گھر انہ۔۔۔۔۔ ابوطالب کا بیٹا رسولؐ کے آغوش میں نظر آیا۔۔۔۔۔ یہ کیسا بچہ ہے جس نے آغوشِ رسولؐ میں پرورش پائی۔۔۔۔۔ کچھ اندازہ ہے آپؐ کو، کہاں سے حیات کا آغاز ہے یہ کہنا آسان ہے کہ علیؑ ابھی بچے ہی تھے اور رسولؐ نے رسالت کا اعلان کر دیا۔۔۔۔۔ مگر علیؑ بچے تھے تو اس طرح سے کہ۔۔۔۔۔ ارشاد فرماتے ہیں:

میں نے زندگی اس طرح سے شروع کی (یہاں عربی متن بخوفِ طوالت چھوڑ رہے ہیں)

”مجھے رسولؐ اپنے سینے پر سلاتے تھے، مجھے رسولؐ اپنے بستر پر رکھتے تھے، کسی چیز کو دندانِ اقدس سے پہلے نرم کر لیتے بعد میں مجھے دیتے تھے۔ میں اس طرح سے پلا بڑھا۔ میں رسولؐ کے پیچھے پیچھے اس طرح چلتا جیسے بکری کا بچہ ماں کے پیچھے پیچھے چلے۔ میں نے اس طرح سے رسولؐ کی پیروی کی، یہاں تک کہ وہ وقت آیا۔۔۔۔۔

امیر المومنینؑ اپنی زندگی کا آغاز بتلا رہے ہیں۔۔۔۔۔ اب رسولؐ مکے سے دور ہو کر کچھ دنوں کے لیے غارِ حرا میں جا کر قیام فرماتے ہیں اور میں ساتھ رہتا۔“

دیکھیے! یہ غارِ حرا، ابھی نبوت نہیں آئی۔۔۔۔۔

فرماتے ہیں:-

”نبیؐ غارِ حرا میں تھے اور میں ساتھ تھا۔ انا معہ بہت دن۔۔۔۔۔ گزرے، یہاں تک کہ ایچرتیہ پیغمبرؐ نے مجھ سے کہا کہ مجھ پر

۱۹ عری متن کے لیے پنج اہلانہ خطبہ قاصدہ ۱۹ کا آخری حصہ ملاحظہ فرمائیں



شبلی نعمانی بیان کرتے ہیں :

”اس کے بعد یوں زندگی آگے بڑھی کہ دُور مٹنے کی وادیوں میں جب طہرہ و عمر کی نماز کا وقت ہوتا تو دو رتک تین سائے جاتے ایک ختمی مرتبت، ایک بی بی خدیجہؓ اور ایک حضرت علیؓ۔

(”سیرت النبی“ جلد اول)

اس طرح سے آغاز ہوا، اور یہ ساتھ ساتھ زندگی ”حیاتِ طیبہ“ بن کر چلی، مٹے کا زمانہ گیارہ برس کا اس طرح سے گذرا کہ یہ کمسن بچہ جس سے متعلق یہ لکھا ہے کہ جب کوئی ذات رسالت پر حملہ کرنے یا گستاخی کرنے کی کوشش کرتا، تو امیر المومنین (علیؓ) اپنے دامن میں یا تو خرے کی گٹھلیاں رکھتے یا کنکریاں رکھتے اور اُسے مارتے اور پھر اس طرح سے مارتے جو ایک مرتبہ ایک کنکری کھالے وہ ہمیشہ فریاد کرتا کہ اس بچے (علیؓ) نے ہم کو اتنا شدید نقصان پہنچایا ہے، اتنا گہرا زخم پہنچایا، ..... وہاں تیر و سنان و خنجر و تلوار کی بات نہیں تھی، آغاز خرے کی گٹھلیوں سے ہوا، آغاز کنکریوں سے ہوا اور اس طرح سے یہ شیر دل بچہ حیاتِ طیبہ کی منزلیں طے کرتے ہوئے آگے بڑھا۔ یہاں تک کہ ابوطالب کا انتقال ہوا، خدیجہؓ بی بی کا انتقال ہوا، وحی آئی کہ اب مکہ رہنے کے قابل نہیں ہے۔ مگر علیؓ کمسن تھے، دنیا نے ایک عجیب سا راستہ نکالا، ایک موشگافی کی اور کہا ارے بچوں کا ایمان ہی کیا ہوتا ہے۔۔۔۔۔ مگر کہنے میں بات آسان ہے۔ اب بچوں کا ایمان ہونا ہو مگر بہت سے بوڑھوں کو بھی یہ حسرت ہوگی۔۔۔۔۔ ہم بھی سینے پر سوتے۔۔۔۔۔ ہم کو بھی دندانِ اقدس سے کوئی چیز نرم کر کے دیتے۔۔۔۔۔ یہ عجیب بچپن تھا، جس نے بڑے بڑوں کو ایک درسِ عبرت دیا، درسِ وفادارہ دیکھو! حیاتِ طیبہ اس راہ سے گذرتی ہے۔۔۔۔۔ ارشاد فرمایا۔۔۔۔۔ اللہ اور

اور یہ کہا کہ ”ہے کوئی میری مدد کرنے والا۔۔۔۔۔“

A profound silence fell upon the whole assembly. Till youngest of them all said in a forceful tone “I WILL DO, I, I WILL HELP YOU.” ترجمہ ”ایک موت کا سا ستانا اُس پوری محفل پر چھا گیا، یہاں تک کہ وہ جوان میں سب سے چھوٹا (بچہ) تھا، رُعب دار لہجے میں بولا: ”میں کروں گا، میں، میں آپ کی نصرت و مدد کے لیے حاضر خدمت ہوں۔“

تو پیغمبرؐ نے فرمایا:

“Behold My CALIPH behold My HELPER”

یعنی: ”میرے مدد کرنے والے کو دیکھا (لے لوگو!) میرے خلیفہ و جانشین کو دیکھ لو“ ..... وہ کمسن .... اور پھر یہ کہ اُس کی باتوں کو مانو۔۔۔۔۔ اُس کے حکم کو سنو!۔۔۔۔۔ ابولہب نے دروازے پر کھڑے ہوئے ابوطالب کو دیکھ کر کہا: دیکھا! بھتیجے کا حال، اب یہ چھوٹے بچے کے لیے کہہ رہا ہے کہ اب اُس کا باپ اُس کی اطاعت کرے تم کو بھی اپنے بیٹے کی اطاعت کرنی ہوگی۔۔۔۔۔ تو ایک بار ابوطالب نے مسکرا کر کہا: اگر محمدؐ کی یہی خوشی ہے تو میں علیؓ کی اطاعت کروں گا۔۔۔۔۔ منہستے ہوئے لوگ طعنے دیتے ہوئے چلے گئے۔“



یعنی: "علیؑ کی ایک ضربت خندق، تقیوں کی عبادت سے افضل ہے۔"  
... خندق کے بعد وہ معرکہ ہوا جس کو خیبر کہتے ہیں اور خیبر کی لڑائی میں امام  
بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا:

روایتیں فضیلتیں علیؑ کی قابل ذکر ہیں۔ ایک یہ کہ رسولؐ نے فرمایا:  
"یا علیؑ! تیری مثال محمدؐ سے ایسی ہے جیسی موسیٰؑ کے ساتھ ہارونؑ کی  
مثال تھی۔" دوسری حدیث "تو محمدؐ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں"  
اور تیسری حدیث یہ کہ "میں کل علم مرد کو دوں گا۔"  
کل میں علم مرد کو دوں گا۔۔۔۔۔"

ملت اسلامیہ اگر کسی کی سیرت کو "حیات طیبہ" کے لیے مثال بنانا  
ہے تو وہ یہ سیرت ہے۔۔۔۔۔ آپؐ نے دیکھا... اس موقع پر مسلسل ہم نے یہ دیکھا  
کہ جب کبھی وقت آیا علیؑ آگے بڑھ گئے، سینہ سپر ہوئے۔ اپنی سعادت میں  
دوسروں کی سعادت، خود اپنا بچاؤ نہیں، ملت نچ جائے۔ اور اس طرح سے  
جان پر کھیل کے ہر منزل پر مدد کی، خندق کو ختم کیا، خیبر کو ختم کیا، فتح مکہ کی  
منزل پر آتے، بارہ ہزار تلواروں کے ساتھ نبیؐ کے میں داخل ہوئے۔ روتے روتے  
نبیؐ نے شتر پر اپنا سر اقدس رکھ دیا، اس مکے سے میں خون کے عالم میں نکلا تھا،  
اور آج فتح کے ساتھ آ رہا ہوں، مگر جیسے ہی مکے میں پہنچے اور کہا کہ فتح مکہ میں ایک  
پالیسی ہے اور وہ یہ کہ "لَا تُثْرِبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ"، آج تم کو گھبرانے  
کی ضرورت نہیں ہے۔ آج تم کو پریشانی کی ضرورت نہیں ہے جس کا کوئی مال میر  
ذتے ہو یا کوئی خون ہو، نہ اُس کی دیت لی جائے گی، نہ اُس کا مال لیا جائے گا۔  
جاؤ آرام کرو "لَا تُثْرِبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اِذْهَبُوا فَاَنْتُمْ الطُّلُقَاءُ"  
"آج تم سے کوئی مواخذہ نہیں کیا جائے گا، جاؤ، تم سب کو آزاد کر دیا۔۔۔۔۔"

رسولؐ کے حکم کی میں نے زندگی بھر مخالفت نہیں کی۔۔۔۔۔ یہ علیؑ کا جملہ ہے۔  
حیات طیبہ علیؑ کی ہے۔ "اصحابِ ختمی مرتبت میں جو ذتے دار ہیں اور حدیث کے  
جاننے والے ہیں وہ جانتے ہیں کہ میں نے کبھی اللہ اور اُس کے رسولؐ کی مخالفت  
نہیں کی، میں نے کبھی اللہ اور اُس کے رسولؐ کی مخالفت نہیں کی۔۔۔۔۔"

زمانہ آگے بڑھا، ہجرت کی منزل آئی، علیؑ کی تنہائی، علیؑ کی کمسنی۔۔۔۔۔  
اور ایک مرتبہ بھائی نے حکم دیا۔۔۔۔۔ تم بستر پر سو جاؤ، کبھی یہ خیال نہیں کیا کہ مجھ  
پر کیا گذرے گی، کبھی یہ خیال نہیں کیا کہ اتنی تلواریں اور میں تنہا۔۔۔۔۔ مگر نہیں  
... حکم رسولؐ ہے۔۔۔۔۔ سو گئے، ہجرت کی رات کٹ گئی۔ مدینے پہنچے، بر میں  
فوجیں جمع ہوئیں۔ حکم ہوا: علیؑ چلو!۔۔۔۔۔ منظور۔۔۔۔۔ آگے بڑھ گئے، حملہ کیا  
تمام کتابوں میں موجود ہے۔ صحیح بخاری شریف میں، صحیح مسلم میں، کہ یہ تھے وہ ہزار  
جنھوں نے پہلی مرتبہ حملہ کیا اور بت لایا کفار کو، کہ نبیؐ تنہا نہیں ہیں، حضرت حمزہؓ  
حضرت علیؑ، حضرت عبیدہ بن حارث بن عبد المطلب تھے جو آگے بڑھے۔

اُحد کی لڑائی دنیا جانتی ہے کہ علیؑ مسلسل لڑ رہے تھے اور اکیلے لڑ رہے  
تھے، یہاں تک لڑ رہے تھے کہ پیغمبرؐ دعا دیتے جا رہے تھے اور ملک پکارتا جا رہا  
تھا "لَا فَتْحَ إِلَّا عَلَيَّ لَا سَيْفَ إِلَّا ذُو الْفِقَارِ"۔۔۔۔۔ صلوات  
... وہاں سے جب اور آگے تو دنیا نے علیؑ کو خندق کے میدان میں دیکھا  
اور اس شان سے دیکھا کہ جب لوگ روک رہے تھے کہ یہ (عمر و ابن عبدود) وہ  
بہادر ہے جس نے صفیں الٹ دی ہیں، جس نے چوروں کے گروہ میں جا کر پتھر شتر  
کو سپر بنایا تھا، ہم نہیں جاسکتے۔۔۔۔۔ اور اس مقام پر علیؑ گئے۔۔۔۔۔  
پیغمبرؐ نے آواز دی۔۔۔۔۔

"صَرَبَهُ عَلَيَّ يَوْمَ الْخَنْدَقِ أَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ الشَّقَلَيْنِ"



فتح مکہ کے بعد وہ دقت بھی آیا جب "سورۃ برأت" کی آیتیں آئیں، پیغمبر چاہتے تھے کہ مسلمان جان لیں اس کا مقام کیا ہے۔ قافلہ روانہ ہوا اور ایک مرتبہ وحی آئی "آپ جاتیں یا آپ میں سے کوئی جائے"۔ . . . . منیت کے مقام پر عثلی کو بھیجا۔ عثلی نے "برأت" کی آیتیں پڑھیں:

"بَرَاءَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ هُ" (سورۃ برأت آیت ۱)

"(مسلمانو! تم) اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے بیزاری کا اعلان

کردو ان عہد و پیمان کے معاملات میں جو تم نے مشرکین سے کیے۔"

صبح کی مجلس نشتر پارک میں اس آیت کی تشریح ہوگی۔ مگر بات اتنی ہے کہ "برأت" کی آیتیں پڑھنا کوئی خیبر سے آسان نہیں تھا۔ خندق سے یہ مہم آسان نہیں تھی۔ یہ مہم بت شکنی سے آسان نہیں تھی۔ مشرکین گھبرائے ہوئے تھے اور عثلی اکیلے یہ آیتیں پڑھتے جا رہے تھے۔ مشرکین بار بار یہ کوشش

کر رہے تھے کہ حملہ کر دیں، مگر عثلی نے بے اختیار کہا: اگر کسی نے یہ ارادہ کیا تو یہ ذوالفقار تڑپ کر باہر نکلے گی، اور اس کے بعد کی ذمے داری مجھ پر نہیں ہوگی۔ . . . . ہر لڑائی میں ایسا ہوتا کہ رسولؐ ساتھ ہوتے مگر "برأت"

کی آیتیں پڑھتے ہوئے عثلی اکیلے ہیں اور تلوار پر ہاتھ ہے اور کسی کی حبال نہیں ہوتی کہ کوئی عثلی کو روکے، بُرا بھلا کہہ کر سب نکل گئے۔ اور اب وہ وقت آیا جب رسولؐ "حج آخر" کے لیے آئے۔ حج آخر کی منزل پر جب پہنچے تو لوگوں کو جمع کیا، دو لاکھ کے مجمع کو جمع کیا۔ جانے والوں کو بلایا، آنے والوں کا انتظار کیا۔ جب سب آگئے تو یہ پوچھا: "میں تمہارا مولا ہوں یا نہیں؟"

(اور مناقبِ فارخہ "میں ہے" مَنْ أَوْلَىٰ مِنْكُمْ بِأَنْفُسِكُمْ، "کون ہے جو تمہارے نفسوں سے زیادہ دہتر حق یا اولیٰ بالتصرف ہے۔)

مگر فتح مکہ کا ایک صلہ چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ آج سے میں نے شراب کو حرام قرار دیا اور اب شراب مکے میں فروخت نہیں ہوگی، فتح مکہ کی یہ صورتِ آخر تھی۔ بھائی کا ہاتھ تھا ما اور خانہ کعبہ کے قریب پہنچے اور کہا:

"یاعثلی! اب بڑا فریضہ ادا کرنا ہے، اب بڑی بڑی دشمنیوں کو مول لینا ہے، ایک ایک بُت کا ایک ایک قبیلہ بچا رہا ہے اور یہاں بڑے بُت بیٹھے ہیں، ویسے بظاہر یہ مسلمان ہو گئے ہیں مگر جس قبیلے کا بُت توڑو گے اُس قبیلے سے دشمنی مول لینا ہے وہ قبیلہ تمہاری اولاد کا قیامت تک کے لیے دشمن رہے گا۔"

کہا: اللہ کے رسولؐ! کیا پرواہ ہے، آپ ہیں تو پھر سب کچھ ہے۔ . . . چنانچہ رسولؐ کے ساتھ گئے۔ بتوں کو توڑا۔ وہ وقت بھی آیا جب پاکِ قدس دوش رسالت پر آئے، ہبل کو توڑا۔ اس موقع پر شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا "جذب القلوب" میں کہ:

"پوچھنے والے نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ کیا کر رہے ہیں؟

مسکرا کر کہا: علیؑ کا حق کر رہے ہیں، میں باحق اٹھائے ہوں۔"

"صلوات"۔ . . . فرید الدین عطار نے اپنی مثنوی "منظر العجائب"

میں اس پورے واقعے کو لکھا ہے۔ ظاہر ہے، میں وہ تمام اشعار نہیں پڑھ سکتا، صرف مطلع پڑھنا ہے:

"شَدِّدُ دُوشِ أَحْمَدٍ ارشادِ مَلِكِ"

"احمد کے دوش مبارک" پر وہ رشکِ ملک آیا، کس طرح سے آیا۔

"چوں دعا سے مستجاباً بر فلک"

"وہ جس طرح قبول ہونے والی دعا آسمان پر جاتی ہے۔" اس طرح عثلی دوشِ پیغمبرؐ پر آئے۔



وہ ادوار تھے جہاں دنیا دکھیتی رہی علی کی تلوار کو اور پکارتی رہی کرم اللہ وجہہ کرم اللہ وجہہ، کرم اللہ وجہہ، کرم اللہ وجہہ۔ وہ وقت بھی آیا جب آپ بار بار کہتے تھے۔ عبدالرحمن! میرے بچوں کو یتیم نہ کر، ابن لمجم! میرے بچوں کو یتیم نہ کر۔ . . . . ۱۹ ماہ رمضان کی صبح آئی، خانہ کعبہ سے سفر کو شروع کیا تھا، مسجد کوفہ پر سفر کو ختم کیا۔ اللہ کے گھر سے چلے تھے، اللہ کے گھر پر رُکے۔ ایک مٹھی مٹی محراب سے اٹھا کر سر پر ڈال لی اور یہ آیت تلاوت فرمائی:

”مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى“ (سورہ طہ آیت ۵۵)

وہ اسی (مٹی) سے تم کو خلق کیا گیا ہے اور اسی (خاک) میں تم کو لوٹایا جائے گا، پھر تم کو اٹھایا جائے گا اسی (مٹی) سے۔

پھر کہا: ”فُتِ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ“ رب کعبہ کی قسم میں فائز ہو گیا۔ . . . . اُنیس کا دن گذرا، بنی کی رات آئی، سب کو وصیتیں کیں، ایک ایک وصیت میں کہتے جاتے تھے۔ ”دیکھو! مرے بچو! تقویٰ کا کام لینا، دیکھو! مرے بچو! یتیموں کا خیال رکھنا، دیکھو! مرے بچو! سکیون کا خیال رکھنا، دیکھو! مرے بچو! قرآن کا خیال رکھنا، کہیں قرآن پھیل کرنے میں تمھارا غیر تم سے آگے نہ بڑھ جائے۔ . . . .“

سب وصیتیں ختم ہوئیں تو ایک مرتبہ علیؑ پر غشی طاری ہوئی، غشی کے عالم میں علیؑ نے کسی کے رونے کی آواز سنی، اور غشی سے آنکھیں کھول کر پوچھا یہ کون رو رہا ہے؟ . . . . . لوگوں نے کہا: حضور! یہ اُم البنین رو رہی ہیں یہ عباسؑ کی والدہ گرامی رو رہی ہیں۔ . . . . آواز دی۔ . . . . کیا بات، اُم البنین؟ یہ رونے کا کیا سبب ہے؟ . . . . . فرماتی ہیں: مولا! میں بنی کلاب کے قبیلے

سبھوں نے کہا: آپ مولا ہیں۔ . . . . تو اُس وقت علیؑ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بلند کیا اور بتلایا کہ: دیکھو حیاتِ عقلانی یہ ہے، حیاتِ روحانی یہ ہے، حیاتِ طیبہ یہ ہے، میری سیرت کے ساتھ ساتھ چلنے والا یہ ہے اس لیے جس کا میں مولا، اُس کا یہ علیؑ بھی مولا ہے ”مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَهَذَا عَلِيٌّ مَوْلَاهُ“ یہ ذی الحجہ کا واقعہ تھا، محرم، صفر تین مہینے مشکل سے گزرے ہوں گے کہ پیغمبر اسلامؐ نے رحلت کی علیؑ اکیلے ہو گئے مگر حیاتِ طیبہ میں فرق نہیں آیا کسی منزل پر فرق نہیں آیا، ابوسفیان آیا اور کہا: میں آپ کی مدد کروں، آپ کو حق دلوادوں؟ . . . . . فرمایا: ابوسفیان! نجات کے سفینوں سے فتنے کی موجوں کو ٹکرا دے، علیؑ حق میں باطل کی مدد نہیں چاہتا۔ جاؤ، تمھاری ضرورت نہیں ہے۔ . . . . پھر فرمایا: ”میرے دونوں پہلوؤں میں وہ دریائے علم موجزن ہے اگر اُس کو ظاہر کرنے کی کوشش کروں تو تم اس طرح سے کانپنے لگو گے جیسے گہرے کنوئیں میں رتیاں کانپتی ہیں۔“

چوبیس برس کا یہ زمانہ خاموشی میں گزار دیا۔ مگر حیاتِ طیبہ کا کوئی گوشہ ایسا نہیں تھا کہ کوئی اعتراض کرتا، کوئی ذرا سا بھی الزام وارد کرتا۔ وہی خطبات، وہ کلمات، وہی نصیحتیں، وہی لوگوں کو بتلانا اور اس کے بعد چار سالہ دورِ حکومت اور مولانا روم کا یہ کہنا:

”گو بظاہر اوشد اندر جائے حکم“  
اگرچہ بظاہر علیؑ سلطنت پر آئے، مگر کیوں آئے؟  
”تا نما سید دیگران رائے حکم“  
تاکہ دوسروں کو دکھائیں کہ حکومت ایسی ہوتی ہے۔

حکومت کو ختم کیا۔ . . . . پھر جہل، پھر صفین، پھر نہروان۔ یہ زندگی کے



# مجلسِ نہم

۹ محرم ۱۳۹۲ ہجری مطابق ۲۵ مئی ۱۹۷۲ عیسوی  
آخری مجلس

- ۱- حیاتِ طبعی حیوانوں پر اکڑ کر جاتی ہے۔
- ۲- حیاتِ عقلی انسان سے شروع ہوتی ہے۔
- ۳- حیاتِ حقیقی صرف خدا کی ذات ہے۔
- ۴- عقل کے تحت حیاتِ تشریحی ہے اگر عقل طابعِ ہوس ہو تو حیاتِ طبعی ہے۔
- ۵- فقط قیاس پر نظامِ حیات نہیں چلا کرتا۔
- ۶- کافر، منافق، چھپوڑ، جیغخوڑ، کنجوس، ظالم، حرامِ آد کی اطاعت کرنے سے قرآن نے منع کیا ہے۔
- ۷- رسولِ شعورِ انسانی سے غائب ہیں۔
- ۸- اقبالیات اور مدحِ حضرت علی علیہ السلام۔
- ۹- میراثیں کے ایک مہینے میں صرف ایک مسافر کا کر بلا میں پہنچنا۔

سے ہوں اور یہ سب کے سب بنی ہاشم ہیں۔ ان میں سے ایک ایک کا ہاتھ آپ نے حسنِ مجتبیٰ کے ہاتھ میں دیا، کیا میرا بچہ عباسؑ اس قابل نہ تھا کہ اُس کا ہاتھ حسن کے ہاتھ میں دیا جاتا۔۔۔۔۔ اتنا سنا تھا کہ آواز دی، اُمّ البنین گھبرا نا نہیں۔۔۔۔۔ عباسؑ، میرا نایب ہے۔۔۔۔۔ عباسؑ مرانا ہے، اے عباسؑ میں نے اُس کو اسی لیے پالا ہے کہ وہ کسی کے کام آئے۔۔۔۔۔ یہ کہہ کر بیٹے کو آواز دی، حسین! ادھر آؤ۔۔۔۔۔ جہنم جب نزدیک آئے عباسؑ کا ہاتھ حسین کے ہاتھ میں دیا اور حسین سے کہا: یہ تمہارا غلام ہے، اور عباسؑ سے کہا: یہ تمہارا آقا ہے۔۔۔۔۔ اور اس طرح یہ حیات، حیاتِ طیبہ بن کر ختم ہوئی اور عباسؑ کی زندگی حیاتِ طیبہ بن کر شروع ہوئی۔۔۔۔۔ عباسؑ کا بچپن، عباسؑ کی جوانی، سب نظریں رہے۔۔۔۔۔ بس یہاں سے سنئے۔۔۔۔۔ عباسؑ کو رخصت ملی۔۔۔۔۔ راوی کہتا ہے صبح سے ایک ایک شہید رخصت ہوا، علی اکبرؑ گئے، قاسمؑ ابنِ حسنؑ گئے، عونؑ و محمدؑ گئے، لیکن کسی کی رخصت پر کوئی بی بی خیمے سے باہر نہیں نکلی۔۔۔۔۔ مگر جب عباسؑ جانے لگے اور علمؑ باہر آیا۔۔۔۔۔ ایک مرتبہ تمام خیموں کے پردے اٹھ گئے، بیبیاں، عباسؑ عباسؑ عباسؑ کہتے ہوئے باہر نکلی آئیں۔۔۔۔۔ بیبیاں پکار رہی تھیں، عباسؑ نہ جاؤ۔ عباسؑ، نہ جاؤ عباسؑ، ہم اسیر ہو جائیں گے۔۔۔۔۔ نہ جاؤ عباسؑ۔

عباسؑ کی سواری چلی۔۔۔۔۔ دریا کے قریب پہنچے۔۔۔۔۔ (یہ آخری جملے ہیں) حسینؑ ابنِ علیؑ کے دل سے کوئی پوچھے۔۔۔۔۔ حسینؑ نے پالا ہے اس بھائی کو۔۔۔۔۔ تیس برس پالا ہے۔ ایک مرتبہ علمؑ کو حرکت ہوئی۔ علمؑ سیدھے ہاتھ سے بائیں ہاتھ کی طرف آیا۔ ایک مرتبہ علمؑ نے حرکت کی، بائیں ہاتھ سے علمؑ قلب کی طرف آیا۔۔۔۔۔ اور اب علمؑ جھکا۔۔۔۔۔ حسینؑ یا علیؑ کہہ کر کھڑے ہو گئے اور آواز دی یا عباسؑ اَلَا اِنْ کَسَرْتَ ظَهْرِيْ۔۔۔۔۔ عباسؑ! میری کمر اب ٹوٹ گئی۔۔۔۔۔ (اَلَا لَعَنَ اللّٰهُ عَلٰی قَوْمِ النَّظَالِیْنِ)



## نویں مجلس حیاتِ طیبہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
”مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَهُوَ مُؤْمِنٌ  
فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَیٰوَةً طَيِّبَةًۭ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ  
بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ“ (سورہ نحل ۶۷)

”مرد ہو یا عورت میں سے، جو شخص نیک کام کرے گا اور وہ ایماندار بھی ہو، تو ہم اُسے (دنیا میں بھی) پاک و پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور (آخرت میں بھی) جو کچھ وہ کرتے تھے اُس کا اچھے سے اچھا اجر و ثواب عطا کریں گے۔“

۶۷

”حیاتِ طیبہ“ کے عنوان پر نویں اور آخری تقریر آپ کی سماعت کے لیے دہریہ ہے۔ سب سے پہلے یہ امر محفوظ رہے اور یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ حیاتِ حقیقی فقط ذاتِ واجب کے لیے ہے یعنی ”جو حقیقی بالذات“ ہے وہ خدا ہے ”جو حقیقی بالخیر“ ہے وہ مخلوق ہے۔ اس طرح حیاتِ حقیقی اور جس کے لیے وجودِ کلِ زیبا ہے اُس کی ذاتِ گرامی میں شہودِ ذات، حُبِ تجلی، حُبِ انبساط حُبِ ظہور، یہ وہ وجوہات ہیں کہ جن سے عالمِ تکوین رونما ہوتا ہے اور حیاتِ ظاہر ہوتی ہے۔ اُس نے چاہا کہ جلوہ ہو، اُس نے چاہا کہ اس کا مظاہرہ ہو، اُس نے

چاہا کہ حیاتِ خلق ہو، اور وہ حقیقی خلق کرے، اور جیسا کہ کل عرض کیا جا چکا، جب حیاتِ کائنات میں آئی، پہلے حیاتِ چھپی ہوئی تھی کہ کہیں حیاتِ نظر نہ آئی، پھر نظر آئی تو اُس میں حرکت و شعور و ارادہ پایا گیا۔ حیاتِ طبعی حیوانیت پر اگر رُک گئی، اور حیاتِ عقلی انسانوں سے شروع ہوئی، اور جب انسانیت سے حیاتِ عقلی شروع ہوئی، اب اللہ نے سلسلہ ہدایت کو جاری کیا، تاکہ یہ حیاتِ عقلی، حیاتِ تشریفی بن جائے، اور حیاتِ تشریفی کے لیے یہ لازم کیا کہ عقل کو تابعِ شرع کر دو، اس لیے اگرچہ عقل اپنے کمال پر جا کر وہی کہے گی جو شرع کہتی ہے کُلَّمَا حَكَمَ بِهِ الْعَقْلُ حَاكَمَ بِهِ الشَّرْعُ جس کا شرع نے حکم دیا اُسی کا عقل نے حکم دیا۔ مگر جب عقل تابع نہیں ہوتی تو اب تابعِ شرع نہ رہی، تابعِ طولِ امل ہے..... وہ دھوکا ہے، فریب ہے عقل کا۔ انسان تو یہ سمجھتا ہے یہ میری عقل نے فیصلہ کیا، مگر یہ اُسکی ہوس نے فیصلہ کیا، اُس کی خواہشِ نفس نے فیصلہ کیا، اُس کے طولِ امل نے فیصلہ کیا، اُس کے اتباع ہوا وہ ہوس نے فیصلہ کیا، اس لیے حکمِ ایزدی یہی ہوا کہ عقل کو تابعِ شرع کر دو..... کل کی تقریر سے گفتگو مسلسل ہو رہی، کہ عقل کو باندھ کر رکھو شرع سے۔ عَقَالُ: بستن یعنی باندھنا۔ عقل کو باندھ رکھنا، اس طرح سے عقل جب تابعِ شرع ہو جاتی ہے تو پھر حق محیط ہو جاتا ہے۔ عقل وہی کہتی ہے جو حق چاہتا ہے۔ قرآن یہ نہیں چاہتا کہ اُن کا نفس ہوس کا

سہ بکھی ایسا ہوتا ہے کہ جب وہ ہوس کی بجلیوں کی زد میں آتی ہے تو ایسے موقع پر نام تو ہے اُس کا عقل لیکن تابعِ شرع نہیں ہے، تابعِ ہوس ہے، تابعِ طولِ الامل یعنی طویل اُمیدیں وابستہ ہیں۔

عَقَالُ: وہ رسی جس سے اونٹ وغیرہ کو باندھا جائے



تابع ہو جائے۔ قرآن یہ چاہتا ہے، ان کی عقل حق کی تابع رہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

”وَلَوْ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَ  
الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ طَبْلُ اَتَيْنَهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ  
عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ؕ“ (سورہ مومن آیت ۷۱)

”اور اگر حق ان کی خواہشات نفس کی پیروی کرنے لگے تو آسمانوں اور  
زمین اور جو کوئی بھی ان میں ہے سب میں فساد برپا ہو جائے۔ بلکہ  
ہم تو ان کے پاس انہی کا ذکر لاتے ہیں مگر وہ تو اپنے ہی ذکر سے منہ  
موڑے ہوئے ہیں۔“

اس لیے حق کو اجازت نہیں ہے کہ وہ کسی کی خواہشات کی پیروی کرے، اس لیے  
عقل کو تابع حق ہونا ہے، حق کو تابع عقل نہیں ہونا ہے۔ اگر عقل اپنی انا کے ساتھ یہ  
بتائے کہ ہمارے پاس مَا بَعْدَ الطَّبِیْعَاتِ بھی ہے، فلسفہ بھی ہے، حکمت بھی ہے،  
سائنس بھی ہے، علوم جدیدہ بھی ہیں، ہماری عقل کمال پر پہنچ چکی ہے، اس کے باوجود  
اقبال کا خیال یہ ہے کہ:

”عقل بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں“

اگر آپ کے پاس عقل ہے اور سارے علوم موجود ہیں اور اگر آپ یہ دعویٰ کریں  
کہ میں امام ہوں، اقبال کہتے ہیں یہ غلط ہے۔ آپ نے دیکھا اقبال کی نگاہوں میں  
امامت کا درجہ کیا ہے۔ یعنی وہ کہتے ہیں، اور وجہ کیا بتلائی۔ دیکھیے حیاتِ طیبہ  
پر ہم گفتگو کر رہے ہیں۔ اگلا مصرعہ بڑا اہم ہے اسے اپنے دل و دماغ میں محفوظ رکھیے:

”عقل بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں“

راہبرِ مہوطن و تہذیب تو زلوں کا رِ حیات

یہ نظامِ حیات تباہ ہو جائے گا اگر فقط اندازے پر چھوڑ دیا جائے۔ فقط

تجسس پر چھوڑ دیا جائے، فقط رائے پر چھوڑ دیا جائے، کیا ہوگا؟ اقبال کہتے ہیں

فکر بے نور، ترا جذبِ عمل بے بنیاد

سمت مشکل ہے کہ روشن ہوشِ تاری حیات

خوب و ناخوبِ عمل کی ہو گرہ و اکیونکر

گر حیات آپ نہ ہو شارحِ اسرارِ حیات

یہ حیات کی اندھیری رات کیسے روشن ہو، فکر میں نور نہیں ہے، عمل تو ہے

لیکن بنیاد میں حق نہیں ہے، وجود کل جب اپنی تجلی کی محبت میں جلوہ کرے تو

ایک مرتبہ کائنات نمایاں ہوتی ہے۔ کائنات ممکن ہے، وہ واجب ہے۔ کائنات

حادث ہے، وہ قدیم ہے۔ چونکہ وجوب سے ہی کائنات بنی ہے، یہ تیسرا شعر اقبال کا

خوب و ناخوبِ عمل کی ہو گرہ و اکیونکر

یہ بحث آپ سمجھ رہے ہیں میری تقریروں کی، یہ خوب ہے، یہ ناخوب ہے، یہ ظاہر

ہے، یہ نجس ہے، یہ طیب ہے، یہ خبیث ہے، یہ خیر ہے، یہ شر ہے، یہ نیک

ہے، یہ بد ہے۔ یہ کون فیصلہ کرے؟ عقل یا شریعت؟

خوب و ناخوبِ عمل کی ہو گرہ و اکیونکر

گر حیات آپ نہ ہو شارحِ اسرارِ حیات

یعنی، اک حیات جو ہمارا ہو وہ حیات کے رازوں کی کیسے تشریح کر سکتی ہے۔

اقبال یہ کہتے ہیں کہ خود ذات واجب یہ بتلائے کہ راستہ کیا ہے، عقل پر بھروسہ

نہ کرے انسان، اسی لیے قرآن میں سورہ آل عمران میں ارشاد ہوا:

”مَا كَانَ لِلّٰهِ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ

حَتّٰى يَخْرُجَ الْخَبِيْثُ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ“ (آل عمران آیت ۱۷)

”اللہ صاحبِ ایمان کو اس حالت میں نہیں چھوڑے گا جس میں کہ تم ہو جب تک کہ وہ خبیث

اور طیب کی پہچان نہ بتلا دے“ کہ خبیث کیا ہے اور طیب کیا ہے۔



”وَلَا تَطْعُمْ كُلَّ حَلَافٍ مَّهِينٍ ۝“ (سورہ ن والقلم آیت ۲۹)  
 ”اور چھوٹی قسمیں کھانے والے کی اطاعت نہ کرنا۔ مہین یعنی چھوڑ  
 کی اطاعت نہ کرنا۔“

”هَمَّا زِمْنَا مَشَاعِمَ بَنِي عِثْرٍ ۝“ (سورہ ن والقلم آیت ۱۱)  
 ”و عیب جو، چغلی اور بنی عثر کی اطاعت نہ کرنا۔“

”مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ۝“ (سورہ ن والقلم آیت ۱۲)  
 ”نیکی سے روکنے والے کی اطاعت نہ کرنا۔ حد سے بڑھنے والے کی اطاعت  
 نہ کرنا، گنہگار کی اطاعت نہ کرنا۔“

”وَلَا تَطْعُمْ مَن آغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا“ (سورہ کہف آیت ۲۸)  
 ”اور (خبردار) اُس کی اطاعت نہ کرنا جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل رکھا۔“  
 ”وَاتَّبَعْ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرْطًا ۝“ (سورہ کہف آیت ۲۸)  
 ”اور یہ غافل اس لیے ہوا ہے کہ اُس نے اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کی اور  
 وہ اپنے کام میں حد سے تجاوز کر گیا۔“

”وَلَا تَطِيعُوا أَمْرَ الْمُسْرِفِينَ ۝“ (سورہ الشعراء آیت ۱۵۱)  
 ”اور (خبردار) اسراف کرنے والوں کی پیروی نہ کرو۔“  
 کافروں کی اطاعت نہ کرنا، منافقوں کی اطاعت نہ کرنا، چغلی کھانے والوں  
 کی اطاعت نہ کرنا، جھوٹوں کی اطاعت نہ کرنا، حد سے گزرنے والوں کی اطاعت  
 نہ کرنا، چھوڑنے کی اطاعت نہ کرنا، بنی عثر کی اطاعت نہ کرنا۔ دیکھا آپ نے  
 کافروں کی اطاعت نہ کرنا، منافقوں کی اطاعت نہ کرنا۔ جن کی اطاعت نہ کی جائے

اُن کی نشان دہی کر کے ارشاد ہوتا ہے: (سورہ نسا آیت ۵۹)

”أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ“  
 ”اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے صاحبانِ امر ہوں“

ظاہر ہے، دین کی راہ میں جس کو اللہ راہبر بنا کر بھیجے، کہ تم جاؤ، اعلان کرو تم  
 میرے رازدار ہو، تم میرے امر کو سمجھتے ہو، تم میرے مزاج داں ہو، تم میری مشیت کے  
 نمائندے ہو میں تفصیل سے نہیں بتاؤں گا کہ کیا کیا حلال ہے اور کیا کیا حرام ہے  
 تم میرے منشاء کو جانتے ہو، میں ایک کتاب بھیجوں گا۔ چھ ہزار دوسو چھتیس آیتوں  
 کی کتاب ہوگی۔ اُس میں حکم نماز ہوگا۔ حکم میں دوں گا، تفصیل تم بتا دینا میں رہی  
 زکوٰۃ کا حکم ہم دیں گے، نصاب زکوٰۃ تم بتلاؤ۔۔۔۔۔ تم جو بھی تفصیل دو گے ہم  
 کو پسند۔۔۔۔۔ یہ تو ہم جانتے ہیں کہ تم حق کے ساتھ ہو۔۔۔۔۔ ہم جانتے ہیں  
 تمہاری عقل تابعِ حق ہے۔۔۔۔۔ ہم تمہاری حیاتِ طیبہ کو جانتے ہیں، اس لیے تم کو  
 یہ اختیار دیا گیا۔۔۔۔۔

”ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ  
 أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝“ (سورہ جاثیہ آیت ۱۸)

”اے حبیب! ہم نے آپ کو ایک شریعت عطا کر دی ہے اُس کی پیروی کرنا  
 اور اُن لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرنا جن کو علم نہیں۔“  
 اگرچہ وہ تجھ کو ابتر سمجھیں۔۔۔۔۔ اگرچہ وہ تجھ کو اُمتی جانیں، بمعنی جاہل۔۔۔۔۔  
 پروا نہ کرنا، مگر اُن کی پیروی نہ کرنا۔

”وَلَا تَطْعُمِ الْكَافِرِينَ وَ الْمُنَافِقِينَ“ (احزاب آیت ۴۸)  
 ”اور کافروں کی اطاعت نہ کرنا، اور منافقوں کی اطاعت نہ کرنا۔“

پھر سورہ القلم کی مسلسل آیتیں۔۔۔۔۔ ارشاد ہوتا ہے: (ن والقلم آیت ۱)  
 ”فَلَا تَطْعُمِ الْمُكْذِبِينَ ۝ وَذُؤَالُو تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ ۝“  
 ”پس جھٹلانے والوں کی اطاعت نہ کرنا۔ کیونکہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ اگر تم نرم ہو جاؤ

تو وہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں۔“



حیاتِ عقلی اُس وقت تک باقی ہے جب تک اُس کی قوتِ دراکہ باقی ہے۔  
حیاتِ طیبہ اُس وقت تک باقی ہے جب تک اُس کی طہارت میں قیام ہے، بقاء ہے  
اور جائے شہ نہیں ہے، ریب نہیں ہے۔

اور اس منزل پر رسول کی زندگی آغاز سے انجام تک، اگرچہ ہم کو نہیں معلوم  
کہ چالیس برس تک کیا کیا، مگر ایک زمانہ نبوت سے پہلے گزرا ہے کہ میں یہاں  
ہوں تم میں جو زمانہ میں نے گزارا ہے۔ قرآن نے گواہی دی:  
”فَقَدْ كَيْسَتْ فِیْكُمْ عُمْرًا مِّنْ قَبْلِهِۦٓ أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ“

(سورہ یونس آیت ۱۶)

”تم میں جو زمانہ میں نے اس سے قبل گزارا ہے۔ کیا تم عقل سے کام  
نہیں لیتے۔“

لیکن ہوا کیا، وہ اتنا بلند تھا کہ نظروں سے غائب، شعور سے غائب کسی مکے والے  
نے یہ نہیں کہا کہ ہم بچپن کے دوست تھے۔ تاریخ میں ہو تو بتا دیجئے۔ سب نبوت کے  
بعد لے میں۔ نبوت یعنی ظہور، یہ غیب، چالینس برس غیب میں گزر گئے۔ میں  
تم میں تھا، تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے۔ مکہ کوئی بہت بڑا شہر نہیں تھا، وہ  
اتنے ممتاز قبیلے سے تھا کہ ذرا سی بھی غلطی کرتا تو سب کو معلوم ہو جاتا۔ مگر یہ کوئی  
غلطی؟ تو وہ نبوت کے بعد ظاہر نہیں ہوا، وہ نبوت سے پہلے بھی ظاہر تھا۔  
یہ ہے حیاتِ طیبہ آپ کے سامنے۔ دوسرا نمونہ جو کل کی تقریر میں پیش  
کیا اللہ والے کا سفر کعبے سے کوفے کی مسجد تک۔ اُس کی زندگی، کہ جہاں طہارت ہی  
طہارت، ساری دشمنیوں کے باوجود، سلاطین وقت کی دشمنی کے باوجود۔ تاریخ  
لکھنے والوں کی چشم و ابروؤں کی گہر دشمنوں کے باوجود، یہاں ایک پہلو بھی ایسا نہ نکل سکا  
کہ جہاں یہ کہا جائے کہ یہ غلطی ہوئی۔ . . . . نہیں، غلطی کیسی بلکہ اللہ نے اُس کے

اطاعت جن کی نہ کی جائے۔ یہ فہرست ہے۔ . . . . اب بتلاؤ اولی الامر  
کون ہے، کافر نہ ہو، منافق نہ ہو، مُفسد نہ ہو، ظالم نہ ہو، جھوٹا نہ ہو، غافل نہ ہو،  
اشیم نہ ہو، زنیہ نہ ہو، مرتد نہ ہو، ہمارا نہ ہو، معتد نہ ہو، متاعِ لئیر نہ ہو۔  
پھر آگے چل کر بیچ میں ایک لفظ ہے ”عُتِلَّ“ یعنی اس کی اطاعت نہ کرنا جس کا  
نسب صحیح نہ ہو۔ قرآن نے کہا یہی وہ گوشے ہیں جہاں انسان ہو اوہوس کا مطیع  
ہو جاتا ہے۔ . . . . اس لیے اولی الامر بتلائے۔ . . . .

صرف وہ بتلائے کہ حق کیا ہے، صدق کیا ہے، عدل کیا ہے۔ جب  
اُس نے اعلان کر دیا کہ ہم کیا بتائیں، اس لیے کہ ہم نظر نہیں آتے، اس لیے  
اپنی مرضی کا نام نہ بھیجتے ہیں۔ . . . . اور اگر وہ بتلائے تو یہ سمجھ لو۔ . . . .  
”وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوحٰی ؕ (سورہ نجم ۲۰)  
”اور وہ اپنی خواہش نفس سے بات نہیں کرتا۔ وہ وحیِ ربانی ہے  
جو ہر آن نازل ہو رہی ہے۔“

حیاتِ عقلی شرع کی تابع ہے، وہاں سے حیاتِ طیبہ شروع ہوئی۔ وہ  
طیبین کے ساتھ ہے۔ اس کے بھی مدارج ہیں، مگر یاد رہے جس کی قوتِ ادراک  
جب تک باقی ہے اس کی حیاتِ عقلی باقی ہے، اور جس کی طہارتِ عقلی باقی ہے،  
اُس کی حیاتِ طیبہ باقی ہے، جب تک اس کی قوتِ طہارت باقی ہے کوئی زمانہ  
ایسا آجائے کہ تاریخ کا لکھنے والا کوئی پہلو بتلائے کہ یہاں غلطی ہوئی، سمجھ لو حیاتِ  
طیبہ پر اثر آیا، مگر یہ ۱۳۹۲ ہجری کا آغاز ہے اب تک تو کوئی نہ کہہ سکا، اس لیے  
آیت موجود تھی:

”اِنَّمَا یُرِیدُ اللّٰهُ لِیَذْهَبَ عَنْكُمُ الرِّجْسُ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ  
یُطَهِّرَ کُمْ تَطْهِیْرًا“ (سورہ احزاب آیت ۳۳)

لے عُتِلَّ بِجَدِّ ذٰلِكَ رَنِّیْمِ • (انعام ۱۳)







از رُخِ او فال پیغمبر گرفت  
مَتِ حق از شکویشِ سر گرفت

قرآن سے فال بھی جاتی ہے لیکن اقبال کہتے ہیں، رسولؐ، علیؑ کے چہرے کو دیکھ کر فال نکالتے تھے، چہرے سے فال لیتے تھے اور اُسی کے شکوہ و نشان سے دینِ حق کو آج یہ مقام حاصل ہے۔ ورنہ یہ مقام دینِ حق کو نہیں ملتا، رسولؐ نے علیؑ کے چہرے سے فال لیا تھا، فال دیکھا تھا کہ دین کا انجام کیا ہے:

ذاتِ او دروازهٴ شہرِ علوم  
زیرِ فرمانش حجاز و چین و روم  
وہ بابِ مدینہٴ علم تھے، اور اب کہتے ہیں:

ہر کہ در آفاق گردد بو تراب  
باز گرداند ز مغرب آفتاب  
مرسلِ حق کرد نامش بو تراب  
حق ید اللہ خواند در اُم کتاب  
ہر کہ دانائے رموزِ زندگیست  
سرِ اسمائے علیؑ داند کہ چیست

وہ جو رموزِ زندگی کو جانے، اللہ نے اُس کو ید اللہ کہا، یہ اقبال کی ذہنی ہے مسلمانوں کا کیا عقیدہ ہے میں بحث نہیں کروں گا۔ اللہ نے ید اللہ کہا مصطفیٰؐ نے بو تراب کہا، جو رموزِ زندگی جانتا ہے وہ علیؑ کے ان اسماء کا راز بھی جانتا ہے۔

خاکِ تاریکے کہ نامِ او تن است  
عقلِ ازبیدارِ او در شیون است

گردشِ ایام را برہم زند  
چرخِ نیلِ فام را برہم زند

”ایسا انسان گردشِ آسمان کو الٹ کر رکھ دیتا ہے، ایسا انسان قوت کی رفتار کو روک دیتا ہے۔“

می کند از قوتِ خود آشکار

روزگارِ نو کہ باشد سازگار

”یہاں تک کہ وہ زمانہ آجاتا ہے کہ اُس انسان کے لیے زمانہ سازگار ہو جاتا ہے۔“

مسلمِ اولِ شہِ مرداں علیؑ

عشقِ را سرمایہٴ ایماں علیؑ

یہ اشعار کراچی یونیورسٹی کے نصاب میں شامل نہیں ہے۔ اقبال ہیں مگر اُن کا یہ کلام نہیں ہے۔

از ولایتِ دودمانش زندہ ام

در جہاں مثلِ گُہر تابندہ ام

علیؑ کے خاندان کی محبت میں جی رہا ہوں۔ دنیا میں اسی لیے موتی

کی طرح چمک رہا ہوں۔“

اقبال فنا ہو گئے تھے اس آستانے پر۔۔۔ اُن کے فارسی اشعار پڑھتے پڑھتے

ایک اُردو کا شعر یاد آیا، ”نہیں تاکہ اقبال کی باطنی حالت کا علم ہو:

ہمیشہ وردِ زباں ہے علیؑ کا نام اقبال

کہ پیاسِ روح کی بجھتی ہے اس نیکنے سے

اب اس فکر کو آگے بڑھاتے ہوئے اقبال نے کہا، علیؑ... کون علیؑ...؟ کہتے ہیں



جو اپنے جسم کو یوں پے کر دے یعنی قتل کر دے، ذبح کر دے، بھلا  
اُس کو میری اور خلافت کی کیا پروا ہے۔

تینِ جِلْم گردنِ خشمِ زِ دوست  
خشمِ حق بر من بہرِ رحمتِ شدست

میری بُرداری کی تلوار نے میرے غصہ کی گردن کاٹ دی ہے۔  
مجھ پر اللہ کا غصہ مجسمِ رحمت بن گیا ہے۔

یہ مولانا روم ہیں جو آخر میں کہتے ہیں۔ دو سو شعر کہنے کے بعد اب میں اس  
حصار سے نکل گیا، لیکن اقبال اس حصار سے نکلنا نہیں چاہتے، کہتے ہیں:

ہر کہ در آفاق گردد بوتراب  
باز گرداند زِ مغرب آفتاب

جو مٹی کا باپ ہوتا ہے وہ آفتاب کو مغرب واپس لاتا ہے۔

از خود آگاہیِ یَدِ اللہی کُنہ  
از یَدِ اللہی شہنشاہی کُنہ

وہ یَدِ اللہی سے شہنشاہی پالیتا ہے، وہ کائنات کی حکومت  
کا مالک ہے۔

یہ حیاتِ طیبہ محیطِ بے نفوس پر، عقول پر، کامیاب انسانوں کی زندگی  
پر، وہ جو شرع کے ساتھ ساتھ ہیں، اُن کے دل و دماغ پر چھائی ہوئی ہے  
یہ زندگی، اِس لیے عزیزانِ گرامی! اُن کی حیات ہمارے لیے جاذبِ نظر ہے  
مرکزِ نگاہ ہے، ہماری نگاہیں اُدھر لگی ہوئی ہیں جب ہم حیاتِ طیبہ پر گفتگو کرینگے  
انہیں کی زندگیاں سامنے ہوں گی، یہیں بلکہ اُن کے غلاموں کی زندگیاں۔  
اقبال کہتے ہیں:

شیرِ حقِ ایں خاکِ راسخِ کرد  
ایں گلِ تاریکِ را اکیرِ کرد

وہ کالی مٹی جس کو جسم کہتے ہیں۔ ”یہ میری تقریر کا پہلا حصہ ہے“ یہ اُسی مٹی  
کا ہاتھ ہے کہ انسان کی عقل بنا دے، شیرِ حق نے اُس مٹی پر قبضہ کیا، اس تاریک  
مٹی کو مرتضیٰ نے اکیر بنا دیا، تسخیر کیا۔ . . . . یہی گفتگو مولانا روم کی بھی ہے  
جب علیؑ نے پہلوان کو پھینکا اور اُس نے آپ کے متھ پر لعابِ دہن پھینکا  
تو مولانا روم کہتے ہیں:

اُو خِیو انداخت بر روئے علیؑ  
افتخارِ ہر نبی و ہر ولی

جب اُس نے علیؑ کے چہرے پر تھوک پھینکا علیؑ نے تلوار  
روک لی۔ ”یہ مولانا روم کی ذمہ داری ہے، افتخارِ ہر نبی و  
ہر ولی نے علیؑ نے“ پہلوان سے کہا تو چاہتا تھا کہ مجھے غصہ  
آئے، تو نے اِس لیے تھوکا، تاکہ میں اللہ کے لیے جو لڑ رہا ہوں  
اب اپنے ذاتی غصے کی وجہ سے تجھ سے لڑوں، میں اللہ کے کام میں  
اپنے ذاتی غصے کو شامل نہیں کرنا چاہتا، میں نے ایسا نہیں چاہا

انچہ دیدی بہتر از پیکارِ من  
تا شدی تو سست در آشکارِ من

اُس نے پوچھا: یا علیؑ! آپ مجھے مارنے میں سست ہو گئے کیوں  
قتل نہیں کرتے؟ . . . . آپ نے جواب دیا:

اَنتِ خود را اگر خود بشکند  
اَل شکستہ کشتہ را نیکو کند



میرا نیس کا مشہور مرثیہ ۔۔۔ "مسافر کہتا ہے"

دو صاحبوں کے شوق میں چھوڑا ہے گھر حسرت یہ ہے نصیب کرے یاوری اگر  
پہلے تو ہوں نجف کی زیارت سے بہرہ ور منظور پھر وہاں سے مدینہ کا ہے سفر

جاؤں گا دولتیں ہیں اگر سر نوشت میں

رستے میں موت آئی تو پہنچا بہشت میں

فرمایا آپ نے کہ مدینے میں کیا ہے کام عرض اُس کی وہی تو ہے دنیا میں اک مقام  
اُس سرزمین پر ہے مرا آقا، مرا امام بہوں جس کے عشق میں روتا ہوں صبح و شام

جیڑ کے جان و دل ہیں شہِ مشرقین ہیں

صدقے میں اُس جگہ کے وہی توحسین ہیں

حسین ابن علیؑ نے اُس سے فرمایا۔ جانجف زیارت کے لیے جا۔۔۔

رستہ ہے یاں سے رات بے کا نجف کو جا

بچنا مرا محال ہے، گر جان دی تو کیا لے بھائی تو ہے صاحبِ دختر نے رضا

دامن کو آنسوؤں سے بھگوتی ہے رات دن

بیٹی تری تیرے لیے روتی ہے رات دن

رخصتِ وقت وہ جو بلکھتی تھی دم بہ دم وعدہ کیا تھا تو نے کہ آئیں گے جلد ہم

مرتی ہے انتظار میں وہ صاحبِ الم آلودہ اس قسم میں ہوں میں بھی اسیر غم

ہجر ال نصیب رنج و بلا و محن میں ہے

بیمار ایک میری بھی بیٹی وطن میں ہے

وہ سمجھ گیا، یہی میرا امام ہے، اُس نے تلوار کھینچی، جنگ کی اور لڑتے

لڑتے قتل ہوا، شہادت کے مرتبے پر فائز ہوا۔۔۔ آقا اُس کی لاش کو اٹھا لائے

طیبین کی فہرست میں داخل ہوا۔۔۔ دیکھیے آنِ واحد میں کیا تھا کیا ہو گیا۔

زِ سیمائے کہ سودم بر در غیر

سجودِ بوذر و سُلمانِ نیا یہ

"یہ پیشانی میری اگر غیر کی چوکھٹ پر جھک گئی تو اس پیشانی سے

بوذر و سُلمان کے سجدے ادا نہیں ہو سکتے۔ یہ غیر کے در پر جھکے

والی پیشانی سے ابوذرؓ اور سُلمان کے سجدوں کی توقع نہ رکھنا۔"

یہ ابوذر و سُلمان کو اقبال نے یاد کیا اور اب یہ منزل بھی دیکھیے:

قطرہ آب وضوئے قبرے

در بہا بر تر ز خونِ قیصرے

"قبر کے وضو کے پانی کا ایک قطرہ قیصر بادشاہِ روم کے ایک

قیمتی موتی سے بلند تر ہے، نہیں، بلکہ قیصر کے خون سے کہیں

افضل ہے۔"

اگر قبر وضو کے وقت ایک قطرہ پانی گرائیں تو دیکھنے والے حیاتِ طیبہ کو

اس شان سے دیکھتے ہیں۔ جہاں حسین نے دامنِ تحام لیا، اللہ نے اُسے حیاتِ طیبہ

عطا کی۔ یہی وہ منزل ہے جہاں ہم اس سلسلے کو کامیاب و کامران دیکھتے ہیں۔

باپ حیاتِ طیبہ کے ساتھ، بیٹا، حیاتِ طیبہ کے ساتھ، نسلاً بعد نسل حیاتِ طیبہ

ان کے اثرات بہتر (۲)، نفوس سب حیاتِ طیبہ کا نمونہ ہیں۔ جو ابھی ابھی آیا ہے

وہ بھی طیب، قاصدِ صغیر آیا روزِ عاشور مدینے سے آیا۔ نہیں معلوم کب سے نکلا ہوا

تھا۔۔۔۔۔ شہید ہو گیا حسین نے لاش اٹھائی، وہب ابن عبداللہ کلبی آئے

شہید ہوئے، حسین نے اُن کی لاش اٹھائی، ایک شخص نجف جلتے ہوئے آیا اب

امام حسینؑ نے اُس سے پوچھا:۔۔۔ "آنا ہوا کدھر سے تراے خدا شناس"

عرض اُس نے کی غلامِ شہِ ذوالفقار ہوں:۔۔۔ بیکس ہوں، نوا ہوں، غریب الدیار ہوں



زمین کربلا نے کیا کیا، تاثیر حسین نے کیا کیا؟ اور اب آخری منزل۔ آج دسویں محرم کی رات ہے، اب کل آپ کو زحمت نہیں دی جائے گی، کل اس جگہ کو آپ انسان پائیں گے۔۔۔۔۔ اللہ آپ کو ہر بلا سے بچائے۔۔۔۔۔ جسٹن گھوڑے سے گر گئے۔ ایک مرتبہ پورے لشکر نے کہا۔ ابن سعد! ہم محمد کے نواسے کو قتل نہیں کریں گے۔۔۔۔۔ ابن سعد نے کہا کیوں، کیا بات ہے؟۔۔۔۔۔ اشقیاء نے کہا: اے ابن سعد عذاب آجائے گا۔۔۔۔۔ ابن سعد نے پوچھا: پھر کیا ہو۔۔۔۔۔ سب نے کہا:۔۔۔۔۔ کوفے سے ہمارے ساتھ گھوڑوں کے علاج کے لیے ایک نصرانی آیا ہے اُس کو دے تلوار، اُس کو بھیج دے، اور اُس سے کہہ دے کہ وہ جا کر حسین کو قتل کر دے۔۔۔۔۔ عمر سعد نے اُسے بلایا اور کہا: دیکھ! گودال قتل گاہیں ایک زخمی پڑا ہے، اُسے قتل کر دے، وہ سوچتا ہوا چلا کہ اس مسافر کا بھائی مارا گیا، بیٹا مارا گیا، ارے ایک چھوٹا بچہ بھی مارا گیا۔ اب یہ زخمی ہو گیا، تو میرے ہاتھ سے قتل کروا رہے ہیں۔ تلوار کو لیے ہوتے غریب کے سر ہانے پہنچا۔ اور ایک بار کہا: اے غریب! تو میری آواز سن رہا ہے؟ امام چپ تھے، امام نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کہا غریب! رات کو میں نے عیسیٰ کو خواب میں دیکھا تھا اُن کے ساتھ ایک بزرگ تھے، کرخیہ تھی، سر پر عامہ نہیں تھا اور عیسیٰ مجھ سے کہہ رہے تھے۔۔۔۔۔ دیکھ! ان بزرگ سے کل مجھے شرمندہ نہ کرنا۔ اے غریب! اس خواب کی تعبیر کیا ہے؟۔۔۔۔۔ آقا نے پھر بھی جواب نہیں دیا۔۔۔۔۔ اُس نے کہا: اے غریب! تجھے اُس جوان کا واسطہ، جس کی لاش پر تو گھٹنوں کے بل گیا۔۔۔۔۔ تو کون ہے؟ اے مسافر! تو کون ہے، اے غریب! تو کون ہے؟۔۔۔۔۔ آقا خاموش ہیں، کوئی جواب نہیں دیا۔۔۔۔۔ اُس نے کہا: وہ فرات

کے کنارے تراوان بھائی مر گیا، اس کا واسطہ۔۔۔۔۔ بتا تو کون ہے۔۔۔۔۔ آقا نے جواب نہیں دیا۔۔۔۔۔ اُس نے کہا، وہ بچہ جو تیرے ہاتھوں پر ٹرپ کر مر گیا اُس کا واسطہ۔۔۔۔۔ بتا، مسافر! تو کون ہے۔۔۔۔۔ آقا نے جواب نہیں دیا۔۔۔۔۔ اب یہ پریشان ہوا، کیا کرے، قتل کر دے، ذبح کر دے؟ ایک مرتبہ خیموں پر نظر گئی، دیکھا ایک بی بی درخیمہ پر کھڑی مقتل کی طرف دیکھ رہی ہے۔۔۔۔۔ اُس نے پکار کر کہا: اے غریب! تجھے اُس بی بی کا واسطہ، بتا تو کون ہے؟۔۔۔۔۔ ایک مرتبہ، حسین نے آنکھیں کھولیں، اور فرمایا:۔۔۔۔۔ میں حسین ہوں۔۔۔۔۔ میں محمد مصطفیٰ کا بیٹا ہوں۔۔۔۔۔

ایک تلوار لیکر وہ نصرانی یہ کہتا ہوا چلا، تم رسول کے نواسے ہو؟ اور تمہارے قتل کے لیے مجھے بھیجا تھا۔۔۔۔۔ مجھے اجازت دیجیے۔ میں نفرت کروں گا۔۔۔۔۔ لشکر پر حملہ کیا۔ زخمی ہوا، لڑتے لڑتے گرا اور پکار کر کہا: غریب! تو نے صبح سے ایک ایک کی لاش اٹھائی ہے۔ اب تو مجھے سنبھال نہیں سکتا۔ غشی کے عالم میں پکار کر کہا: گھبرا مت! ارے میرے بابا تجھے سنبھالیں گے۔

(اَلَا لَعَنَةُ اللّٰهِ عَلٰی قَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ)  
رُبَاعِی

اوصافِ علی بہ گفتگو ممکن نیست  
گنجائش بحر در سبوح ممکن نیست  
من اوصافِ علی بواجبی کے دائم  
الا دائم کہ مثل او ممکن نیست



# خواتین کے لئے سوز خوانی کی

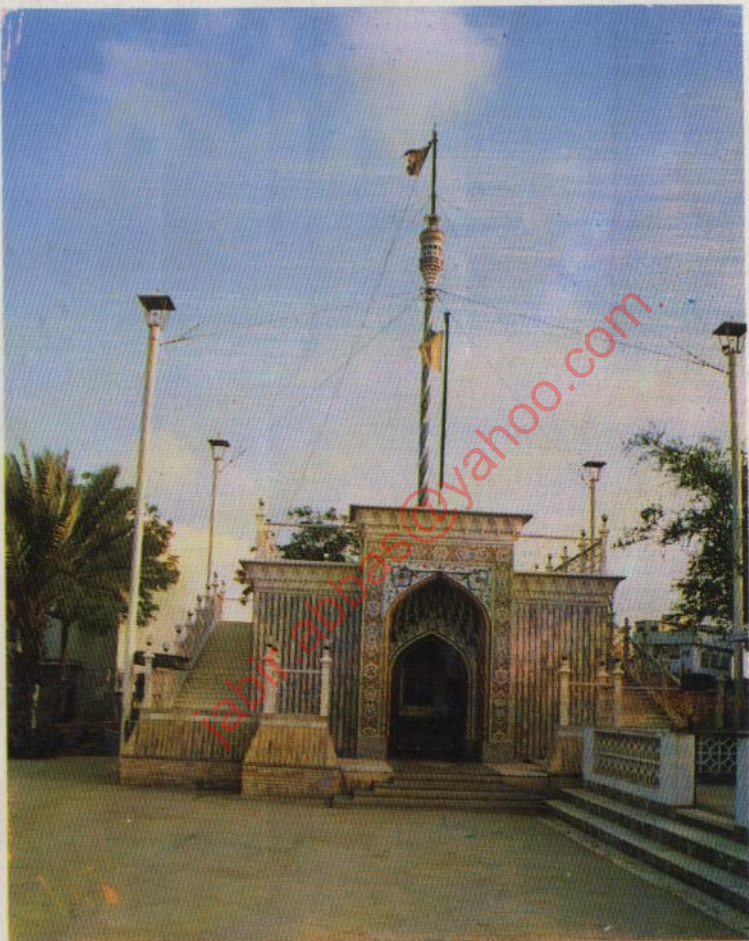
تاریخ وار مرثیوں کی بہترین کتابیں

منتخبہ و مرتبہ سید قیصر حسین قیصر شہدی

|                                             |                                             |                                                         |
|---------------------------------------------|---------------------------------------------|---------------------------------------------------------|
| تنویر عزم<br>جلد اول<br>۲۲ مرثیوں کا مجموعہ | تنویر عزم<br>جلد دوم<br>۱۵ مرثیوں کا مجموعہ | چشمہ عزم<br>از حضرت نسیم امروہوی<br>۶۵ مرثیوں کا مجموعہ |
| نوائے عزم<br>جلد اول<br>۲۲ مرثیوں کا مجموعہ | نوائے عزم<br>جلد دوم<br>۲۲ مرثیوں کا مجموعہ | عرفان عزم<br>جلد اول<br>۸۲ مرثیوں کا مجموعہ             |

محفوظ بک ایجنسی  
انام بارگاہ مارٹن روڈ کراچی  
فون: ۷۲۲۲۸۶





## قطعه تاریخ رحلت

نبی کی آل کی خدمت میں علامہ ترابی ہیں  
گذاری عمر منبر پر عزا خانہ میں سوتے ہیں  
ذرا دیکھو مولیٰ خود مصرعہ تاریخ کہتی ہے  
بے نظر عقیدت لے کے تقریریں کا گلہ ستہ  
وہی ماحول یعنی بعد رحلت بھی ہے پیوستہ  
سر بالین علم مرکز سے آج اب بھی ہیں وابستہ

سید حسن احمد داد